مطالعہ مغرب 2

سرمایہ داری کا مستقبل

www.KitaboSunnat.com

مترجم

صابر علی

نظرِ ثانی

مولوی علی داؤد خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری کا مستقبل

مصنفین

عمانویل والرسٹائن، رنڈل کولنز، مائیکل مین، جارجی
درلوگاں، کریگ کلھون

ترجمہ: صابر علی

www.kitabosunnat.com

وراثت پبلیکیشنز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب کے مواد (اردو ترجمہ) کو کسی بھی شکل میں استعمال کرنے کے لیے تحریری اجازت ضروری ہے۔

330
ص ا ب س

انگریزی کتاب	Does Capitalism Have a Future?
مصنفین	عمانویل والرسٹائن (Immaneul Wallerstein)
	رنڈل کولنز (Randal Collins)
	مائیکل مین (Michael Mann)
	جارجی درلوگاں (Georgi Derluguian)
	کریگ کلہون (Craig Calhoun)
اردو ترجمہ	سرمایہ داری کا مستقبل
مترجم	صابر علی
اشاعت اول	اگست ۲۰۱۷ء
صفحات	۱۷۶
تعداد	۱۰۰۰
سائز	۲۳×۳۶/۱۶

۷۰ گرام امپورٹڈ بک پیپر پر ان پیج نوری نستعلیق میں کمپوز کروا کر بابر علی نے وراثت پبلی کیشنز کے لیے حاجی حنیف پرنٹرز لاہور سے طبع کروایا۔

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 25468

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجات

تعارف	۵
ا۔ ساختیاتی بحران (سرمایہ داروں کے لیے سرمایہ داری منافع بخش کیوں نہیں رہے گی)	۱۳
سرمایہ داری اپنے عروج کے دور میں	۱۵
جدید عالمی نظام	۲۱
ساختیاتی بحران: ۱۹۷۰ء تا ؟	۲۴
طویل المدتی ساختیاتی رجحانات	۲۵
ارضی ثقافت میں تبدیلی	۲۸
انتشار جو آ کے رہا	۳۲
نظام کی جانشینی کے لیے سیاسی جدوجہد	۳۵
۲۔ مڈل کلاس کام کا خاتمہ: کوئی راہِ فرار نہیں بچی	۳۹
راہِ فرار اول: نئی ٹیکنالوجی ملازمتیں پیدا کرتی ہے	۴۱
راہِ فرار دوم: مارکیٹوں کا جغرافیائی پھیلاؤ	۴۳
راہِ فرار سوم: فنانس مارکیٹ	۴۵
راہِ فرار چہارم: حکومتی روزگار اور سرمایہ کاری	۴۸
راہِ فرار پنجم: تعلیمی اہلیتوں میں افراط	۵۰
مکمل بحران کب ہوگا؟	۵۴
سرمایہ داری مخالف انقلاب: امن پسند یا متشدد؟	۵۵
ساختیاتی بحران کی پیچیدگیاں	۵۸
مابعد سرمایہ داری مستقبل اور معاشی نظام	۶۲
نتیجہ	۶۴
۳۔ خاتمہ قریب ہوسکتا ہے، لیکن کن کے لیے؟	۶۵
تعارف	۶۵
نظام اور چکر	۶۷
۱۹۲۹ء کا عظیم بحران	۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۰۰۸ء کی عظیم کساد بازاری ۷۲
امریکی غلبہ اور اس کے مخالفین ۷۶
سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کا خاتمہ؟ ۷۸
دنیا کا خاتمہ؟ ۸۵
نتیجہ: خاتمہ قریب ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ۸۹
۴۔ کمیونزم کیا تھا؟ ۹۱
روسی جیو پولیٹیکل پلیٹ فارم ۹۳
قلعہ بند سوشل ازم ۹۷
ترقیاتی کامیابی کے اخراجات ۱۰۲
انہدام ناگزیر کیسے تھا؟ ۱۰۷
پیش گوئیاں اور تاریخی راستے ۱۱۳
سرمایہ داری اور اس کے بیسویں صدی کے مخالفین ۱۱۵
۵۔ اب سرمایہ داری کو کیا خطرات ہیں؟ ۱۱۹
انہدام کیوں نہیں؟ ۱۲۰
سرمایہ داری بالعموم اور مالیاتی سرمایہ داری بالخصوص ۱۲۴
بحران کی سوچ ۱۲۸
اوارتی خسارے ۱۳۳
قلیل وسائل اور مسخ شدہ فطرت ۱۳۹
غیر رسمی شعبہ اور ناجائز سرمایہ داری ۱۴۲
نتیجہ ۱۴۵
ماحصل: مشترکہ اختتامی باب ۱۴۹
ہمارے حال کی تشکیل ۱۵۰
نظاماتی حدود بمقابلہ لامحدود ارتکاز ۱۶۱
تبدیلیاں ۱۶۷
تبدیلی والے مستقبل میں سوشل سائنس کا کردار ۱۷۱
اختتام ۱۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعارف

آنے والا دور حیرانیاں، پریشانیاں اور مصیبتیں لائے گا۔ ان میں سے کچھ نئی نظر آئیں گی اور کچھ بالکل پرانی لگیں گی۔ کئی سیاسی الیمے پیدا ہوں گے اور فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آئے گی۔ ہوسکتا ہے یہ سب کچھ بہت جلدی یعنی آپ کی زندگی ہی میں ہو جائے۔ لیکن یہ سب ضروری اور لازمی طور پر بھیانک نہیں۔ گزشتہ نسلوں سے مختلف کام کرنے کے مواقع ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس کتاب میں پانچ مختلف ماہرینِ سماجیات تاریخِ عالم کے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر اپنے اپنے انداز میں بحث کرتے ہیں کہ آنے والے دور میں کیا چیلنج اور مواقع پیدا ہوں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سرمایہ داری کے امکانات یا دنیا کے مستقبل پر بات کرنا فیشن بلکہ قباحت بن گیا ہے۔

یہ غیر معمولی کتاب اس لیے لکھی گئی کہ کچھ بڑا ہونے والا ہے؛ موجودہ مالیاتی بحران سے کہیں زیادہ بڑا ساختیاتی بحران جس کی مصیبتوں اور تکلیفوں کے سامنے موجودہ مشکلات اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہوں گی۔ عمانویل والرسٹائن سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کی پیش گوئی کرتا ہے۔ آنے والے تیس یا چالیس برسوں میں دنیا کے سرمایہ داروں کے لیے سرمایہ کاری کا فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا؛ عالمی مارکیٹیں اِن سرمایہ داروں سے بھر جائیں گی اور ان کے کاروبار کی سماجی اور ماحولیاتی قباحتیں انہیں دبوچ لیں گی۔ گزشتہ پانچ صدیوں میں سرمایہ داری فراخ دل اور درجاتی مارکیٹ معیشت رہی ہے جس میں ایلیٹ سرمایہ دار اپنی جغرافیائی برتری کی وجہ سے بڑے بھاری منافع کمانے میں کامیاب رہے۔ والرسٹائن کہتا ہے کہ یہ تاریخی حالت آخر کار اپنی نظاماتی حدوں کو پہنچ جائے گی، جس طرح کہ تمام تاریخی نظاموں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ اس مفروضے کے مطابق سرمایہ داری سرمایہ داروں کے مخمصے کی وجہ ہی سے ختم ہو جائے گی۔

رنڈل کولنز، سرمایہ داری کے لیے چیلنج بننے والے ایک مخصوص میکانزم کا تجزیہ کرتا ہے اور وہ ہے مڈل کلاس۔ مغرب اور دیگر دنیا میں تعلیم یافتہ مڈل کلاس بے روزگار ہو رہی ہے کیوں کہ نئی انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے ان کی نوکریاں ختم ہو رہی ہیں جس کے سیاسی اور سماجی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اثرات بہت بھیانک نکلیں گے۔ معاشی مبصروں کو معلوم ہے کہ مڈل کلاس نوکریوں سے بے دخل کی جا رہی ہے لیکن وہ جان بوجھ کر یہ معاملہ پالیسی سازی کے زمرے میں ڈال کر اپنے تئیں بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ کولنز سرمایہ دارانہ نظام کا تجزیہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ماضی میں سرمایہ داری نے فرار کی پانچ مختلف راہیں اختیار کیں اور سماجی نقصانات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی ٹیکنالوجی کی ہوس پوری کرتی رہی۔ فرار کے ان پانچ راستوں میں سے کوئی بھی خدماتی اور انتظامی نوکریوں کے خاتمے کا ازالہ نہیں کر سکتا۔ انیسویں اور بیسویں صدی کی سرمایہ داری نے دستی مزدوری کو مشینی مزدوری میں بدلا لیکن اس کا ازالہ مڈل کلاس کی ترقی سے کر دیا۔ اب اکیسویں صدی ہے اور جدید ٹیکنالوجی مڈل کلاس کو بے کار قرار دے رہی ہے۔ اس سے ہم ایک دوسرے مفروضے تک پہنچتے ہیں: کیا سرمایہ داری اس لیے ختم ہو جائے گی کہ مڈل کلاس کی اس سے سیاسی اور سماجی وابستگی ختم ہو رہی ہے؟

کریگ کلہون اس کے برعکس سوچتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اصلاح شدہ سرمایہ داری لازماً بچائی جا سکتی ہے۔ کلہون اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتا ہے اور یہ پانچوں ماہرین سماجیات کا مشترکہ نقطہ نظر ہے کہ سرمایہ داری محض ایک مارکیٹ معیشت نہیں بلکہ ایک سیاسی معیشت ہے۔ اس کا ادارتی فریم ورک سیاسی چوائس تشکیل دیتا ہے۔ مارکیٹ کی فعالیت میں ساختی تضادات ہوتے ہیں لیکن سیاست کے میدان میں ان تضادات کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے یا بربادی کے لیے انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یا تو سمجھ دار سرمایہ داروں کو نظاماتی خرابیوں کی ذمہ داری قبول کرنا پڑے گی یا پھر وہ یوں ہی لاپرواہی سے مزے اڑاتے رہیں گے۔ اور بے شک ماضی میں لبرل اور اشتراکی چیلنج کے کمزور ہونے کی وجہ سے سرمایہ داروں کو مزے اڑانے کا موقع میسر رہا۔ موجودہ سرمایہ داری کے تبدیل ہونے سے آیندہ نظام کی شکل کیا ہو گی، اس سوال کا کوئی حتمی جواب کسی کے پاس نہیں۔ ایک امکان تو یہ ہے کہ مرکزیت پسند اشتراکی معیشت ہو گی لیکن چینی طرز کی ریاستی سرمایہ داری اس سے بھی زیادہ مضبوط امکان ہے۔ جائیداد اور فنانس کی سرمایہ دارانہ شکلوں کے خاتمے کے بعد بھی مستقبل میں مارکیٹ کا وجود خارج از امکان نہیں۔ سرمایہ داری باقی تو رہ سکتی ہے لیکن عالمی معاشی قوت ہرگز نہیں رہے گی۔

مائیکل مین کے خیال میں سرمایہ داری کے مسائل کا حل سوشل ڈیموکریسی ہے۔ لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ سوشل ڈیموکریسی زیادہ بڑے مسائل کا باعث بن سکتی ہے۔ سیاست، فوج، نظریات اور عالمی خطوں کی تکثیریت جیسے کئی مسائل سرمایہ داری کے علاوہ ہیں۔ مائیکل مین کے خیال میں اس پیچیدگی کی وجہ سے سرمایہ داری کے مستقبل کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ ہاں ایک چیز البتہ واضح ہے کہ اکیسویں صدی میں ماحولیاتی توازن بہت زیادہ خراب ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے اس کے نتیجے میں خوراک اور پانی کے لیے لڑائیاں ہوں؛ آلودگی میں اضافہ ہو اور بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہو۔ ان سب کے نتیجے میں نتائجیت پرستانہ طرز عمل بلکہ نیوکلیائی جنگ کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ یہ امکان سرمایہ داری کے مستقبل سے جڑا ہوا ہے۔ مائیکل مین کا تجزیہ یہ ہے کہ ماحولیاتی تبدیلیوں کا بحران اتنا شدید ہے کہ اسے روکنا ممکن نہیں۔ ممکن اس لیے نہیں کہ آج کے غالب عالمی ادارے سرمایہ داری کے لامحدود منافع کے لیے کام کر رہے ہیں، خود مختار قومی ریاستیں اپنی حاکمیت پر بضد ہیں اور انفرادی صارف اپنے حقوق کا نعرہ لگاتے ہوئے جدید ریاست اور مارکیٹ دونوں کو وجہ جواز دے رہے ہیں۔ ماحولیاتی بحران کا حل اسی میں ہے کہ جدید زندگی کے اداراتی حالات میں بہت بڑی تبدیلی کی جائے۔

یہ تمام ساختیاتی اندازے ہیں جو پانچوں ماہرین سماجیات اپنے اپنے علم کے مطابق لگا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی سرمایہ داری کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی ہجو یا مدح نہیں کرتا۔ ان کے اپنے اپنے نظریات اور عقائد ہیں۔ لیکن یہ پانچوں تاریخی عمرانیات کے ماہر ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ میں کسی بھی قوم نے پیداوار کو اتنی اہمیت نہیں دی اور نہ قوموں کی قسمت کا فیصلہ پیداوار پر منحصر ہوتا ہے۔ تاہم ان میں سے کوئی بھی گزشتہ معاشروں کے مقابلے میں سرمایہ داری کو اچھی کہتا ہے نہ بری۔ ان سب کے سامنے صرف ایک سوال ہے: کیا سرمایہ داری کا کوئی مستقبل ہے؟

اس سوال میں ایک پرانی پیش گوئی کی جھلک نظر آتی ہے۔ سوویت یونین کے سرکاری نظریے کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ سرمایہ داری منہدم ہو جائے گی لیکن وہ خود منہدم ہو گیا۔ لیکن کیا اس سے سرمایہ داری کی برتری ثابت ہوگئی؟ جارجی درلوگاں واضح کرتا ہے کہ سوویت یونین دراصل ایک سرمایہ دارانہ تجربہ تھا جو خود اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ درلوگاں یہ بھی بتاتا ہے کہ کس طرح چین نے کمیونزم انہدام سے گریز کیا اور آج سرمایہ دارانہ ترقی کے عروج پر ہے۔ کمیونزم سرمایہ داری کا متبادل نہیں تھا۔ لیکن ۱۹۸۹ء کے بعد سوویت بلاک جس طرح اچانک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منہدم ہوا اس میں سرمایہ داری کے سیاسی مستقبل کے متعلق اہم اشارے موجود ہیں۔

اس کتاب میں قیامت کا نقشہ نہیں بیان کیا گیا۔ کاروباری اور سکیورٹی ماہرین کے قلیل المدتی اندازوں کے برعکس، یہ ماہرین مخصوص صورتِ حال کو غیر اہم سمجھتے ہیں۔ حالات و واقعات اچانک اور غیر متوقع ہیں کیوں کہ بہت سے عوامل اور انسانی ارادے بیک وقت کارفرما ہوتے ہیں۔ صرف ساختیاتی تحرکات کا گہرا جائزہ ہی مستقبل کی دھندلی سی تصویر دکھا سکتا ہے۔ کولنز اور والرسٹائن تو اس بات پر متفق ہیں کہ سرمایہ داری کے لیے فرار کی تمام راہیں بند ہو چکی ہیں، اور یہی دو تھے جنہوں نے ستر کی دہائی میں سوویت کمیونزم کے انہدام کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن انہوں نے بھی نہ تو اس کے انہدام کی تاریخ بتائی تھی اور نہ ہی یہ بتایا تھا کہ اس کا انہدام خود اسی کے ہاتھوں ہوگا۔ یہ نتیجہ غیر متوقع تھا اور کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ سوویت یونین کا انہدام اس طرح ہوگا۔

مستقبل میں اچھے حالات کی امید صرف اسی صورت کی جا سکتی ہے کہ سیاسی جبر کم ہو جائے۔ نظاماتی بحران کی وجہ سے ساختیاتی تحدیدات اور پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ طوق اور بیڑیاں ہمارے آباواجداد کے اداراتی فیصلوں اور الجھنوں نے ہمیں پہنائی ہیں۔ اس طرح کے تاریخی حالات میں نئے راستے کھلتے ہیں۔ سرمایہ داری نے اپنی تخلیقی تباہی سے پرانی ٹیکنالوجی اور پیداوار کی شکلیں تہس نہس کر دیں اور عدم مساوات اور ماحولیاتی تباہی کا باعث بنی۔ سرمایہ داری کا بحران جتنا زیادہ گہرا ہوگا انسانیت کی بہتری اور سماجی انصاف کے اتنے ہی بہتر مواقع پیدا ہوں گے۔

ان ماہرین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ تاریخی نظاموں کی تباہی، معدومیت یا دوسرے نظاموں میں ڈھل جانے کے طریقے کون کون سے ہو سکتے ہیں۔ انسانی معاشروں کی تاریخ میں انقلاب، وسعت، ترقی، انجماد اور انحطاط کے ادوار آئے۔ اگرچہ کسی کو بھی یہ پسند نہیں لیکن مستقبل کے عالمی بحران کا نتیجہ انحطاط اور معطلی کے سوا کچھ نہیں۔ سماجی دباؤ اور مضر اثرات کی وجہ سے موجودہ سرمایہ داری کے سیاسی اور معاشی ڈھانچے اپنی وقعت اور فعالیت سے محروم ہو جائیں گے۔ ساختیاتی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں الگ الگ دفاعی، جابرانہ اور بزدلانہ خطے بن جائیں۔ کچھ لوگ اسے تہذیبوں کا تصادم کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برقی نگرانی والی جنت ایسی ہی ہوتی ہے۔ شدید تنازعات کے دور میں سماجی نظام بحال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے طریقوں میں فاشزم کی یادیں تازہ ہو سکتی ہیں لیکن وسیع تر جمہوریت کا امکان بھی ہے۔ آخر کیا کیا ہو سکتا ہے؟ اس کتاب میں یہی بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس وقت سیاست اور سوشل سائنسز میں غالب رائے یہی ہے کہ کسی بڑی ساختیاتی تبدیلی کے بارے میں سوچنا نہایت فضول بات ہے۔ نیو کلاسیکل اکنامکس کے ماڈل اس مفروضے پر قائم ہیں کہ سماجی کائنات میں کوئی تغیر نہیں ہو رہا۔ جب بھی بحران آتا ہے، پالیسی ترمیم اور نئی ٹیکنالوجی کی وجہ سے سرمایہ داری میں نیا پن آجاتا ہے۔ تاہم یہ صرف تجربی عمومیت ہے۔ سرمایہ داری کی بطور نظام پانچ صد سالہ زندگی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جب ۱۹۶۸ء کی خیالی جنتوں والی امیدیں پوری نہ ہوئیں تو محرومی نے ڈیرے ڈال لیے اور سوویت کمیونزم کا بحران بھی نظر آنے لگا تو مابعد جدیدی ثقافتی اور فلسفیانہ ناقدین نے بھی یہی رائے قائم کی کہ سرمایہ داری ابدی اور لازوال ہے لیکن یہ محرومی، ناامیدی اور حسرت کے سوا کچھ دے بھی نہیں سکتی۔ نتیجتاً ثقافتی مابعد جدیدیوں نے ساختیاتی حقیقتوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہ دکھائی۔ اس کتاب کے آخر میں مصنفین نے دنیا کی موجودہ فکری فضا پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔

اس کتاب کا انداز بالکل عام فہم ہے جس کا مقصد اس بحث کو عام حلقوں تک پھیلانا ہے۔ مصنفین نے اپنے دلائل الگ الگ انداز میں پیش کیے ہیں۔ بحث کا مشترکہ اور مرکزی نکتہ عالمی نظاموں کا تجزیہ ہے جسے کلاں تاریخی سماجیات (میکرو ہسٹوریکل سوشیالوجی) بھی کہتے ہیں۔ اس سوشیالوجی کے ماہرین سرمایہ داری اور جدید معاشرے کے آغاز و ارتقا کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قدیم سلطنتوں اور تہذیبوں کے تحرکات کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ کلی طور پر سماجی تانے بانے کو دیکھتے ہوئے انسانی تاریخ میں تنازعات، تناقضات اور ساختیاتی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تعارف اور نتیجہ کے ابواب مشترکہ طور پر لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر انفرادی مصنف کا اپنا نظریہ اور شعبۂ مہارت ہے جس کا اظہار انفرادی ابواب میں ہوا ہے۔ یہ مختصر کتاب کوئی مینی فیسٹو نہیں جسے یک زبان ہو کر لکھا گیا ہو۔ یہ برابر کی ٹکر کے ماہرین کا مباحثہ ہے جس میں انسانی معاشروں کے ماضی و حال کا مطالعہ کرنے والے پانچ ماہرین نے اپنے علم کی بنیاد پر دلائل پیش کیے ہیں۔ اس لیے قاری کے سامنے یہ کھلا سوال ہے کہ انسانی تاریخ کا اگلا بڑا قدم کیا ہو گیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کتاب کے انداز سے لگتا ہے کہ اس میں سوشل ازم کے نقطہ نظر سے مستقبل بینی کی گئی ہے۔ لیکن یہ پیش گوئی نہیں کیوں کہ ماہرین نے سائنسی تجزیہ کیا ہے۔ سائنسی تجزیے سے مراد یہ ہے کہ معقول درستی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ تبدیلیاں کیوں ہوں گی اور کیسے آئیں گی۔ کیا آخری منزل سوشل ازم ہے؟ یہ تجزیہ آنے والے تیس چالیس برسوں تک محیط ہے جس میں رنڈل کولنز کو لگتا ہے کہ بے کار ہونے والی مڈل کلاس پیداوار اور تقسیم کا اشتراکی انداز اپنائے گی۔ مطلب یہ کہ اجتماعی طور پر مربوط تنظیم سازی جس کا مقصد لوگوں کی اکثریت کو کارآمد بنانا یا کارآمد رکھنا ہوگا۔ لہٰذا سرمایہ داری کے ساختیاتی مسائل کی توسیع سے سوشل ازم متوقع امیدوار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے کمیونسٹ اور سوشل ڈیموکریٹک تجربات سے حاصل ہونے والے سبق ابھی یاد ہیں! سوشل ازم کے اپنے مسائل ہیں خاص طور پر تنظیمی ارتکاز سے سیاسی مفاد پرستی بہت زیادہ ہوتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشی سرگرمی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر سرمایہ داری کے بحران کو اشتراکی خطوط پر حل کیا گیا تو سوشل ازم کے مسائل دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ مستقبل بعید کی بات کرتے ہوئے کولنز کہتا ہے کہ سوشل ازم بھی ختم ہو جائے گا اور دنیا میں سرمایہ داری اور سوشل ازم کے بین بین کئی مختلف نظام پیدا ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس کریگ کلہون اور مائیکل مین امید پسند ہیں اور ان کا خیال ہے کہ قومی ریاستوں میں اتحاد کا امکان ہے یعنی قومی ریاستیں نیوکلیئر تباہی اور ماحولیاتی بحران کا سامنا ہونے پر متحد ہو جائیں گی۔ ان کے خیال میں اس طرح سرمایہ داری سوشل ڈیموکریسی کے روپ میں موجود رہے گی۔

جارجی درلوگاں کہتا ہے کہ سرمایہ داری کے بعد خواہ کچھ بھی آئے، کمیونزم بہرحال نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوویت انداز کے قلعہ بند کمیونزم والے تاریخی حالات اب باقی نہیں اور سیاسی ونظریاتی اختلافات بھی کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ والرسٹائین کہتا ہے کہ اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ سرمایہ داری کے بعد کیا ہوگا۔ سرمایہ داری کا متبادل غیر سرمایہ دارانہ نظام ہوگا یا پھر جزوی جمہوری اور جزوی مساوات پسندانہ۔ ممکن ہے کہ کئی نظام عالم ظاہر ہو جائیں۔ کلہون کہتا ہے کہ سرمایہ داری کے اندرونی تضادات اور بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے جڑواں نظام بھی وجود میں آ سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات غلط ہو جاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ دنیا گلوبل ہو چکی ہے اور واپسی ممکن نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان تمام نظریات کی بنیاد کیا ہے؟

مصنفین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بیسویں صدی کے مفکرین اور سیاسی رہنما اپنے تمام عقیدوں اور نظریاتی دعووں میں غلط ثابت ہوئے کہ مستقبل کو صرف ایک ہی راہ جاتی ہے۔ سرمایہ داری، کمیونزم اور فاشزم کے حامیوں نے یہی کہا اور یہی مسلط کرنے کی کوشش کی۔ مصنفین میں سے کوئی بھی یہ احمقانہ دعویٰ نہیں کرتا کہ انسان کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ تاہم یہ واضح کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے۔ اس کا انحصار بحران کے تاریخی لمحات کے وقت سیاسی وژن اور انسانی ارادوں پر ہے۔ ماضی میں ایسے موقعوں پر سیاسی انہدام اور انقلابات کی بنیاد رکھی گئی۔ مصنفین میں سے ہر ایک کا یہی خیال ہے کہ ماضی کے پرتشدد انقلابات کے برعکس سرمایہ دارانہ بحران کے بعد یہ سیاست بدل جائے گی۔ اس سے یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ حالات بہتر کیے جا سکتے ہیں۔

سرمایہ داری کوئی طبیعی مقام نہیں مثلاً کوئی شاہی محل یا مالیاتی ادارہ جس پر کوئی انقلابی جتھا قابض ہو جائے یا احتجاجی مظاہرین اس کا گھیراؤ کر لیں۔ نہ ہی یہ "ٹھوس پالیسیوں" پر مشتمل نظام ہے کہ جن کو اپنا لیا جائے یا ان کی اصلاح کر لی جائے (جیسا کہ کاروباری ادارے سمجھتے ہیں)۔ یہ بہت سے لبرل اور مارکسی حضرات کا نظریاتی وہم ہے کہ سرمایہ داری بس مارکیٹ اکانومی میں اجرتی مزدوری کا نام ہے۔ بیسویں صدی میں ہر کسی کا بنیادی عقیدہ یہی تھا۔ اب ہم اس کے تباہ کن نتائج بھگت رہے ہیں۔ مارکیٹ اور اجرتی مزدوری سرمایہ داری سے بہت پہلے بھی موجود تھی اور مارکیٹ کے ذریعے سماجی ارتباط سرمایہ داری کے بعد بھی موجود رہے گا۔ سرمایہ داری مارکیٹ اور ریاستی ڈھانچوں کی ایک خاص تاریخی ترکیب ہے جس میں اولین مقصد اور کامیابی کا پیمانہ صرف یہ ہے کہ ہر ممکن طریقے سے کسی نہ کسی طرح نجی معاشی فائدہ حاصل کیا جائے۔ مارکیٹ اور انسانی معاشرے کی اطمینان بخش اور مختلف ترکیب عین ممکن ہے۔

اس دعوے کا ثبوت اس کتاب میں اور اس سے پہلے لکھی گئی تصانیف میں موجود ہے۔ لیکن فی الحال یہاں چھوٹی سی کہانی سنیے۔ پرانے وقتوں ہی سے پرواز کرنا انسان کا خواب رہا ہے یا کم از کم اس وقت سے جب سے انسانوں نے سماجی انصاف کا خواب دیکھنا شروع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ کئی ہزار سال تک یہ محض خواب رہا۔ پھر گرم ہوا کے غباروں کا دور آیا۔ تقریباً ایک صدی تک لوگوں نے غباروں کے ساتھ تجربات کیے۔ کبھی تھوڑی بہت کامیابی ملتی یا پھر موت۔ لیکن اب انجینئر، سائنس دان اور ایسے سماجی حالات پیدا ہو گئے تھے جس سے اختراع پسندی کو تحریک ملی۔ آخر کار نئی قسم کے انجن اور ایلومینیم کے پر ایجاد ہوئے۔ اب ہم پرواز کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اکانومی کلاس میں پھنسے رہتے ہیں اور صرف گنے چنے لوگ ہی ذاتی فلائٹ یا پیرا گلائیڈر کا لطف لے سکتے ہیں۔ انسانی پرواز کے ساتھ ساتھ فضائی بم باری اور ڈرون طیاروں کے منڈلانے کے خوف ناک واقعات بھی حقیقت بن گئے۔ ٹیکنالوجی تدبیر ہے تو انسان تقدیر۔ پرانے خواب پورے ہو سکتے ہیں لیکن خوابوں کی تعبیر ہم پر نئی مصیبتیں بھی مسلط کر سکتی ہے۔ تاہم مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ حوصلے سے کام لیا جائے تو ساختیاتی بحران سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متنوع امکانات ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ جب عوام اپنی سوچ سے توجہ کرے اور ساتھ دے تو متبادل راستے خود بہ خود بن جاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ا۔ ساختیاتی بحران

(سرمایہ داروں کے لیے سرمایہ داری منافع بخش کیوں نہیں رہے گی)

عمانویل والرسٹائین

میرے تجزیے کی بنیاد دو باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ سرمایہ داری ایک نظام ہے اور ہر نظام کی ایک عمر ہوتی ہے، نظام کبھی بھی ابدی نہیں ہوتے۔ دوسری یہ کہ سرمایہ داری کو نظام کہنے سے مراد یہ ہے کہ سرمایہ داری اپنے کچھ خاص اصولوں کی وجہ سے تقریباً پانچ سو سال کی عمر گزار چکی ہے۔ ان بنیادی اصولوں کا مختصر تعارف ذیل میں ہے۔

نظاموں کی اپنی عمر ہوتی ہے۔ ایلیا پریگوگائن کے بقول ہماری عمر ہوتی ہے، ہماری تہذیب کی عمر ہوتی ہے اور ہماری کائنات کی بھی ایک عمر ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ تمام نظام خواہ بہت چھوٹے ہوں یا بہت بڑے، مشترکہ طور پر تین مرحلوں سے گزرتے ہیں۔ وہ مرحلہ جب وہ وجود میں آتے ہیں، وہ مرحلہ جس میں وہ فعال ہوتے ہیں اور وہ مرحلہ جس میں وہ بحران کا شکار ہو کر معدوم ہو جاتے ہیں۔ جدید نظام عالم کے موجودہ تجزیے کے لیے پہلے مرحلے کی وضاحت ضروری نہیں اس لیے دوسرے دو مرحلوں پر بات کی جائے گی۔ یعنی بحث کا موضوع یہ ہے کہ سرمایہ داری کے عروج میں کون سے اصول کارفرما تھے اور اب اس کے خاتمے کا انداز کیسا ہوگا۔

اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ کن اصولوں کی بنیاد پر سرمایہ داری جدید نظام عالم کے طور پر دنیا پر حکمرانی کرتی رہی تو موجودہ ساختیاتی بحران یعنی اس کی موت کا مرحلہ سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ میرے خیال میں سرمایہ داری پر نزع کا وقت ہے جس کا دورانیہ اگلے بیس سے چالیس سال ہیں۔

سرمایہ داری ایک نظام ہے یعنی جدید نظام عالم۔ اس نظام کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ بہت سے تجزیہ کار کسی ایک ادارے کو مرکزی اہمیت کا حامل خیال کر کے سارا زور اسی کے تجزیے پر لگا دیتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سرمایہ داری کی بنیادی خصوصیت اجرتی مزدوری ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی بنیادی خصوصیت پیداوار برائے تبادلہ یا پیداوار برائے منافع ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ سرمایہ داری اصل میں کاروباری افراد اور اجرتی مزدوروں یا سرمایہ داروں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور غریبوں یا بورژواؤں اور پرولتاریوں کے مابین طبقاتی تنازع کا نام ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں سرمایہ داری آزاد مارکیٹ کو کہتے ہیں۔ میرے نزدیک سرمایہ داری کی ان تعریفوں میں بیان کردہ خصوصیات کی کوئی وقعت نہیں۔

وجہ بہت سادہ ہے۔ اجرتی مزدوری جدید دنیا میں ہی نہیں بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی موجود تھی۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ جدید نظام میں ابھی تک بہت سی مزدوری ایسی ہے جو اجرتی نہیں۔ منافع کمانے کے لیے چیزیں بنانا اور پیدا کرنا بھی ہزاروں سال پرانی روایت ہے۔ لیکن اس سے پہلے کسی تاریخی نظام میں اسے غالب حقیقت کے طور پر نہیں مانا گیا۔ آزاد مارکیٹ البتہ جدید دنیا کا منتر ہے۔ لیکن جدید دنیا میں مارکیٹ کبھی بھی حکومتی پابندیوں یا سیاسی اثر و رسوخ سے آزاد نہیں ہوئی اور نہ ہی ہو سکتی تھی۔ رہی بات طبقاتی کشمکش کی، تو بلاشبہ جدید دنیا میں طبقاتی کشمکش موجود ہے لیکن سرمایہ داری کو محض بورژوائی پرولتاری بنیادوں پر سمجھنا بہت محدود سوچ ہے۔

کسی بھی تاریخی نظام کو اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کہا جائے گا جب اس کی غالب اور فیصلہ کن خصوصیت سرمایے کے لامحدود ارتکاز کی مسلسل جدوجہد ہو؛ سرمایہ اکٹھا کرنے کا مقصد صرف یہ ہو کہ مزید سرمایہ اکٹھا کیا جائے یعنی سرمایہ جمع کرنا ہی اصل مقصد ہو۔ اور اس خصوصیت کے غلبے کو یقینی بنانے کے لیے ایسے میکانزم بھی لازمی طور پر موجود ہوں جو ایسے لوگوں کو سزا دیں جو اس مقصد یا قدر کو قبول نہ کریں۔ یہ میکانزم ایسے حالات پیدا کریں کہ سرمایے کے ارتکاز کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنانے والے ملیامیٹ ہو جائیں یا پھر ان کا ایسا ناطقہ بند کیا جائے کہ وہ بالآخر سرمایہ جمع کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ جدید نظام کے تمام ادارے سرمایے کے لامحدود ارتکاز کے فروغ کے لیے کام کرتے ہیں یا کم از کم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

میرے نزدیک محض سرمایے کے ارتکاز کی خاطر سرمایے کے ارتکاز کو اپنا نصب العین بنا لینا مکمل طور پر احمقانہ اور غیر عاقلانہ رویہ ہے۔ یہ مادی اور روحانی دونوں طرح کی عقلیت کے لحاظ سے غیر عقلی مقصد ہے۔ اس کے غیر عقلی اور احمقانہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے تاریخی نظام نہیں کہا جا سکتا۔ آخر یہ احمقانہ نظام پانچ سو سال سے چل رہا ہے اور اس کا یہ رہنما اصول کہ لامحدود سرمایہ جمع کیا جائے، نہایت کامیاب رہا ہے۔ لیکن اب یہ نظام اس اصول کی بنیاد پر چلتا نظر نہیں آتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری اپنے عروج کے دور میں

سرمایہ داری عملاً کیسے چلتی رہی؟ تمام نظاموں میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ ہر نظام مسلسل متوازن اور غیر متوازن ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے اپنے جسم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہم سانس اندر لے جاتے ہیں اور باہر بھی نکالتے ہیں۔ سانس اندر لے جانا اور باہر نکالنا ہماری ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے ہمارے جسم میں پورا نظام تنفس ہے۔ جدید نظام بھی اسی طرح ہے۔ یہ متزلزل ہوتا ہے لیکن پھر مستحکم ہو جاتا ہے۔ اس نظام سرمایہ داری کا عروج وہ دور ہے جس میں یہ زیادہ عرصے تک متوازن اور مستحکم رہا۔

جسمانی نظاموں کی طرح جدید نظام عالم میں بھی کئی میکانزم ہیں۔ ان میں سے دو نہایت اہم ہیں۔ اہم اس لیے کہ انہوں نے اس نظام کی تاریخی ترقی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ایک ہے اجارہ داری اور دوسرا استعماریت۔ یہ دونوں کیسے کام کرتے ہیں؟

پہلے ہم اجارہ داری کا میکانزم سمجھتے ہیں۔ سرمایے کی بھاری مقدار جمع کرنے کے لیے پیدا کنندگان کو مصنوعی اجارہ داری کی ضرورت پڑتی ہے۔ صرف مصنوعی اجارہ داری کی وجہ سے وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنی مصنوعات کو من مانی قیمتوں پر فروخت کریں اور لاگت سے کہیں زیادہ کمائیں۔ خالص مسابقتی نظام وہ ہوتا ہے جس میں پیداوار کے تمام عوامل آزاد ہوں۔ اس نظام میں ہر سمجھ دار خریدار ایسے لوگ بڑی آسانی سے ڈھونڈ لیتا ہے جو نہایت معقول منافع پر اسے اشیا فروخت کرتے ہیں یا بعض اوقات لاگت سے بھی کم قیمت لیتے ہیں۔ لہٰذا مکمل مسابقتی نظام میں حقیقی منافع کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ حقیقی منافع کے لیے ضروری ہے کہ آزاد مارکیٹ کو محدود کیا جائے یعنی مصنوعی اجارہ داری پیدا کی جائے۔

مصنوعی اجارہ داری کی دو شرائط ہیں۔

اول: پراڈکٹ کوئی نئی چیز یا اختراع ہو جس کے لیے خواہش مند خریداروں کی بہت بڑی تعداد پہلے سے موجود ہو (یا انہیں خریدنے پر مائل کیا جا سکتا ہو)۔

دوم: ایک یا ایک سے زیادہ طاقت ور ریاستیں موجود ہوں جو مارکیٹ میں دوسرے پیدا کنندگان کا داخلہ روکنے (یا کم از کم محدود کرنے) کے لیے اپنی ریاستی طاقت استعمال کرنے پر راضی ہوں۔

لہٰذا مصنوعی اجارہ داریاں صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہیں کہ مارکیٹ ریاست کی پشت پناہی سے "آزاد" نہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصنوعی اجارہ داریوں والی مصنوعات کو ''ہراول مصنوعات'' کہتے ہیں۔ ہراول ان معنوں میں کہ عالمی نظام کی معاشی سرگرمی کا بہت بڑا حصہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی مصنوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب بھی مصنوعی اجارہ داریاں قائم ہوں گی، پوری عالمی معیشت میں ''ترقی'' کا وسیع پھیلاؤ ہوگا اور ایسے وقتوں کو عمومی طور پر ''خوش حالی'' کا دور کہا جاتا ہے۔ ان ادوار میں روزگار کی شرح بہت بلند ہوتی ہے کیوں کہ اجارہ دار مصنوعات بنانے والوں کو ملازمین کی ضرورت ہوتی ہے اور برسرروزگار ملازمین اخراجات کرنے میں فراخ دل ہوتے ہیں۔ اس عالمی نظام کے بعض حصے اور ان حصوں میں بعض گروہ دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر کارکردگی دکھاتے ہیں کیوں کہ پیداوار میں ترقی کے دور سے مجموعی طور پر ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ چڑھتی لہر میں ساری کشتیاں بلند ہو جاتی ہیں۔

مصنوعی اجارہ داری پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لیے ریاست بہت کچھ کر سکتی ہے۔ ریاست یہ کام قانونی طور پر بھی کر سکتی ہے مثلاً ٹریڈ مارک رجسٹریشن یا جملہ حقوق محفوظ کرنے کا نظام بنا سکتی ہے یا پھر نام نہاد انٹلیکچوئیل پراپرٹی کے تحفظ کے لیے دوسرے طریقے بھی اپنا سکتی ہے۔ ریاست مصنوعی اجارہ دار صنعت کو براہِ راست معاونت فراہم کر سکتی ہے، خاص طور پر تحقیق و ترقی کی سہولیات وغیرہ۔ ریاست خود خریدار بن سکتی ہے۔ جب ریاست خریدار بنتی ہے تو مارکیٹ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت ادا کرتی ہے۔ ریاست اپنا سیاسی نظام استعمال کرتے ہوئے دوسرے ملکوں کے پیداکنندگان کے لیے مشکلات پیدا کر کے مصنوعی اجارہ داروں کے لیے سہولیات پیدا کر سکتی ہے۔

مصنوعی اجارہ داری کے فوائد ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتے ہیں۔ پیداکنندگان کے لیے نظاماتی مسئلہ یہ ہے کہ اس قسم کی مصنوعی اجارہ داریاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بہ خود تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ بھی بہت سادہ ہے۔ اگر ایسی مصنوعی اجارہ داریاں منافع بخش ہوں گی تو صاف ظاہر ہے کہ دوسرے پیداکنندگان بھی منافع سمیٹنے کی خاطر مارکیٹ میں داخل ہونے کے لیے سخت کوشش کریں گے۔ اس کے بھی کئی طریقے ہیں۔ اگر مصنوعی اجارہ داری کی بنیاد کوئی نئی ٹیکنالوجی ہو اور اسے خفیہ رکھا گیا ہو تو یہ ٹیکنالوجی چوری کر لی جاتی ہے یا پھر اس کی نقل تیار کر لیتے ہیں۔ اگر مصنوعی اجارہ داری کو سیاسی اثر و رسوخ کے ذریعے تحفظ دیا جا رہا ہو تو اس کے مقابلے میں متبادل سیاسی طاقت تلاش کی جاتی ہے۔ ملک میں اجارہ داری کے خلاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جذبات پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

جب اجارہ داری ہوتی ہے تو اجارہ دار کا فوری مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کام نہ رکے۔ کام رکے گا تو سرمایے کا نقصان ہوگا۔ اگر کام رکنے کی وجہ سے دوسرے اجارہ داروں کا نقصان نہیں ہوتا تو پھر یہ نقصان ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ اس سے مزدوروں کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار آ جاتا ہے کہ وہ بہتر حالات کی لامحدود جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں پیدا کنندگان سوچتے ہیں کہ کام روکنے کی بجائے مزدوروں کو رعایت دینے میں زیادہ منافع ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اجرتیں اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ مجموعی منافع کم ہو جاتا ہے۔

بہرحال دوسرے پیدا کنندگان کسی نہ کسی طرح ہراول مصنوعات کے پیدا کنندہ کی مصنوعی اجارہ داری ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اس کام میں اوسطاً پچیس سے تیس سال لگتے ہیں۔ ہراول صنعت کا تحفظ کتنا ہی طویل کیوں نہ آخر ایک وقت آتا ہے کہ مصنوعی اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب مصنوعی اجارہ داری ختم ہوتی ہے تو قیمتیں کم ہو جاتی ہیں۔ قیمتوں میں کمی خریداروں کے لیے فائدہ مند ہوسکتی ہے لیکن بیچنے والوں کے اچھی نہیں ہوتی۔ ہراول مصنوعات جتنی زیادہ منافع بخش ہوتی ہیں ان کا مقابلہ اتنا ہی زیادہ کیا جاتا ہے اور آخر میں ان کا منافع اتنا ہی کم ہوتا ہے۔

ان حالات میں پیدا کنندگان کیا کرسکتے ہیں؟ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پیداواری لاگت کم کرنے کے لیے مصنوعات کی ترسیل کے اخراجات کم کیے جائیں۔ اس میں عام طور پر پیداوار کی بنیادی جگہوں کو دنیا کے دوسرے حصوں میں منتقل کیا جاتا ہے جہاں مزدوری سستی ہو۔ ان نئی جگہوں پر رہنے والے اسے قومی ترقی سمجھتے ہیں اور غیر ملکی پیداواری یونٹ لگنے کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اسے انتہائی زیادہ منافع بخش صنعتوں کا دیرپا اثر تصور کیا جاتا ہے۔

صنعتوں کی مقاماتی تبدیلی بدلتی ہوئی صورتِ حال کا صرف ایک ردِعمل ہے۔ ہراول مصنوعات کے پیدا کنندگان کوشش کرتے ہیں کہ اپنی پیداوار کا ایک حصہ اسی ملک میں باقی رکھیں جہاں سے انہوں نے آغاز کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ ذیلی مصنوعات میں نام بناتے ہیں، عام طور پر ایسی چیز پر توجہ دیتے ہیں جسے کسی دوسری جگہ پر جا کر بنانا مشکل ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ملازمین سے مذاکرات کرتے ہیں کہ کم معاوضے لینے پر راضی ہو جائیں ورنہ بقیہ پیداواری یونٹ بھی یہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے گا۔ عمومی طور پر یہ ہوتا ہے کہ

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب عالمی مارکیٹ میں مسابقت بڑھتی ہے تو مزدور طبقہ اپنے مفادات کا دفاع کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پیدا کنندگان پیداوار سے سرمایہ تلاش کرنے کی بجائے مالیاتی شعبے سے منافع بنانے پر توجہ دیتے ہیں۔ آج کل کہا جاتا ہے کہ فنانشلائزیشن ستر کی دہائی میں ایجاد ہوئی لیکن اصل میں یہ طریقہ کافی پرانا ہے۔ براوڈل نے واضح کیا ہے کہ صحیح کامیاب سرمایہ دار ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو انڈسٹری، کامرس یا فنانس میں اسپیشلائزیشن کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ جدھر مواقع پیدا ہوں ادھر چلے جاتے ہیں۔

مالیاتی شعبے میں پیسہ کیسے کماتے ہیں؟ بنیادی میکانزم یہ ہے کہ رقم قرضے پر دی جائے اور سود کے ساتھ واپس لی جائے۔ مہاجنوں کے لیے سب سے زیادہ منافع بخش وہ قرضے ہوتے ہیں جن میں مقروض اپنی استعداد سے زیادہ قرض لے لیتا ہے اور صرف سود ہی واپس کر سکتا ہے، اصل زر نہیں۔ اس سے مہاجن کی مسلسل آمدن لگ جاتی ہے یہاں تک کہ مقروض دیوالیہ ہو جاتا ہے یا اپنا سب کچھ مہاجن کو دے کر جان بخشی کرواتا ہے۔

اس طرح کا مالیاتی میکانزم صحیح معنوں میں نیا زر تخلیق نہیں کرتا بلکہ نیا سرمایہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں محض سرمایے کا ہیر پھیر ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ نئے نئے قرض خواہ آتے رہیں اور دیوالیہ ہوتے رہیں تاکہ مہاجن اور مقروض کے درمیان سرمایے کا بہاؤ قائم رہے۔ یہ مالیاتی طریقے صرف مہاجنوں کے لیے منافع بخش ہوتے ہیں۔

تاہم سرمایہ داری کی فعالیت کے نقطہ نظر سے سودی لین دین کا ایک منفی پہلو بھی ہے۔ اس سے تمام پیداوار کی موثر طلب ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اس نظام کے لیے معاشی اور سیاسی خطرہ ہے۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کی کوشش ہوتی ہے کہ توازن کی حالت میں رہے یعنی سرمایے کی بڑھوتری نئی پیداوار کے ذریعے ہو۔ شومپٹر نے اس عمل کی معاشی تفصیل وضاحت سے بیان کی ہے۔ ایجادات میں اختراعات کی جاتی ہیں جس سے نئی ہراول مصنوعات پیدا ہوتی ہیں اور عالمی معیشت میں نیا پھیلاؤ آتا ہے۔

ایجادات میں معمولی ترمیم سے انہیں اختراعات میں بدلنے پر بھی کافی بحث موجود ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ طبقاتی کشمکش میں مزدور طبقات کی پوزیشن مضبوط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں پیدا کنندہ طبقے سے کچھ قربانی مانگی جاتی ہے تاکہ مزدور طبقات کی حالت بہتر ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی پیداواری طبقے کے طویل المدتی اجتماعی منافع کی خاطر قلیل المدتی انفرادی مفادات قربان کر دیے جائیں۔

سرمایہ داری کے پھیلاؤ اور سکڑاؤ کا انداز صرف اس لیے ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کسی ایک ریاست میں واقع نہیں بلکہ یہ ایک عالمی نظام ہے اور کسی بھی ایک ریاست تک محدود نہیں۔ اگر یہ عوامل کسی ایک ریاست میں ہو رہے ہوتے تو ریاستی طاقت کے حاملین سرپلس ویلیو کی تقسیم اپنی مرضی سے کرتے اور اس طرح پیداکنندگان نئی مصنوعات کی طرف راغب نہ ہوتے۔ دوسری طرف اگر مارکیٹ کی خدمت اور تحفظ کے لیے کسی قسم کی کوئی ریاست نہ ہوتی تو مصنوعی اجارہ داری کا حصول ناممکن ہوتا۔ بات یہ ہے کہ سرمایہ دار عالمی معیشت میں بکھرے پڑے ہیں اور عالمی معیشت کئی ریاستوں پر مشتمل ہے۔ اسی لیے سرمایہ دار سرمایے کی لامحدود بڑھوتری کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ وضاحت ملتی ہے کہ عالمی نظام میں استعماری ادوار کیوں ہوتے ہیں۔ عالمی معیشت میں استعماری غلبے سے مراد یہ ہے کہ ایک ریاست دوسری تمام ریاستوں پر اپنے قوانین مسلط کرنے کی اہل ہوتی ہے۔ اس طرح عالمی معیشت میں نسبتاً نظم وضبط رہتا ہے۔

شومپٹر نے اپنی تھیوری میں اس نسبتی نظم وضبط پر بہت زور دیا ہے۔ بدنظمی، بین الریاست اور اندرونِ ریاست خانہ جنگیاں، مافیا کے جتھے، سرکاری اداروں اور افراد کی کرپشن اور مختلف جرائم عالمی آبادی کے چھوٹے گروہوں کے لیے نہایت منافع بخش ہیں۔ لیکن ان سے عالمی ارتکازِ سرمایہ میں اضافے کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے ارتکازِ سرمایہ کے فروغ اور انتظام کے لیے ضروری انفراسٹرکچر بہت حد تک تباہ ہو جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استعماری طاقت کا نسبتی نظم وضبط مسلط کرنا مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی موثر فعالیت کے لیے مثبت اثرات کا حامل ہے۔ یہ عمل بذات خود استعماری طاقت، اس کی ریاست، اس کے سرمایہ داروں اور عام شہریوں کے لیے نہایت مفید ہوتا ہے۔ یہ شک کرنا جائز ہے کہ جب استعماری طاقت دوسری ریاستوں پر اپنا نظم وضبط مسلط کرتی ہے تو بحیثیت مجموعی عالمی نظام، دوسری ریاستوں، ان کے سرمایہ داروں اور شہریوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ چیز واضح کرتی ہے کہ استعماری غلبہ حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنا اتنا مشکل کیوں ہوتا ہے۔

تیس سالہ جنگ سے پہلے استعماری ادوار کی خصوصیت یہ تھی کہ کوئی سی دو طاقتیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عالمی غلبے کے حصول کے لیے لڑتیں اور ان میں سے کوئی ایک فیصلہ کن فاتح ٹھہرتی۔ فتح کے بعد استعماری طاقت معاشی سرگرمی کی تینوں شکلوں یعنی پیداوار، تجارت اور مالیات پر اپنا تسلط جماتی اور ان سے مستفید ہوتی۔ یہ ریاست اپنی مضبوط معاشی بنیاد اور کامیاب فتح کی وجہ سے نمایاں عسکری برتری بھی رکھتی اور اپنے مکمل غلبے کی نشانی کے طور پر ثقافتی غلبہ ثابت کرتی۔

استعماری ریاست عالمی نظام میں اپنی مجموعی برتری کو اپنے ذاتی اہداف حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے اور اپنا حکم مسلط کرتی ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک اور جب تک ممکن ہو، استعماری غلبہ برقرار رکھے۔ اسے ہم سیاسی اجارہ داری کہہ سکتے ہیں۔

شروع شروع میں یہ استعماری غلبہ عالمی نظام میں نسبتی نظم وضبط قائم کر کے دکھاتا ہے۔ اور عالمی سطح پر استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ صنعتی اجارہ داریوں کی طرح سیاسی اجارہ داریاں بھی خود تحلیلی ہوتی ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ نسبتاً استحکام کی حالت میں ہمیشہ کئی شکست خوردہ ریاستیں موجود ہوتی ہیں۔ یہ ریاستیں مختلف طریقوں سے بغاوت شروع کر دیتی ہیں۔ باغیوں سے نبٹنے کے لیے استعماری طاقت جبر اور اکثر اوقات فوج کشی کرتی ہے۔ جبری اقدام وقتاً فوقتاً جاری رہتے ہیں اور فوری طور پر کامیابی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن طاقت کے استعمال کے ہمیشہ دو منفی نتائج نکلتے ہیں۔ عسکری حملے کبھی بھی مکمل کامیاب نہیں ہوتے؛ ان سے استعماری طاقت کی قاہرانہ قوتوں کی حدود سامنے آجاتی ہیں اور یہ بات آیندہ انحراف کی حوصلہ افزائی کرتی ہے یعنی باغی قوتوں کی ہمت بلند ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جبری اقدام بہت مہنگے پڑتے ہیں۔ استعماری طاقت کی فوجیں اور ادارے دونوں اس کی قیمت چکاتے ہیں۔ مردار اور معذور فوجیوں کی تعداد مستقل بڑھتی رہتی ہے اور مالیاتی لاگت بھی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ بتدریج ان سرگرمیوں کی عوامی حمایت کم ہوتی جاتی ہے۔ عوام کو نظر آنے لگتا ہے کہ فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ (استعماری طاقت کی آبادی کی اقلیت فوائد حاصل کرتی ہے اور اکثریت کے حصے میں نقصان آتا ہے)۔ نتیجتاً، استعماری طاقت کے مقتدر افراد پر دباؤ بڑھنے لگتا ہے اور وہ عالمی نظام مسلط کرنے میں اندرونی مشکلات محسوس کرنے لگتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دوسری ریاستیں جو سیاسی استعماری غلبے کی جنگ میں استعماری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طاقت سے مار کھا چکی ہوتی ہیں، ان کی طاقت میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور وہ سیاسی طاقت میں زیادہ حصہ مانگنے لگتی ہیں۔ اس طرح عالمی نظام غیر متنازعہ استعماری حالت سے "طاقت کے توازن" کی حالت میں بدل جاتا ہے۔ چوں کہ یہ ایک دائروی عمل ہے اس لیے دوسری ریاستیں استعمار کا جانشین بننے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ اور مشقت طلب کام ہے۔ بہرحال استعماری طاقت کو اپنے زوال کا تجربہ ہونے لگتا ہے۔

جدید عالمی نظام کے حالیہ عوامل میں ایک اور عنصر کا ذکر بھی ضروری ہے۔ صنعتی اور سیاسی اجارہ داریوں کے دائرے بہرحال نامکمل دائرے ہیں۔ یعنی نقطہ آغاز تک دوبارہ واپسی کبھی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دونوں دائروں کے پہلے مرحلے میں حقیقی قدر میں ترقی ہوتی ہے۔ دوسرے مرحلے میں یہ تمام ترقی کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ دوسرے مرحلے میں حاصل ہونے والا توازن اصل میں نظام کی جزوی معکوس ترقی ہوتی ہے۔ اسے نظام کی معکوس ترقی کے بجائے جمود کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ اگر اس عمل کا گراف بنایا جائے تو اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ دو قدم آگے اور ایک پیچھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی اور معکوس ترقی کا دورانیہ اتنا مختصر ہوتا ہے کہ نظام لڑکھڑانے لگتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر نظام کا ساختیاتی بحران شروع ہوتا ہے۔ اب میں اس تاریخی عمل کا ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔

جدید عالمی نظام: ۱۹۴۵ء تا ۱۹۷۰ء

استعماری غلبے کے لیے آخری بڑی لڑائی جرمنی اور امریکا کے درمیان ہوئی۔ یہ لڑائی کم و بیش ۱۸۷۳ء میں شروع ہوئی اور تیس سالہ جنگ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۵ء) پر منتج ہوئی۔ جرمنی نے ۱۹۴۵ء میں غیر مشروط طور پر ہار مان لی اور امریکا کو اس لڑائی کا فاتح تسلیم کرلیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں امریکا معاشی طاقت بن کر ابھرا۔ اس کی اقتصادی اور مسابقتی استعداد جنگ شروع ہونے سے پہلے بھی مضبوط تھی۔ جنگ نے اس مضبوطی میں دو قسم کے اضافے کیے۔ ایک طرف عالمی نظام کی تمام بڑی طاقتیں بشمول جرمنی، جاپان اور سوویت یونین کی پیداوار کے مادی وسائل بہت حد تک تباہ ہوگئے۔ جنگ کے فوراً بعد ان ملکوں کو غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ زرعی پیداوار بھی تباہ ہو چکی تھی۔ اس کے برعکس امریکا ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رہا اور جنگ کے دوران اس کی صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافہ ہوتا رہا۔ شکست خوردہ محوری طاقتیں اور امریکا کے جنگی اتحادی دونوں امریکی امداد کے متمنی تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم ابتدائی فوائد کا حساب بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء کے بعد ہر بڑے پیداواری شعبے میں ابتدائی پندرہ برسوں تک امریکا نے اپنی تمام مصنوعات دوسرے تمام صنعتی ملکوں میں نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کیں۔ تمام شعبوں میں امریکی مصنوعات کی قیمت فروخت مقامی لاگت سے بھی کم تھی۔

صرف ایک شعبہ ایسا تھا جس میں امریکا کو واضح برتری حاصل نہ تھی اور وہ تھا عسکری شعبہ۔ سوویت یونین کی عسکری طاقت بہت مضبوط تھی اور اس کے فوجی دستے وسط مشرقی یورپ اور شمال مشرقی ایشیا (چین میں منچوریا اور منگولیا، نصف کوریا، جاپانی جزائر) کے بڑے حصوں پر قابض تھے۔ یہ سچ ہے کہ ۱۹۴۵ء تک امریکا نیوکلیائی ہتھیار بنا چکا تھا لیکن ۱۹۴۹ء میں اس کی یہ برتری بھی ختم ہو چکی تھی۔ لہٰذا امریکا کی مجبوری تھی کہ استعماری طاقت کا کردار ادا کرنے کے لیے سوویت یونین کے ساتھ مذاکرات کرے اور اس کی عسکری طاقت (برتری) زائل کرے۔ بالخصوص یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ اندرونی سیاسی دباؤ کی وجہ سے امریکا کے زمینی دستے پوری دنیا سے واپس آ رہے تھے۔

میرا خیال ہے کہ امریکا جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ امریکا اور سوویت یونین کے مابین ''ڈیل'' کی صورت میں سامنے آیا جسے یالٹا ڈیل کا نام دیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس ڈیل کے تین حصے تھے۔ اول، کرہ ارض کی دو حصوں میں تقسیم یعنی جنگ کے اختتام پر دونوں ملکوں کی فوجیں جہاں جہاں موجود تھیں وہی علاقے متعلقہ ریاست کا دائرہ رسوخ قرار پائے۔ سوویت بلاک کے پاس وسطی یورپ سے کوریا تک کا علاقہ تھا۔

امریکا اور سوویت یونین کے مابین یہ اتفاق ہوا کہ ہر فریق اپنے دائرہ رسوخ کے معاملات کا فیصلہ خود کرے گا۔ اس معاہدے کا اہم عنصر یہ تھا کہ اس تقسیم کو سیاسی یا عسکری ذرائع سے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ ۱۹۴۹ء کے بعد یہ اتفاقی معاہدہ ''باہمی یقینی تباہی'' کے تصور سے مزید مضبوط ہوا کیوں کہ اب دونوں طاقتوں کے پاس نیوکلیائی ہتھیار تھے اور ہر ملک دوسرے ملک کو تباہ کرنے کا اہل تھا۔

اس معاہدے کا دوسرا حصہ اقتصادی تقسیم تھی۔ امریکا نے کہا کہ وہ سوویت بلاک میں آنے والے خطوں کی بحالی اور تعمیر نو میں کوئی مدد نہیں کرے گا۔ امریکی امداد امریکی زون تک محدود رہی۔ اس طرح مغربی یورپ میں مارشل پلان کے ذریعے اور اسی طرز پر جاپان، جنوبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوریا اور تائیوان کی مدد کی گئی۔ اتحادیوں کو ملنے والی امریکی امداد محض ہمدردانہ جذبے کی بنیاد پر نہ تھی۔ امریکا کو اپنی فروغ پاتی صنعتوں کے لیے گاہکوں کی ضرورت تھی اور اتحادیوں کی تعمیر نو سے اچھے گاہک پیدا ہو گئے۔ مزید برآں، یہ اتحادی وفادار سیاسی غلام بھی بن گئے۔ سوویت یونین نے اپنے طور پر علاقائی معاشی ڈھانچے کھڑے کیے اور ان پر اپنا رنگ جمایا۔

ڈیل کا تیسرا حصہ یہ تھا کہ ہر فریق کہے گا کہ کوئی ڈیل نہیں ہوئی۔ دونوں فریق اپنی اپنی زبان میں بلند آہنگ دعویٰ کرتے رہے کہ "ہمارے" درمیان مکمل نظریاتی کشمکش ہے۔ اسے "سرد جنگ" کہا جاتا ہے اور یہ آخر تک "سرد" جنگ ہی رہی۔ زبانی کلامی لڑائی کا مقصد ایک دوسرے کو تبدیل کرنا یا ہرانا نہیں تھا۔ کوئی بھی طاقت فوری طور پر جنگ جیتنے کی کوشش میں نہ تھی۔ ہر طاقت نے اپنے غلاموں (شائستہ لفظوں میں اتحادیوں) کی مکمل وفاداری کو یقینی بنانے میں قوتیں صرف کیں۔ کسی بھی طاقت نے دوسرے کیمپ کے باغیوں کو اکسانے کی بامعنی کوشش نہیں کی ورنہ معاہدے کی بنیادی شرط یعنی عسکری توازن بگڑ جاتا۔

جب عسکری برتری حاصل ہو گئی تو امریکا نے مجموعی سیاسی اور ثقافتی غلبے کی طرف قدم بڑھایا۔ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں میں اس کا رسوخ قائم ہو گیا۔ واحد استثنیٰ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل تھی جس میں ویٹو پاور کی وجہ سے دوسری چار ریاستیں بھی اس کی ہم پلہ تھیں۔

شروع میں یہ انتظامات شان دار رہے۔ اور پھر سیاسی اجارہ داری کی خود تحلیلی صفت نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۵ء تک دو بڑے اہم واقعات ہوئے جنہوں نے عالمی سیاست میں بڑی تبدیلیاں پیدا کیں اور وہ ہیں تیسری دنیا میں بغاوتیں اور مغربی یورپ اور جاپان کی اقتصادی بحالی۔

دو سپر پاورز جو نظام دنیا پر مسلط کر رہی تھیں اس میں تیسری دنیا کے ملکوں (تیسری دنیا کو اب "جنوب" کہا جاتا ہے) کو بہت کم فوائد مل رہے تھے۔ کچھ ملکوں نے ان انتظامات سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی نے روس کی خواہشات کے برعکس کومنتانگ پارٹی سے ڈیل نہ کی۔ چینی کمیونسٹ پارٹی نے کومنتانگ پارٹی کو شکست دی اور اقتدار حاصل کر لیا۔ ادھر ویت منہ اور ویت کانگ پارٹیوں نے اپنے اپنے راستے جدا کر لیے اور امریکا اور فرانس دونوں کو شکست دی۔ فیدل کاسترو اور اس کے گوریلے برسر اقتدار آئے اور ۱۹۶۲ء میں اس نظام کو ہلا کر رکھ دیا۔ الجزائر نے فرنچ کمیونسٹ پارٹی سے آزادی حاصل کر لی۔ ناصر (عبدالجمال)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہر سویز کا کنٹرول سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا۔

امریکا اور سوویت یونین دونوں اس صورت حال سے ناخوش تھے۔ دونوں نے ایک ہی انداز میں حقیقت کا سامنا کیا۔ ابتدائی طور پر ہر ایک نے سرد جنگ کے وفاداروں کو وفاداری نبھانے پر مجبور کیا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی ملک غیر جانب دار نہیں رہ سکتا۔ لیکن بعد ازاں نرمی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے غیر جانب دار رہنے والوں کو ورغلانا شروع کر دیا۔ اس دوران میں چین، سوویت یونین کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور امریکا نے ویت نام جنگ میں بہت بھاری معاشی اور سیاسی قیمت ادا کی۔

دوسری تبدیلی جس نے سوویت یونین سے کہیں زیادہ امریکا کو متاثر کیا وہ ہے اقتصادی بحالی اور اس کے سیاسی نتائج۔ ۱۹۶۰ء تک امریکا کے لیے ممکن نہ رہا کہ جرمنی یا جاپان کو اپنی مصنوعات مقامی قیمت سے کم قیمت پر فروخت کر سکے۔ اس کے برعکس ہونے لگا تھا۔ جرمن اور جاپانی مصنوعات امریکی مارکیٹ میں داخل ہونے لگیں۔

امریکا کے باج گزار ملکوں کی نئی معاشی طاقت نے انہیں عالمی مارکیٹ میں قابل ذکر حریف بنا دیا۔ ۱۹۶۰ء کے آخر تک امریکا کو عالمی پیداوار یا عالمی تجارت میں اپنے بڑے اتحادیوں پر کسی قسم کی قابلِ ذکر معاشی برتری حاصل نہ رہی۔ اس سے سیاسی اجارہ داری کی بنیادیں ہلنے لگیں۔

سولھویں صدی سے شروع ہونے والے جدید عالمی نظام میں ۱۹۴۵ء کے بعد ارتکازِ سرمایہ کی بڑھوتری میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اس جدید نظام نے ۱۹۴۵ء کے سیاسی طاقت کے سب سے زیادہ پھیلاؤ کا مزا بھی لیا۔ جدید نظام کی پوری عمر میں امریکی استعمار سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ اقتصادی اور سیاسی اجارہ داریاں بیک وقت اپنے نقطہ تحلیل کو پہنچیں۔ جتنا بڑا عروج ہوتا ہے، زوال بھی اتنا ہی پست ہوتا ہے۔ اب عالمی نظام کا نقطہ توازن پر آنا ممکن نہیں رہا۔ اسے بحال کرنے والے میکانزم بے کار ہو چکے ہیں۔ اس کا ساختیاتی بحران شروع ہو گیا ہے۔

ساختیاتی بحران: ۱۹۷۰ء تا؟

اس ساختیاتی بحران میں دو پیش رفتوں نے مرکزی کردار ادا کیا۔ پہلی پیش رفت عالمی معیشت کا طویل المدتی سیکولر رجحان ہے جس کی بدولت سرمایہ دار لامحدود سرمایہ جمع کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اور دوسری پیش رفت خود پسند لبرلز کی ثقافتی اجارہ داری کا خاتمہ ہے جس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدولت عالمی نظام کا سیاسی استحکام ختم ہو جائے گا۔ میں ان دونوں عوامل کی وضاحت کرتا ہوں۔

طویل المدتی ساختیاتی رجحانات

سرمایہ داری میں لامحدود سرمایہ کیسے جمع کیا جاتا ہے؟ اس کا بنیادی طریقہ پیداوار ہے (اگرچہ صرف یہی ایک طریقہ نہیں)۔ اس طریقے میں اہم چیز منافع ہے۔ منافع سے مراد وہ فرق ہے جو مصنوعات بنانے کی لاگت اور ان کی قیمت فروخت میں ہوتا ہے۔ اگر لاگت انتہائی کم اور قیمت فروخت انتہائی زیادہ ہو تو منافع اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اسے دوبارہ سرمایے کے چکر میں شامل کرنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

لاگت اور قیمت میں فرق کیسے بڑھایا جاتا ہے؟ اس کام میں دو باتیں انتہائی ضروری ہیں۔ قیمت فروخت بڑھانے کے لیے مصنوعی اجارہ داری ہونا لازمی ہے۔ اس پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ اس اجارہ داری سے لاگت کم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے، جس پر ہم اب بات کریں گے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی پیداواری عمل میں ہمیشہ تین قسم کی لاگتیں ہوتی ہیں: افرادی لاگت، مال کی لاگت اور ٹیکس۔

پیداکنندہ یا مالک جن افراد کو ادائیگی کرتا ہے، ان کے تین مختلف درجات ہوتے ہیں: غیر ہنرمند، نیم ہنرمند اور ہنرمند۔ ہنرمند مزدوروں میں سپروائزر اور مینجر بھی شامل ہیں۔ اجارہ داری کے پہلے مرحلے میں کم ہنرمند مزدوروں کی لاگت زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ یہ مزدور اجتماعی طور پر آجر سے مطالبات منوانے کے اہل ہوتے ہیں۔ اس مرحلے میں آجر غیر ہنرمند افراد کو رعایت دیتا ہے کیوں کہ کام سست ہونا یا بند ہونا زیادہ مہنگا پڑتا ہے۔ تاہم بالآخر یہ لاگتیں اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ آجر برداشت نہیں کر سکتا۔

تاریخی طور پر آجر اس کا حل یہ نکالتے ہیں کہ اپنی فیکٹری کہیں اور منتقل کر لیتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے پیداواری یونٹ ایسے خطے میں لگا لیتے ہیں جہاں پر مزدوری سستی ہوتی ہے۔ یہاں پر دیہاتی علاقوں کے مزدور بھرتی کیے جاتے ہیں۔ ان مزدوروں کی حقیقی آمدن اتنی کم ہوتی ہے کہ نئے آجر کی پیش کردہ اجرت انہیں بہت زیادہ لگتی ہے۔ اس صورت حال میں آجر اور مزدور دونوں خوش ہوتے ہیں یعنی دونوں کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ تاہم کچھ عرصے بعد نئے مزدوروں کو اپنی نئی صورت حال کا علم ہو جاتا ہے اور وہ عالمی اجرتوں سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ اب وہ اپنی اجرت بڑھوانے کے لیے متحد ہونے لگتے ہیں۔ اور آجر کے لیے لاگتیں ایک بار پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس مسئلے کا حل اگرچہ مہنگا لیکن موثر ہے۔ پوری دنیا میں دو قدم آگے ایک قدم پیچھے کے حساب سے ترقی ہوتی ہے۔ معکوس ترقی کبھی بھی ترقی کو مکمل طور پر ختم نہیں کرتی۔ سرمایہ داری کو آئے پانچ صدیاں گزر چکی ہیں اس لیے دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں بچی جہاں جا کر ستی لیبر حاصل کی جا سکے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عالمی نظام میں دیہات تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ گذشتہ پچاس برسوں میں ہر دیہی علاقہ شہری علاقے میں بدل چکا ہے اور یہ عمل تیزی سے جاری ہے۔

مزدور جماعتوں کی لاگت میں اضافہ دو وجوہات کی بنا پر ہے۔ ایک یہ کہ پیداواری یونٹ میں مسلسل اضافے سے درمیانی افراد کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ یہ درمیانی افراد پورے یونٹ کو مربوط کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ غیر ہنر مند افراد کی مستقل گروہ بندی کے سیاسی خطرات سے نبٹنے کے لیے ایک بڑا درمیانی درجہ پیدا کیا جاتا ہے جو مقتدر طبقے کا سیاسی وفادار بھی ہوتا ہے اور معاشی ترقی بھی کرتا ہے، اس لیے غیر ہنر مند مزدوروں کی اکثریت کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہوتا ہے۔ نتیجتاً غیر ہنر مند اکثریت سیاسی تحریک سے باز رہتی ہے۔ اس رول ماڈل طبقے کی تنخواہیں چوں کہ زیادہ ہوتی ہیں اس لیے مجموعی طور پر اجرتی لاگت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اعلیٰ انتظامیہ کی تنخواہوں میں اضافہ کاروباری ڈھانچوں کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ یہ پیچیدگی ملکیت اور تصرف (انتظامی کنٹرول) میں علیحدگی سے جنم لیتی ہے۔ اس پیچیدگی (یعنی ملکیت اور انتظامیہ میں علیحدگی) کی وجہ سے اعلیٰ انتظامیہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ فرم کے اخراجات بڑھاتی رہے۔ اس طرح مالکوں (شیئر ہولڈرز) کا منافع کم ہو جاتا ہے اور فرم دوبارہ سرمایہ کاری کرنے میں مشکلات کا سامنا کرتی ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں یہ پیچیدگی بہت بڑھ گئی ہے۔

مال کی لاگت میں اضافے کی وجوہات بھی اسی قسم کی ہیں۔ سرمایہ دار ہمیشہ لاگت دوسروں کے کھاتے میں ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ استعمال کرتے ہیں اس کی پوری قیمت ادا نہیں کرتے۔ وہ لاگتیں جنہیں سرمایہ دار دوسروں کے کھاتے میں ڈال سکتے ہیں، تین قسم کی ہیں: زہریلا فضلہ، خام مال کی تجدید اور ذرائع نقل و حمل اور ذرائع ابلاغ کی تعمیر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عالمی نظام کی پوری تاریخ میں لاگت دوسروں کے کھاتے میں ڈالنے کو جائز فعل سمجھا گیا ہے۔ سیاسی حکام نے اس پر کبھی توجہ نہیں کی۔

تاہم گذشتہ چند عشروں سے سیاسی فضا تبدیل ہو چکی ہے۔ آب وہوا کی تبدیلی پر بہت زیادہ بحث ہو رہی ہے۔ اس لیے ''سبز انقلاب'' یا ''قدرتی مصنوعات'' کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسروں کے کھاتے میں قیمت ڈالنے کے دن گزر گئے۔ زہریلے فضلے پر سیاسی بحث البتہ سادہ انداز میں ہو رہی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں بچی جہاں فضلہ دبایا جا سکے۔

مزید برآں، مزدوروں کو دیہی زندگی سے محروم کر دیا گیا ہے اور کم اجرتوں والے نئے مزدور ملنا بند ہو گئے ہیں۔ ان عوامل کے صحت عامہ پر بھیانک اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر سماجی تحریکیں فروغ پانے لگی ہیں جو ماحولیاتی صفائی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ وسائل کی تجدید کا معاملہ بھی سیاسی حقیقت بن چکا ہے کیوں کہ دنیا کی آبادی میں اضافہ ہو چکا ہے۔ دنیا کو اچانک پتہ چلا کہ وسائل کے اثاثے ختم ہو رہے ہیں۔ توانائی کے وسائل، پانی، جنگلات، مچھلیاں اور گوشت وغیرہ ختم ہو گئے ہیں یا ہونے والے ہیں۔ اب یہ بحث چل رہی ہے کہ کون کس شے کا مالک ہے؟ کون کیا استعمال کرتا ہے؟ کون سے وسائل کس مقصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں اور ان کی قیمت کون ادا کر رہا ہے؟

تیسری بات یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام انفراسٹرکچر کے بل بوتے پر چلتا ہے۔ فروخت کے لیے بنائی گئی مصنوعات کو عالمی منڈی تک پہنچانے کے لیے ذرائع نقل وحمل اور ذرائع ابلاغ ضروری ہیں۔ آج کل ذرائع نقل وحمل اور ذرائع ابلاغ موثر اور تیز ترین ہیں۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لاگتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ اس کی قیمت کون ادا کرتا ہے؟ ماضی میں پیدا کنندہ انفراسٹرکچر سب سے زیادہ استعمال کرتا تھا لیکن اس کی قیمت بہت کم ادا کرتا تھا۔ تقریباً ساری قیمت عوام ادا کرتے تھے۔

آج کل مضبوط سیاسی مطالبات کی وجہ سے حکومتیں زہریلے فضلات، توانائی کی تجدید اور انفراسٹرکچر کی توسیع میں براہ راست کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ حکومتیں ٹیکسوں میں اضافہ کریں گی۔ مزید برآں، اگر نظام کے منفی اثرات ویسے کے ویسے ہی رہے تو ٹیکسوں میں اضافے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ٹیکسوں میں اضافے اور قیمتیں اپنے سر لینے کی وجہ سے منافع کی شرح بہت کم ہو جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخری بات یہ کہ جدید عالمی نظام کی پوری زندگی میں ہر قسم کے ٹیکس ہمیشہ بڑھتے آئے ہیں۔ حکومت کو ہر سیاسی سطح پر ٹیکس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سیاست دانوں اور سرکاری اہل کاروں کے اخراجات پورے ہوسکیں اور حکومت متوقع خدمات فراہم کر سکے۔ ایک اور چیز میں بھی وسعت آگئی ہے جسے پرائیویٹ ٹیکس کہا جاتا ہے۔ پرائیویٹ ٹیکس سے مراد سرکاری اہل کاروں کی کرپشن اور منظم مافیا کی بھتہ خوری ہے۔ پرائیویٹ ٹیکس سرمایہ داروں کی جیب سے جاتا ہے۔ گذشتہ پچاس برسوں میں حکومتی ڈھانچوں کا حجم بہت بڑھ گیا ہے لہٰذا رشوت لینے والے بھی زیادہ ہوگئے ہیں۔ اور عالمی معاشی سرگرمی میں جتنا اضافہ ہوگا بھتہ خوری میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوگا۔

بہرحال، اضافی ٹیکسوں کا سب سے بڑا ذریعہ نظام دشمن تحریکوں کی سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ ان کے گذشتہ دو صدیوں کے مطالبات نے عالمی سیاست میں جمہوریت پیدا کر دی ہے۔ عوامی تحریکوں نے ریاست سے تین بنیادی مطالبات کیے: شہریوں کے لیے تعلیم، صحت اور روزگار کی ضمانت۔ گذشتہ دو صدیوں میں ہر مطالبے میں دو قسم کی توسیع ہوئی ہے: مطلوبہ خدمات کے معیار میں اضافہ اور مطالبہ کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ۔ یہ تینوں اخراجات مل کر ''فلاحی ریاست'' کہلاتے ہیں۔ فلاحی ریاست کا تصور تقریباً ہر حکومت میں عام ہے البتہ ہر ملک کی دولت کے حساب سے ملنے والی سہولیات میں فرق ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ پیداوار کی تین بنیادی لاگتوں میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ اب یہ اس سطح پر پہنچ گئی ہیں کہ کسی بھی میکانزم سے انہیں کم نہیں کیا جا سکتا۔ پیدا کنندگان کے لیے لامحدود ارتکاز کے مواقع ختم ہو چکے ہیں۔

ارضی ثقافت میں تبدیلی

ثقافتی تبدیلی کی وجہ سے سرمایہ داروں کے منافع میں بہت کمی آئی ہے۔ یہ ارضی ثقافت میں خود پسند لبرل ازم کے خاتمے کی نشانی اور ۱۹۶۸ء کے عالمی انقلاب کا نتیجہ ہے۔

۱۹۶۸ء کے عالمی انقلاب کی کہانی اصل میں نظام دشمن تحریکوں کی کہانی ہے۔ ان کا جنم، ان کی حکمت عملی اور ان کی تاریخ جدید عالمی نظام کی سیاسی فعالیت سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے۔

انیسویں صدی میں ''اولڈ لیفٹ'' دو قسم کی سماجی تحریکوں پر مشتمل تھا: کمیونسٹ اور سوشل ڈیموکریٹ؛ قومی آزادی کی تحریکیں بھی تھیں۔ یہ تحریکیں بتدریج اور بڑی محنت سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پروان چڑھیں۔ یہ دور ۱۸۷۰ء تا ۱۹۵۰ء کا ہے۔ ایک طویل عرصے تک یہ تحریکیں کمزور اور سیاسی طور پر غیر اہم رہیں۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء تک یہ انتہائی مضبوط ہو گئیں اور یہ کام عالمی نظام کے تمام حصوں میں ہوا۔

مجھے یہ بات درست نہیں لگتی کہ ان تحریکوں کا عروج صنعتی اجارہ داری اور امریکی استعمار کی وجہ سے ہوا۔ میں تو کہتا ہوں کہ جب معیشت پھل پھول رہی ہو تو سرمایہ داروں کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ پیداواری عمل میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں (رکاوٹوں سے مراد ہڑتالیں، احتجاج، محاصرے وغیرہ) خاص طور پر منافع بخش صنعتوں کے سرمایہ دار اس معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ چوں کہ اس دور میں پھیلاؤ انتہائی منافع بخش تھا اس لیے پیدا کنندگان مزدروں کو نمایاں رعایات دینے پر تیار تھے۔ اس کا مطلب یہ کہ پیداواری لاگتوں میں وسط مدتی اضافہ ہوا جو ۱۹۶۰ء کے عشرے میں مصنوعی اجارہ داریوں کے زوال کی بڑی وجہ بنا۔ لیکن زیادہ تر سرمایہ دار ایسے تھے جنھوں نے قلیل المدتی منافع پر نظر رکھی اور دو چار سال آگے تک نہ دیکھ سکے۔

اسی طرح استعماری طاقت نے بھی قلیل المدتی مفادات پر نظر رکھی۔ اس کی بنیادی دل چسپی سیاسی میدان میں استحکام قائم رکھنا تھا۔ اس صورتِ حال میں نظام دشمن تحریکوں کے خلاف جبر و استبداد بہت مہنگا پڑتا۔ جہاں ممکن ہوا، امریکا نے نوآبادیاتی نظام ختم کرنے کی حمایت کی اور اس آزادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دورِ اقتدار سے معتدل رہنے کی توقع کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا، افریقہ اور جزائر غرب الہند میں قوم پرستانہ یا قومی آزادی کی تحریکیں بڑے پیمانے پر نمودار ہوئیں۔

انیسویں صدی کی تحریکوں میں اندرونی بحث کیا تھی؟ صنعتی ممالک کی سماجی تحریکوں میں انارکسٹ اور مارکسسٹ مدمقابل تھے۔ نوآبادیاتی نظام کی مخالف تحریکوں میں سیاسی قوم پرست اور ثقافتی قوم پرست ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ مارکسی اور سیاسی قوم پرست کہتے تھے کہ واحد قابل عمل پروگرام دو اقدامی حکمت عملی ہے یعنی پہلے ریاست پر قبضہ کیا جائے اور پھر دنیا تبدیل کی جائے۔ ۱۹۴۵ء تک بین التحریکی مباحث میں مارکسیوں اور سیاسی قوم پرستوں کو واضح برتری حاصل ہو گئی۔ ان کی تنظیمیں نہایت طاقت ور بن گئیں۔

بڑی بڑی کارپوریشنز اور استعماری طاقت کے نرم رویے کی بدولت ۱۹۶۰ء کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عشرے کے وسط میں ''اولڈ لیفٹ'' تحریکوں نے پوری دنیا میں ریاستی طاقت حاصل کرنے کا تاریخی ہدف حاصل کرلیا۔ دنیا کے ایک تہائی حصے میں کمیونسٹ پارٹیاں برسراقتدار تھیں جسے اس وقت سوشلسٹ بلاک کہا جاتا تھا۔ دوسرے ایک تہائی خطے پر سوشل ڈیموکریٹ جماعتوں کا اقتدار تھا اور ۱۹۶۸ء تک تقریباً تمام کالونیل ملکوں میں قوم پرست اور آزادی پسند طاقت میں آ چکے تھے۔

اقتدار میں آنے کے بعد یہ تحریکیں کتنی ہی معتدل کیوں نہ رہی ہوں انہوں نے عالمی نظام کو فتح پسندی کا چسکا لگایا۔ انہیں لگا اور انہوں نے بانگ دہل اعلان بھی کیا کہ مستقبل انہی کا ہے اور تاریخ ان کے ساتھ ہے۔ اور جدید عالمی نظام میں طاقت ور لوگ خوف زدہ تھے کہ کہیں یہ دعوے سچے ثابت نہ ہوں۔ انہیں بدترین حالات کا خوف تھا۔ لیکن ۱۹۶۸ء کے عالمی انقلاب میں شریک ہونے والے اس بات سے متفق نہ تھے۔ ان کے نزدیک اولڈ لیفٹ کا اقتدار میں آنا فتح نہیں بلکہ گمراہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اقتدار میں تو ہو سکتے ہیں لیکن آپ نے دنیا تبدیل نہیں کی۔ یعنی حکمت عملی کا پہلا ہدف چاہے پورا ہو گیا، دوسرا ہدف ہرگز پورا نہیں ہوا۔

اگر غور کیا جائے تو اس انقلاب میں شریک ہونے والوں نے اپنے تجزیے میں تین نکات پر توجہ دلائی، خواہ یہ تحریکیں سوشلسٹ ہوں یا سوشل ڈیموکریٹ یا قوم پرست۔

پہلا نکتہ استعماری طاقت کے متعلق تھا۔ اس میں امریکا کو عالمی نظام کا ضامن نہیں سمجھا گیا بلکہ سامراجی بوجھ کے طور پر دیکھا گیا جو بہت زیادہ پھیل چکا تھا اور اب خطرے کی زد پہ تھا۔ ویت نام کی جنگ زوروں پر تھی اور فروری ۱۹۶۸ء کے Tet آپریشن میں ناکامی امریکی عسکریت کے تابوت میں آخری کیل سمجھا گیا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ انقلابیوں نے سوویت یونین پر الزام لگایا کہ وہ امریکی استعمار کا حلیف ہے۔

ان کے خیال میں سرد جنگ محض ایک ڈھکوسلا تھا۔ اصل حقیقت یالٹا ڈیل تھی۔ یہ شک ۱۹۵۶ء سے بڑھتا جا رہا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں سویز اور ہنگری کے معاملے میں روس اور امریکا میں سے کسی نے بھی سرد جنگ والا رویہ نہ دکھایا۔ یہی سال خروشیف کی خفیہ بات چیت کا تھا جو اس نے سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے بیسویں اجلاس میں کی تھی اور جس میں اسٹالن کی پالیسیاں ختم کر دی گئی تھیں اور بہت سے مخلص کمیونسٹ مایوس ہو گئے تھے۔

دوسرا نکتہ اولڈ تحریکوں کے متعلق تھا جو چاروں طرف سے حملوں کی زد میں تھیں کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اپنے کیے ہوئے وعدے پورے نہ کرسکیں یعنی اقتدار میں آنے کے بعد تبدیلی نہ لاسکیں۔ جنگ جوؤں نے کہا کہ تم نے دنیا تو تبدیل نہیں اس لیے تمہاری حکمت عملی ناکام رہی اس لیے تمہاری جگہ نئی تحریکیں آنی چاہئیں۔ بہت سے لوگوں کے لیے چین کا ثقافتی انقلاب رول ماڈل بن گیا۔

تیسرا نکتہ ''بھلا دیے گئے'' لوگوں کے بارے میں تھا یعنی وہ لوگ جنہیں نسل، جنس، قوم، جنسیت وغیرہ کی بنیاد پر دبایا جارہا تھا۔ اولڈ لیفٹ تنظیمیں تنظیمی درجات والی تھیں اوران کا دعویٰ تھا کہ ایک ملک میں صرف اور صرف ایک ہی انقلابی جماعت ہوسکتی ہے اوراس جماعت کو چاہیے کہ ایک خاص قسم کی جدوجہد کو ترجیح دے۔ صنعتی ملکوں میں یہ جدوجہد طبقات کے مابین تھی اور باقی دنیا میں قوم پرستانہ۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ کوئی بھی گروہ جو خود مختار حکمت عملی کا متمنی ہے وہ ترجیحی جدوجہد کو نظرانداز کرتا ہے لہٰذا وہ انقلاب مخالف ہوتا ہے۔ ان سب گروہوں کو جماعت کے درجہ بند ڈھانچے میں رکھا جائے اور احکامات کی اطاعت کروائی جائے۔

۱۹۶۸ء کے جنگ جوؤں کا کہنا تھا کہ ان تمام گروہوں کی طرف سے مساوی سلوک کے مطالبات مستقبل پر نہیں ڈالے جاسکتے کہ پہلے اقتدار حاصل ہوگا تو سب کو مساوی کیا جائے گا۔ یہ مطالبات ہنگامی تھے اورظلم و جبر جس کے خلاف وہ لڑ رہے تھے، گروہی ترجیحی مفاد کے مساوی اہمیت رکھتا تھا۔ گم گشتہ گروہوں میں خواتین اور سماجی اقلیتیں، مختلف جنسی رجحان رکھنے والے افراد (ہم جنس پرست مرد اور عورتیں) ماحول پسند اور امن پسند نمایاں تھے۔ گم گشتہ گروہوں کی فہرست بہت طویل ہے اور یہ گروہ پہلے سے زیادہ لڑاکا بن چکے ہیں۔ اُس وقت امریکا میں Black Panthers گروپ زیادہ نمایاں مثال تھی۔

۱۹۶۸ء کا عالمی انقلاب عالمی نظام میں سیاسی تبدیلی کا باعث نہیں بنا۔ بہت سے ملکوں میں یہ تحریکیں کامیابی سے دبا دی گئیں اور بہت سے ارکان اپنی جوانی کے جوش وخروش پر نادم رہنے لگے۔ اس عمل میں خود پسند لبرل حضرات کا دعویٰ ختم ہوگیا کہ ان کی ثقافت ہی واحد جائز ثقافت ہے۔ سچے قدامت پسند اور سچے انقلابی پھر سے طاقت پکڑنے لگے اور خود مختار تنظیمیں بنا کر اپنی سیاسی حکمت عملیاں وضع کرنے لگے۔

عالمی نظام کی فعالیت کے لیے اس ثقافتی و سیاسی تبدیلی کے نتائج بہت زیادہ تھے۔ سرمایے کی لامحدود بڑھوتری کی جدوجہد جاری رکھنے پر سوالیہ نشان لگ گیا، سرمایہ داری جدید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالمی نظام کے سیاسی استحکام کی ضمانت دینے سے دست بردار ہوگئی، ہر کسی کے لیے بہترین مستقبل فراہم کرنا ممکن نہ رہا۔ مستقبل کی شکل اور حالات پیشہ وارانہ استعداد رکھنے والوں کے فیصلوں کے رحم و کرم پر تھے۔

انتشار جو آ کے رہا

۱۹۶۸ء کا عالمی انقلاب زبردست سیاسی کامیابی تھی۔ ۱۹۶۸ء کا عالمی انقلاب بہت بڑی سیاسی ناکامی تھی۔ یہ پوری دنیا میں پھلتا پھولتا دکھائی دیا لیکن ۱۹۷۰ء کے وسط میں ہر جگہ ختم ہوتا دکھائی دیا۔ اس دم بھر کی آگ سے کیا حاصل ہوا؟ بہت تھوڑا۔ خود پسند لبرل ازم واحد اور جائز نظریہ تصور کیا جاتا تھا جسے عالمی نظام کے تخت شاہی سے اتار دیا گیا۔ اب یہ دیگر متبادلات میں سے صرف ایک متبادل کے طور پر موجود ہے۔ مزید برآں، اولڈ لیفٹ تحریکیں اس حد تک تباہ ہوگئیں کہ کسی قسم کی بنیادی تبدیلی لانے کے لیے عوام کو متحرک کرنے کے قابل نہ رہیں۔ ۱۹۶۸ء کے انقلابیوں کی فتح پسندی جو خود پسند لبرل ازم کی اطاعت سے آزاد تھی، کھوکھلی اور غیر مستحکم ثابت ہوئی۔

اسی طرح عالمی دایاں بازو بھی خود پسند لبرل ازم سے بے تعلق ہوگیا۔ اس نے عالمی اقتصادی جمود اور اولڈ لیفٹ تحریکوں اور ان کی حکومتوں کے زوال سے فائدہ اٹھا کر مخالف تحریک شروع کی جسے نیو لبرل گلوبلائزیشن کہتے ہیں۔ نیو لبرل ازم اصل میں قدامت پسندی ہی ہے۔ نیو لبرل ازم کا بنیادی ہدف نچلے طبقات کو فوائد سے محروم کرنا تھا۔ عالمی دائیں بازو نے پیداوار کی تمام بڑی لاگتیں کم کرنے، ویلفیئر سٹیٹ کو تباہ کرنے اور عالمی نظام میں امریکی طاقت کے زوال کا عمل سست کرنے کی کوشش کی۔ عالمی دائیں بازو کی جدوجہد ۱۹۸۹ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ مشرق وسطی یورپی غلام ریاستوں پر سوویت تصرف ختم ہوگیا اور ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین خود بکھر گیا اور عالمی دائیں بازو کی فتح پسندی سامنے آئی۔

عالمی دائیں بازو کی جارحیت بہت بڑی کامیابی تھی۔ عالمی دائیں بازو کی جارحیت بہت بڑی ناکامی تھی۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں عالمی اقتصادی جمود شروع ہوا تو بڑے بڑے سرمایہ داروں نے پیداواری سرگرمی نئے خطوں میں منتقل کر دی جو بظاہر نمایاں ترقی کرتی نظر آئی۔ یہ منتقلی نئے ملکوں کے غریب طبقات کے لیے مفید تھی جن کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ مگر ارتکازِ سرمایہ کی مقدار اتنی متاثر کن نہ تھی۔ سرمایہ دار جتنا سرمایہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۷۰ء تک جمع کرنے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کامیاب ہو چکے تھے، اتنا سرمایہ اب جمع کرنے میں ناکام رہے۔ عالمی سرپلس ویلیو کی تقسیم کے لیے سرمایہ داروں نے مالیاتی شعبے کا رخ کیا جسے عالمی نظام کی فنانشلائزیشن کہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی پانچ سو سالہ تاریخ میں مالیاتی چکر بار بار آئے ہیں۔

۱۹۷۰ء کے بعد سرمایے کی بڑھوتری پیداوار کی بجائے فنانس کے ذریعے ہونے لگی جسے سٹہ بازی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ سٹہ بازی میں قرضوں کے ذریعے صارفیت (اِصراف) بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ماضی کے برعکس نئی سٹہ بازی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا استعمال وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے اور مالیاتی آلات کمزور ہیں۔ سرمایہ دارانہ صنعتی ترقی کے بعد تاریخ کا وسیع ترین سٹہ بازی کا جنون پیدا ہوا۔

قرضوں کے لیے نئے نئے ہدف تلاش کرنا مشکل نہیں۔ قرض کے ہر اگلے درجے میں دگنا منافع ہوتا ہے اور ہر درجہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ اس کا پہلا بڑا درجہ ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۹ء میں اوپیک کی طرف سے تیل کی قیمتوں میں اضافہ تھا۔ اوپیک اضافہ اوپیک کے تمام ممبران کی طرف سے نہیں بلکہ سعودی عرب اور ایران نے کیا تھا۔ سعودی عرب اور ایران دونوں امریکا کے قریب ترین اتحادی تھے۔ امریکا نے ان دونوں ملکوں کی حوصلہ افزائی کیوں کی یہ الگ کہانی ہے۔

بہرحال تیل کی قیمتوں میں اضافے کے مالیاتی نتائج بالکل واضح تھے۔ زر کی بڑی بڑی رقمیں اوپیک ملکوں کے خزانے میں جمع ہوئیں۔ تیسری دنیا اور سوشلسٹ بلاک کی تیل درآمد کرنے والی ریاستوں پر اس کا دہرا منفی اثر ہوا۔ انہیں مطلوبہ تیل خریدنے کے لیے زیادہ ادائیگیاں کرنی پڑیں اور ان کی برآمدات کی آمدن کم ہوگئی کیوں کہ شمالی امریکا اور مغربی یورپ میں مندا تھا۔ ادائیگیوں کے عدم توازن نے ان ملکوں میں بے چینی کی لہر پیدا کر دی۔

اوپیک ملک اضافی آمدن کو فوری طور پر استعمال نہ کر سکے اور یہ رقوم مغربی بینکوں میں جمع کروا دیں۔ بینکوں نے تیسری دنیا اور سوشلسٹ بلاک کے ملکوں میں اپنے وفود بھیجے اور ادائیگیوں کا توازن درست کرنے کے لیے قرضوں کی پیش کش کی۔ تمام ملکوں نے یہ پیش کش فوراً قبول کر لی۔ تاہم ان ملکوں کو قرضوں کی واپسی میں مشکلات کا سامنا رہا جس کا نتیجہ قرضوں کے بحران کی صورت میں نکلا۔ اس کا پہلا سرکاری اظہار ۱۹۸۹ء میں میکسیکو کے دیوالیہ ہونے سے ہوا۔

مقروضوں کی اگلی جماعت بڑی بڑی کارپوریشنیں تھیں۔ ان کارپوریشنز نے ۱۹۸۰ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے عشرے میں اپنی سیالیت کے مسائل پر قابو پانے کے لیے "جنک بانڈ" جاری کیے۔ ان بانڈز کی وجہ سے ان سرمایہ داروں کو فائدہ ہوا جنہوں نے حقیقی قدر کا خاتمہ کیا۔ ۱۹۹۰ء سے انفرادی مقروضیت پھیلنے لگی۔ لوگوں نے کریڈٹ کارڈ کا بے تحاشا استعمال کیا اور ہاؤسنگ میں سرمایہ کاری کی۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۰ء تک جنگی اخراجات میں اضافے اور ٹیکس آمدن میں کمی کی وجہ سے امریکا میں عوامی مقروضیت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ۲۰۰۷ء میں امریکی ہاؤسنگ مارکیٹ انحطاط کا شکار ہوگئی، عالمی پریس اور سیاست دانوں نے اس بحران کا نوٹس لیا۔ بینکوں کی مدد کی گئی اور امریکا نے کرنسی چھاپ کر اس بحران کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس سے حکومتوں کی مقروضیت کے دائرے میں مزید توسیع ہوئی اور ریاستی قرض کم کرنے کے لیے دباؤ بڑھنے لگے۔ ریاستی مقروضیت میں کمی کے نتیجے میں موثر طلب کم ہوگئی۔

اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں سرمایے کی جغرافیائی منتقلی بھی ہوئی۔ نام نہاد ابھرتے ہوئے ملک نمایاں ہونے لگے جو اصل میں جدید عالمی نظام کی ترتیب نو کا عمل ہے۔ نئے ابھرتے ہوئے ملکوں میں برازیل، روس، انڈیا، چین اور جنوبی افریقا نمایاں ہیں۔ تاہم اس میں بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ اس نظام میں نئی مصنوعات کے لیے گنجائش موجود ہے۔ لیکن عمومی منافع میں کمی کچھ اور اشارہ دیتی ہے۔ نئے ابھرتے ہوئے ملکوں کے نمایاں ہونے سے سرپلس ویلیو کے حصہ داروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ اس سے لامحدود سرمایے کی بڑھوتری میں اضافہ نہیں بلکہ کمی ہوئی ہے اور عالمی نظام کا مالیاتی بحران آہستہ نہیں بلکہ مزید تیز ہوگا۔ مزید برآں، نئے ابھرتے ہوئے ملکوں کی برآمدات کے لیے گاہکوں کی تعداد بتدریج کم ہو رہی ہے۔

اس مالیاتی بحران کا ایک متوقع نتیجہ یہ ہوگا کہ امریکی ڈالر عالمی ذخیرہ جاتی کرنسی نہیں رہے گا۔ اس کی جگہ کوئی دوسری کرنسی نہیں لے گی بلکہ کثیر زری نظام آئے گا جس میں شرح تبادلہ مستقل تبدیل ہوتی رہے گی اور پیداواری سرگرمیاں مالیاتی انجماد کا شکار ہو جائیں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ امریکی استعماری طاقت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ یہ نقصان ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۶ء تک کی بش انتظامیہ کی ناکام سیاسی و عسکری مہمات کی وجہ سے پہنچا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دنیا کثیر مرکز ہوگئی ہے جس میں طاقت کے مراکز آٹھ یا دس ہیں اور ہر مرکز برابر کی ٹکر کا ہے۔ ان مراکز کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی وفاداریاں اور وابستگیاں کثرت سے تبدیل ہو رہی ہیں کیوں کہ ہر مرکز زیادہ سے زیادہ فائدہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سمیٹنے کی فکر میں ہے۔ لہٰذا مارکیٹوں اور کرنسیوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ طاقت کے حلیفوں میں بھی اتار چڑھاؤ ہے۔

بنیادی حقیقت یہ ہے کہ مستقبل قریب غیر یقینی حالت میں ہے، کوئی پیش گوئی ممکن نہیں۔ اس غیر یقینی صورت حال کے سماجی و نفسیاتی اثرات تذبذب، غصہ، الجھن اور خوف ہیں۔ خوف کی وجہ سے نئے سیاسی متبادل تلاش کیے جا رہے ہیں۔ میڈیا اس چیز کو عوامیت یا مقبولیت پسندی کہتا ہے لیکن یہ صورتِ حال اس اصطلاح سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ خوف کی وجہ سے کچھ لوگ بار بار قربانی کے بکرے بن رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس خوف کی وجہ سے نظام عالم کے عوامل کے متعلق سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہ چیز امریکا میں ''ٹی پارٹی'' اور ''آکوپائی وال اسٹریٹ'' تحریکوں کے فرق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس وقت دنیا کی ہر حکومت کے لیے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بے روزگار مزدوروں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے کیسے جان چھڑائی جائے۔ اس کے علاوہ مڈل کلاس کی بچتوں اور پنشنز کا خاتمہ بھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس کا ایک ردعمل یہ ہے کہ حکومتیں درآمدات پر پابندیاں لگا رہی ہیں (اگرچہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں) تا کہ مقامی صنعتوں کو تحفظ دیا جائے۔ اس تحفظ پسندی کی وجہ یہ ہے کہ حکومتیں قلیل المدتی زر حاصل کرنا چاہتی ہیں، خواہ اس کے لیے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ چوں کہ تحفظ پسندی سے بے روزگاری پر قابو نہیں پایا جا سکتا اس لیے حکومتیں زیادہ ظالم اور جابر ہو رہی ہیں۔

پابندیاں، جبر اور زر کی تلاش عالمی صورت حال کو بدتر بنا رہے ہیں۔ اس سے نظام کا آہنی شکنجہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس سختی سے شدید ترین اتار چڑھاؤ پیدا ہوں گے اور نتیجتاً قلیل المدتی سیاسی و اقتصادی پیش گوئی کرنا بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں عوام میں خوف اور اجنبیت عام ہو جائے گی۔ یہ ایک منفی چکر ہے۔

نظام کی جانشینی کے لیے سیاسی جدوجہد

آج دنیا کے سامنے سوال یہ نہیں کہ حکومتیں کس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں اصلاحات لا کر اسے سرمایے کے لامحدود ارتکاز کے لیے موثر بنا سکتی ہیں۔ ایسا کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس نظام کی جگہ کون سا نظام لے گا۔ ۲۰۱۱ء کے بعد سے سرمایہ دارانہ اقلیت (ایک فی صد) اور غیر سرمایہ دارانہ اکثریت (ننانوے فی صد) کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامنے یہی سوال ہے۔ تاہم ہر کوئی اس سے متفق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ابھی تک اس مغالطے میں ہیں کہ نظام نے اپنے قوانین میں ترمیم کر لی ہے۔ یہ بات غلط بھی نہیں۔ بلکہ یہی تو وجہ ہے کہ موجودہ حالات میں اس نظام کے ترمیم شدہ قوانین کا استعمال ہی اس کے ساختیاتی بحران میں تیزی لائے گا۔

تاہم کچھ کھلاڑی اس ساختیاتی بحران کا شعور رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ وہ اس نظام کو قائم نہیں رکھ سکتے لیکن نیا نظام کون سا ہوگا اس کا فیصلہ تو کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ نیا نظام تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم مانیں یا نہ مانیں، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہم جانشین نظام کے لیے ہونے والی جدوجہد کے دور میں جی رہے ہیں۔ پیچیدگی کے مطالعے بتاتے ہیں کہ کسی قسم کی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے باوجود دنیا کے سامنے متبادلات واضح طور پر موجود ہیں اور ان کا خاکہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایک امکان یہ ہے کہ نئے مستحکم نظام میں موجودہ نظام کی بنیادی خصوصیات باقی رہیں گی۔ یعنی طبقاتی تقسیم، استحصال اور گروہ بندی سرمایہ داری کے علاوہ دیگر نظاموں میں پائی جاتی ہے۔ نیا نظام سرمایہ داری سے بھی بدتر ہو سکتا ہے۔ اس نظام کے منطقی متبادل جزوی جمہوریت اور جزوی مساوات پسندی ہیں۔ مساوات کہیں بھی موجود نہیں رہی، یہ صرف امکان ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ کسی بھی متبادل نظام کی ادارتی تفاصیل ڈیزائن کر سکے۔ اس قسم کا ڈیزائن نئے نظام کے آغاز سے خود بہ خود وجود میں آ جائے گا۔

امکان دو ہی ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے ہر دو امکانات کے لیے جدوجہد چل رہی ہے اور ۲۰۴۰ء تک یا زیادہ سے زیادہ ۲۰۵۰ء تک یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

ساختیاتی بحران کی سیاسی جدوجہدوں کی دو بنیادی خصوصیات ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ نظام کی نارمل فعالیت میں بنیادی تبدیلی آتی ہے۔ نارمل حالت میں نظام اپنے توازن کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس لیے یہ نارمل دور ہوتا ہے۔ لیکن ساختیاتی بحران میں تزلزل بہت وسیع اور مستقل ہوتا ہے اور نظام اپنے نقطہ توازن سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی ساختیاتی بحران ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نارمل دور میں انقلابات خواہ کتنے ہی انقلابی کیوں نہ ہوں، ان کا اثر محدود رہتا ہے۔ اس کے برعکس ساختیاتی بحران میں چھوٹی سی سماجی تحریک بھی بڑے بڑے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اسے ”تتلی کا اثر“ کہا جاتا ہے جس میں قدریت، جبریت پر غالب آ جاتی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ساختیاتی بحران کی دوسری سیاسی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی متبادل ایسی صلاحیت نہیں رکھتا کہ ایک چھوٹا سا گروہ مکمل قدرت رکھ سکے۔ کئی کھلاڑی ہوتے ہیں، مختلف مفادات ہوتے ہیں، ہر کوئی قلیل المدتی داؤ پیچ لڑاتا ہے اور ان کھلاڑیوں میں باہمی ربط کا حصول مشکل ہوتا ہے۔ مزید برآں، ہر گروہ کے لڑاکے اپنی توانائی اس کام میں صرف کرتے ہیں کہ ممکنہ حامیوں کے بڑے گروہ پر اپنے اعمال کی افادیت جتا کر انہیں قائل کر سکیں۔ انتشار صرف نظام میں نہیں، جانشین نظام کی جدوجہد بھی انتشاری ہوتی ہے۔

اس وقت ہم صرف یہی دیکھ سکتے ہیں کہ کون کون سی حکمت عملیاں اختیار کی جا رہی ہیں۔ سرمایہ داروں کا کیمپ بہت زیادہ منقسم ہے۔ اس کا ایک گروہ فوری اور طویل المدت جبر کا حامی ہے اور مخالفت کچلنے کے لیے مسلح فوجوں کے استعمال میں اپنے تمام وسائل استعمال کر رہا ہے۔ وہ ہر شے بدل دینا چاہتا ہے تاکہ کچھ بھی نہ بدلے۔ یہ گروہ ہمدردی، سبز سرمایہ داری، مساوات، انصاف، تنوع اور فراخ دلی کی باتیں کر رہا ہے۔ یہ تمام سبز باغ نئے نظام کے لیے دکھائے جا رہے ہیں۔

دوسرا گروہ بھی اسی طرح منقسم ہے۔ ان لوگوں کے داؤ پیچ اُس دنیا کے عکاس ہیں جو یہ گروہ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اسے بعض اوقات متوازیت بھی کہا جاتا ہے۔ عملی طور پر یہ گروہ متنوع پس منظر رکھنے والوں کے فوری مفادات میں اتفاق رائے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اصل میں یہ دنیا اور اس کی تحریک برائے متبادل کی عملی ادارتی صف بندی پیدا کرنے کی تلاش ہے۔

اس گروہ نے ''تہذیبی بحران'' پر بھی زور دیا ہے۔ تہذیبی بحران سے مراد یہ ہے کہ اقتصادی ترقی کا ہدف ترک کر دیا جائے اور اس کی جگہ سماجی اہداف کے معقول توازن کی جدوجہد کا ہدف اختیار کیا جائے تاکہ جمہوریت اور مساویت پسندی پیدا ہو سکے۔

ان گروہوں کے مقابلے میں منظم ہونے والے گروہ کا کہنا ہے کہ سیاسی طاقت کی جدوجہد کے لیے ایک قسم کی عمودی تنظیم لازمی ہے جس کے بغیر ناکامی ہوتی ہے۔ یہ گروہ موجودہ دنیا کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں نمایاں قلیل المدتی معاشی ترقی پر بھی زور دے رہا ہے تاکہ فوائد و ثمرات کی مساوی تقسیم ہو سکے۔

لہٰذا تصویر سادہ دو سمتی جدوجہد کی نہیں بلکہ چار گروہوں کے سیاسی اکھاڑے کی ہے۔ اور یہ ہر ایک کے لیے پریشان کن ہے۔ یہ پریشانی بیک وقت فکری، اخلاقی اور سیاسی ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے نتائج کی غیر یقینیت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

آخری بات یہ کہ اس قسم کی غیر یقینیت رائج الوقت نظام میں قلیل المدتی مسائل بڑھا دیتی ہے۔ یہ غیر یقینیت حوصلہ بخش بھی ہوتی ہے اور اپاہج کرنے والی بھی۔ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں اور یہ شعور بھی ہوتا ہے کہ اتنی زیادہ غیر یقینیت میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بات رائج الوقت نظام سے مستفید ہونے والے سرمایہ داروں اور اس کے استحصال کا شکار اکثریت دونوں کے لیے درست ہے۔

میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ موجودہ عالمی نظام جس میں ہم جی رہے ہیں جاری نہیں رہ سکتا کیوں کہ یہ اپنے نقطہ توازن سے بہت آگے نکل گیا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ سرمایہ داروں کے لیے ممکن نہیں رہا کہ لامحدود سرمایہ جمع کرنے کا عمل جاری رکھ سکیں۔ مظلومین کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ تاریخ ان کے ساتھ نہیں اور ان کی آیندہ نسلوں کو یہی دنیا وراثت میں ملے گی۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ کیا ہوگا لیکن اتنا یقین ضرور ہے کہ جو بھی ہوگا آنے والے تیس یا چالیس سالوں میں ہو جائے گا اور نیا مستحکم عالمی نظام یا کئی نظام قائم ہو جائیں گے۔ فی الوقت ہم تاریخی امکانات کا تجزیہ ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جو بھی نظام لانا چاہتے ہیں اس کے لیے سیاسی داؤ پیچ لڑانے اور جدوجہد کرنے کا یہی وقت ہے۔

تاریخ کسی کی طرف دار نہیں۔ ہم سب غلط فیصلہ کر سکتے ہیں۔ چوں کہ غیر یقینیت نظام کے اندر ہے، اس کے باہر نہیں اس لیے ہمارے پسندیدہ نظام کے آنے کا چانس ففٹی ففٹی ہے یعنی کوئی بھی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن ففٹی ففٹی بھی تھوڑا نہیں بہت زیادہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ مڈل کلاس کام کا خاتمہ: کوئی راہِ فرار نہیں بچی

رنڈل کولنز

سرمایہ داری کی ایک طویل المدتی ساختی کمزوری اب سامنے آ رہی ہے۔ لیبر کی جگہ مشینری آئی جس نے گذشتہ بیس برسوں میں کمپیوٹرائزیشن اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ تبدیلی بڑھتی جا رہی ہے اور مڈل کلاس کے وجود کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔ میری دلیل بالکل نئی نہیں۔ مارکس نے بھی ٹیکنالوجی کی تبدیلی کی بات کی تھی اگرچہ اس کی دلیل میں کئی دوسرے میکانزم مثلاً کاروباری چکر، منافع کی کم ہوتی شرح اور (نیو مارکسی مفروضات میں) فنانشلائزیشن اور فنانشل بحران وغیرہ شامل تھے۔ میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ لیبر کا ٹیکنالوجی سے تبادلہ اپنی حدوں کو پہنچ چکا ہے اور سرمایہ داری کے لیے طویل المدتی اور حتمی بحران پیدا کرے گا۔ یہ کام خود بہ خود سرمایہ داری کے اندر سے ہوگا۔ کاروباری چکروں کا وقت متعین نہیں ہوتا اور ان کا عروج و زوال بھی متغیر شدت والا ہوتا ہے۔ مالیاتی بحران حادثاتی ہو سکتا ہے اور درست پالیسی کے ذریعے اس سے بچا جا سکتا ہے۔ تو کیا ہوا۔ ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا ساختیاتی بحران مالیاتی بحرانوں اور چکروں سے ماورا ہوتا ہے۔ یہ سرمایہ داری کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ کئی قسم کے قلیل المدتی بحران آتے رہتے ہیں لیکن میری توجہ طویل المدتی ساختی تبدیلی پر ہے۔ میرے خیال میں یہ ساختی تبدیلی اگلے تیس تا پچاس برس میں سرمایہ داری کا خاتمہ کر دے گی۔

میں مارکس سے مستعار نتیجے کی اصلیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ آج کی عمرانیات اگر کسی چیز پر یقین رکھتی ہے تو وہ ہے دنیا کے کسی ایک پہلو کو کثیر عوامل، علل اور مناہج سے دیکھنا۔ عمرانیات میں ویبر، مارکس پر سبقت لے گیا ہے۔ ہم سب طبقہ، سیاست، کلچر اور صنف کی تشریح کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بعض موقعوں پر ساختیاتی بحران سے بڑھ کر طویل المدتی ساختیاتی تبدیلی کا مسئلہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ بحران کی حرکیات اور طویل المدتی ساختیاتی تبدیلی کے متعلق ایک تھیوری ہم سب متفقہ طور پر مانتے ہیں۔ یہ تھیوری مارکس اور اینگلز کی فکر کی سادہ ترین شکل ہے، وہ فکر جو ۱۸۴۰ء میں پیش کی گئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ واقعی سادہ ترین تھیوری ہے کیوں کہ اس میں قدر کی لیبر تھیوری نہیں، لیبر کے ذرائع پیداوار سے تعلق کا ذکر نہیں، پس شی بینگ سے اجنبیت کا تذکرہ نہیں۔ یہ کوئی مابعدالطبیعیاتی دعویٰ نہیں کرتی اور نہ ہی بحران کے اختتام پر حتمی آزادی کا وعدہ کرتی ہے۔ بحران کا ردِعمل سمجھنے کے لیے نئی قسم کی عمرانیات درکار ہے جو یہ بتائے کہ بحران کے بعد سیاست اور معیشت کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔ مزید برآں، اس تھیوری میں یہ بھی نہیں کہا گیا کہ معاشی بحران کے نتیجے میں ریاست فتح ہو جائے گی۔ یہ انقلاب کی تھیوری نہیں اگرچہ میں اس پر بھی بحث کروں گا کہ ماہرین عمرانیات نے انقلابوں کی وجوہات کے بارے میں کیا سیکھا ہے۔ اس تھیوری میں سوشل ازم کے مستقبل کے لیے عملی پہلو ہیں لیکن یہ سوشل ازم کی تھیوری بھی نہیں جو یہ بتائے کہ ماضی کی نسبت مستقبل میں سوشل ازم کیسے بہتر کام کرے گا۔ یہ تو بس بحران کی تھیوری ہے۔

ٹیکنالوجی کی تبدیلی وہ عمل ہے جس میں ساز وسامان اور اداروں میں اختراعات ہوتی ہیں اور اس طرح لیبر کی بچت ہوتی ہے۔ اس طرح کم سے کم ملازم کم سے کم قیمت پر زیادہ سے زیادہ پیداوار دے سکتے ہیں۔ مارکس اور اینگلز نے دلیل دی کہ سرمایہ دار ایک دوسرے کی مسابقت میں منافع بڑھانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ جو سرمایہ دار منافع نہیں بڑھا سکتے مارکیٹ انہیں باہر نکال دیتی ہے۔ لیکن جب لیبر بچانے والی مشینری استعمال کی جاتی ہے تو بے روزگاری بڑھتی ہے اور صارفین کی طلب کم ہو جاتی ہے۔ ٹیکنالوجی کثرت وفراوانی کا وعدہ کرتی ہے لیکن ممکنہ پراڈکٹ بیچی نہیں جاسکتی کیوں کہ اسے خرید سکنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ اس ساختیاتی رجحان کی وضاحت کرتے ہوئے مارکس اور اینگلز نے پیش گوئی کی کہ سرمایہ داری منہدم ہو جائے گی اور اس کی جگہ سوشل ازم آجائے گا۔

اس تھیوری کی تشکیل کے ۱۶۰ ربرس بعد بھی ایسا کیوں نہ ہو سکا؟ جہاں جہاں سوشلسٹ حکومتیں آئیں وہاں سرمایہ دارانہ معاشی بحران نہیں آیا تھا اور نہ ہی ان حکومتوں کے خاتمے پر کوئی بحران آیا۔ میرا خیال ہے کہ اس تھیوری میں سرمایہ داری کے یقینی بحران کے لیے ٹیکنالوجی کی تبدیلی پر توجہ نہیں دی گئی۔ مارکس اور اینگلز نے مزدوروں کی لیبر کی تبدیلی کی بات کی تھی لیکن وہ سفید کالر ملازموں، انتظامیہ اور کلرکوں اور تعلیم یافتہ پیشہ وروں کا بڑھتا ہوا طبقہ نہ دیکھ پائے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس تجزیے میں ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا عنصر شامل کیا جائے۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء تک مشینی عمل نے مینوئل لیبر تبدیل کی۔ ٹیکنالوجی کی جدید ترین لہر انتظامی مزدوروں کو تبدیل کر رہی ہے جس سے مڈل کلاس ختم ہو رہی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابلاغی ٹیکنالوجی ہے اور یہ کام مڈل کلاس کرتی ہے۔ مشینی عمل کے ساتھ روبوٹ کاری اور برقیت کاری بھی مل گئی ہے۔ مستقبل میں ہمیں ان بھدی اور بے کار اصطلاحات سے واسطہ پڑے گا۔

جب مشینوں کے استعمال سے مزدوروں کی کلاس سکڑی تو سرمایہ داری کو بچانے کے لیے مڈل کلاس کھڑی ہو چکی تھی۔ اب کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مائیکروالیکٹرونک آلات مڈل کلاس کو ختم کر رہے ہیں۔ کیا سرمایہ داری ٹیکنالوجی کی تبدیلی سے بچ پائے گی؟ ماضی میں سرمایہ داری نے ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے بحرانوں سے بچنے کے لیے فرار کے پانچ مختلف راستے اختیار کیے۔ میرا موقف یہ ہے کہ یہ پانچوں راستے بند ہو چکے ہیں۔

راہِ فرار اول: نئی ٹیکنالوجی ملازمتیں پیدا کرتی ہے

نئی ٹیکنالوجی کے متعلق امید پسندی بے کار اور غلط فہمی خیال کی جاتی ہے۔ ۱۸۱۱ء میں ٹیکنالوجی کے دشمنوں نے دست کاریاں تباہ کرنے والی مشینیں توڑیں تو انہیں اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ان کا نظامِ پیداوار فیکٹری سسٹم کو جنم دے رہا ہے جو صنعتوں کو وسعت دے گا، فیکٹری مزدوروں کی تعداد میں اضافہ کرے گا۔ بیسویں صدی کے وسط میں ڈویلپمنٹ تھیوری تشکیل پائی، اس تھیوری کے مطابق لیبر فطری طور پر تین مراحل سے گزرتی ہے: بنیادی (مثلاً کان کن)، ثانوی (مثلاً مینوفیکچرنگ مزدور) اور زائد لیبر مثلاً انتظامی اور خدمتی کام وغیرہ۔ لیکن ڈویلپمنٹ تھیوری تاریخ کے ایک مخصوص دور کی تجربی عمومیت تھی، اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ عمل ہمیشہ جاری رہے گا۔ آج کی ترقی یافتہ معیشتوں میں زرعی پیداوار کا صرف ایک فی صد ہے، مینوفیکچرنگ لیبر چالیس فی صد تک منتقل ہوئی۔ ٹیکنالوجی کی تبدیلی پوری معیشت کا رخ بدل سکتی ہے۔ اسی طرح انتظامی اور سروس لیبر میں بھی تخفیف ہوگی۔

سرمایہ دارانہ اختراعیت کا بہترین نظریہ ساز شومپٹر ہے۔ اس کے مطابق نئی مصنوعات منافع کا بڑا ذریعہ ہوتی ہیں۔ نئی مصنوعات مارکیٹ میں آتی ہیں تو پیداوار کے عوامل میں نئی حد بندیاں کرتی ہیں۔ اس عمل کو شومپٹر نے تخلیقی تباہی کا نام دیا ہے۔ اس کے باوجود شومپٹر سے متاثر ہونے والے معیشت دان کہتے ہیں کہ مصنوعات سے پیدا ہونے والی ملازمتیں پرانی مارکیٹ کی تباہی سے ختم ہونے والی ملازمتوں کا ازالہ کر دیں گی۔

ان نظریات میں سے کوئی بھی ابلاغی لیبر کی تبدیلی پر توجہ نہیں دیتا۔ ماضی میں یہ راہِ فرار تھی جس کے ذریعے ختم ہونے والی نوکریوں کی جگہ نئی نوکریاں پیدا کی گئیں۔ کہا گیا ہے کہ خودکاریت اور کمپیوٹرائزیشن کے ذریعے سے ٹیلی فون آپریٹر اور فائل کلرکوں کی نوکریاں ختم ہوئیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اتنی ہی تعداد میں سافٹ ویئر ڈویلپر، کمپیوٹر مکینک اور موبائل بیچنے والوں کے لیے نوکریاں پیدا ہوئیں۔ کسی نے بھی معقول نظری دلیل سے ثابت نہیں کیا کہ یہ تعداد برابر ہوتی ہے یا یہ کہ آن لائن شاپنگ کی خودکاریت کی وجہ سے سفید کالر لیبر فورس کا حجم کم کیوں نہیں ہوگا۔ اس وقت ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا عمل جاری ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں اسٹورز پر کاؤنٹر کلرکوں کی جگہ خودکار مشینوں نے لے لی ہے۔ اس سے لوئر مڈل کلاس کے سب سے بڑے شعبے میں نوکریوں کی تعداد کم ہوئی ہے۔ اعلیٰ مہارتی سطح پر پیشہ ور صحافی اخبارات کے بند ہونے یا ان میں ملازمین کی کمی کی وجہ سے بے روزگار ہو رہے ہیں۔ اخباری صنعت کا مقابلہ آن لائن خبروں سے ہے جسے صحافیوں اور شوقیہ لکھاریوں کی قلیل تعداد چلا رہی ہے جن میں سے زیادہ تر مفت کام کرتے ہیں۔ اگرچہ آئی ٹی نئی سرگرمیاں پیدا کرتی ہے لیکن اتنی تعداد میں نہیں جتنی تعداد میں ختم کرتی ہے۔ مختلف قسم کے بلاگ، صحافتی نوکری کا متبادل نہیں ہو سکتے۔

آئی ٹی کی پیدا کردہ اجرتی نوکریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ کہنا مناسب ہے کہ دنیا کی ستر فی صد سے زائد نوکریاں کمپیوٹر پروگرامنگ اور سافٹ ویئر ڈیزائننگ پر مشتمل ہوں گی؟ دھیان میں رہے کہ کمپیوٹرائزیشن ابھی جاری ہے لیکن اس کا عروج ابھی باقی ہے۔ اس میں پیچیدگی کے مراحل آئیں گے۔ مصنوعی ذہانت میں ذہنی کام انسانوں کی بجائے مشینیں کرتی ہیں۔ جب کمپیوٹر پراگرامنگ بھی خود کمپیوٹر ہی کرنے لگیں گے اور نئی نئی اپلیکیشنز خود ہی بنانے لگیں گے تو مڈل کلاس لیبر کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔ کمپیوٹر پروگرامرز کی نوکریاں فرار کا راستہ نہیں رہیں گی۔ کمپیوٹرائزیشن کی وجہ سے انسانی نوکریاں بتدریج ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

ترقی یافتہ معیشتوں مثلاً امریکا میں سروس سیکٹر کی نوکریاں لیبر فورس کا ۷۵ فی صد ہیں اور یہ صنعتی اور زرعی پیشوں کے زوال کا نتیجہ ہے۔ سروس سیکٹر خود آئی ٹی کی وجہ سے سکڑ رہا ہے اور آئی ٹی کا شعبہ محض پچیس برس پرانا ہے۔ سیلز کے شعبے میں نوکریاں آن لائن خریداری کی وجہ سے بڑی تیزی سے کمپیوٹر پر منتقل ہو چکی ہیں۔ ملازموں کی جگہ سکینر مشینوں نے لے لی ہے۔ مصنوعی ذہانت میں ترقی کے ساتھ انتظامی نوکریاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔ انسانوں کو کمپیوٹر اور مشینوں سے بدلنے کی کوئی اندرونی حد نہیں۔ انسانی کام کے خاتمے کا عمل جاری رہے گا۔ اگلے دس بیس سال تک نہیں ایک ہزار سال تک بھی جاری رہ سکتا ہے۔ یہ عمل صرف اسی وقت رکے گا جب کوئی خارجی تبدیلی سرمایہ دارانہ حرص وحسد کا خاتمہ کرے گی۔

برقی ٹیکنالوجی سیاست اور روزگار دونوں کو متاثر کرتی ہے۔ تصوراتی فلم دیکھنے والوں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ذہن میں یہ سوال کبھی نہیں آتا کہ روبوٹ اور کمپیوٹرز کے مالک کون ہیں؟ حقیقی دنیا میں اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے کمپیوٹر بڑے بڑے سرمایہ داروں کی ملکیت ہیں۔ آئی ٹی ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر دونوں سرمایہ دارانہ کاروبار ہیں۔ فیس بک، گوگل، ایمزون، ٹوئٹر وغیرہ خالص سرمایہ دارانہ کمپنیاں ہیں۔ ان میں تیزی سے جدت آتی ہے، مقابلہ سخت ہوتا ہے اور آخر میں صرف چند ایک کمپنیاں باقی رہ جاتی ہیں۔

آئی ٹی دور میں بھی ٹیکنالوجی کے دیگر ادوار کی طرح چند کمپنیوں کی اجارہ داری ہوگی۔ آئی ٹی کا شعبہ ابھی نیا نیا ہے اس لیے یہ واضح نہیں کہ اس کا انداز کیا ہوگا۔ فی الحال یہی نظر آتا ہے کہ ماضی کی ٹیکنالوجی کی نسبت آئی ٹی میں اجارہ داری بڑی تیزی سے قائم ہوگی۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی مختلف ہے۔ کمپیوٹرائزیشن صرف بڑی کمپنیوں میں نہیں ہوتی بلکہ لوگ بھی اسے استعمال کرتے اور اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ کمپیوٹر صرف سرمایہ داروں کے پاس نہیں سب کے پاس ہیں۔ یہ کہنا بالکل ایسے ہی جیسے یہ کہنا کہ گاڑیاں سرمایہ دارانہ ملکیت نہیں کیوں کہ سب کے پاس ذاتی گاڑیاں ہیں۔ سب کو گاڑی چلانے کی اجازت ہے، کوئی پچھلی نشست پر لیٹا رہے یا پاگلوں کی طرح سڑک پر دوڑاتا رہے۔ سرمایہ کاری کی کامیابی کی ایک وجہ یہ ہے بھی ہے کہ سرمایہ دارانہ مصنوعات کے لیے بڑا جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں کیا برائی ہے، مزے مل رہے ہیں تو لے لو۔ بات یہ ہے کہ ہیڈفون لگا کر گانے سننا، ویڈیو دیکھنا اور تصویریں اپلوڈ کرنا اس بات کا ثبوت نہیں کہ آپ برسرروزگار بھی ہیں۔ گاڑیوں کی مقبولیت محض صارفانہ لطف اندوزی نہیں تھی۔ اس صنعت نے کئی عشروں تک بہت اچھی تنخواہوں والی نوکریاں بڑی تعداد میں فراہم کیں۔ بعد ازاں، ٹیکنالوجی کی تبدیلی اور سرمایہ دارانہ پیش رفتوں کی بدولت گاڑیوں کے شعبے میں نوکریاں بہت محدود ہوگئیں۔ آج کی ذاتی الیکٹرانک اشیا جو لوگوں کی توجہ کا مرکز اور جوش و خروش کا ذریعہ ہیں، سرمایہ دارانہ بحران کو روک نہیں سکتیں کیوں کہ ان اشیا کے استعمال کرنے والوں کو نوکریاں نہیں ملیں گی۔ پھر یہ لوگ ان چیزوں کو خریدنے کے قابل نہ رہیں گے۔ یہ سرمایہ دارانہ ساختیاتی بحران کی شدید گہری شکل ہے۔

راہِ فرار دوم: مارکیٹوں کا جغرافیائی پھیلاؤ

ہم سمجھتے ہیں کہ مارکیٹوں کا پھیلنا گلوبلائزیشن ہے لیکن یہ گلوبلائزیشن کا مقداری پہلو ہے۔ ریاستی سرحدوں کے اندر بھی مارکیٹیں ان خطوں تک پھیل گئی تھیں جہاں پہلے پہل ان کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نام ونشان نہ تھا۔ اس لیے باہر سے کوئی نئی چیز آتی تو مقامی حالات منافع بخش ثابت ہوتے۔ جغرافیائی پھیلاؤ اور مصنوعاتی جدت مارکیٹ کی سرحدوں میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ متحرک مارکیٹ ہمیشہ کوئی نیا شوشہ چھوڑتی رہتی ہے، کبھی کلچر کا مرکز ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور کبھی پس ماندگی سے نکالنے کا۔ اس عمل کا لبرل ورژن ماڈرنائزیشن تھیوری یا ڈویلپمنٹ تھیوری ہے۔ اس تھیوری کے مطابق دنیا کا ہر خطہ سلسلہ وار ترقی کے مدارج طے کرتا ہے یہاں تک کہ ایک دن پوری دنیا مکمل ترقی کر جائے گی اور ساری معیشت سروس اکانومی بن جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل انڈیا اور چین میں نظر آ رہا ہے۔ تیسری دنیا کے یہ دونوں ملک جدیدیت کی شاہراہ پر دوڑ رہے ہیں۔

اس عمل کا نیو مارکسی ورژن نظام عالم تھیوری ہے۔ اس تھیوری کے مطابق سرمایہ دارانہ مارکیٹ کا پھیلاؤ عسکری اور سیاسی طاقت کے ذریعے ہوتا ہے۔ استعماری طاقت سرحدی ریاستوں کی لیبر یا خام مال کا استحصال کرتی ہے۔ نظام عالم تھیوری کے مطابق ایک کے بعد ایک استعمار آتا رہتا ہے جیسا کہ اسپین، ہالینڈ، برطانیہ، امریکا اور اب چین۔ یہ استعماری چکر بالآخر رک جائے گا کیوں کہ ریاستوں کا خام مال ختم ہو جائے گا اور دنیا کا ہر خطہ سرمایہ دارانہ مارکیٹ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اب کوئی حفاظتی راستہ نہیں رہا، استحصال کرنے کے لیے کچھ نہیں بچا، سرمایہ دارانہ منافع ختم ہو رہا ہے۔

نظام عالم تھیوری کی پیش گوئیاں خارج از بحث کرتے ہوئے میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مارکیٹوں کی گلوبلائزیشن مڈل کلاس نوکریوں کا خاتمہ کر رہی ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعے مزدور کہیں سے بھی بیٹھ کر اپنا کام کر سکتا ہے اور سفری سہولیات کی وجہ سے ماہرین اور پیشہ وروں کی نقل مکانی ذرا بھی مشکل نہیں رہی۔ اس سے لیبر ایک ہی طبقے میں ڈھل رہی ہے۔ انتظامی لاگتیں کم ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے تکنیکی نوکریاں بھی ختم ہو رہی ہیں۔ رابطہ بڑھتا ہے تو مقابلہ بھی بڑھتا ہے، مقابلہ بڑھتا ہے تو مڈل کلاس کی اجرتیں کم ہوتی ہیں۔ اعلیٰ سطح کے پیشہ وروں اور تکنیکی ماہرین کو پہلے سے کہیں زیادہ مسابقت کا سامنا ہے اور ان کا وجود انتہائی غیر یقینی ہے۔ اب قومی سرحدیں ان کی حفاظت نہیں کر سکیں گی۔

ماضی میں عالمی سطح پر نقل مکانی کی وجہ سے مینوفیکچرنگ مراکز کو سستی مزدوری ملی اور اب سروس اکانومی کے نچلے شعبوں کو مل رہی ہے، اس سے دولت مند اقوام کا مزدور طبقہ بے کار ہو رہا ہے۔ ابلاغی ٹیکنالوجی کے ذریعے ثقافتی سرمایے کے پھیلاؤ نے بھی مڈل کلاس کے خاتمے کا عمل تیز کر دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راہِ فرار سوم: فنانس مارکیٹ

پہلے مزدور طبقے کو مشینوں نے ختم کیا اور اب مڈل کلاس کو ٹیکنالوجی ختم کر رہی ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص سرمایہ دار بن چکا ہے؟ یہ دلیل اس لیے دی جاتی ہے کہ ملازمین کے پنشن فنڈ فنانشل مارکیٹ اور فنانشل سروسز میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

امریکا جیسے ملکوں میں جہاں گھروں کی ملکیت عام ہے، گھروں کی قیمتوں میں افراط کی وجہ سے گھر کی ملکیت کو سٹہ بازی کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ اور یہاں سے سرمایہ نکال کر شاہ خرچیوں میں اڑایا گیا۔ یہ مالیاتی طریقے حالیہ معاشی بحران کی قلیل المدتی وجہ بنے اور ۲۰۰۸ء کی کساد بازاری کی خاص وجہ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری موجودہ مشکلات سرمایہ داری کے خاتمے کا آغاز ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اس بحران سے نکل جائیں گے لیکن طویل المیعاد نقصانات سے نہ بچ پائیں گے۔ اس بحران پر بہت زیادہ بحث ہو چکی۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فنانشلائزیشن نے مڈل کلاس لیبر ختم کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کیا ہے۔

حالیہ فنانشل طریقے سرمایہ داری میں گہرے ساختیاتی رجحان کی مثال ہیں۔ فنانشل مارکیٹوں میں مارکیٹیں ایک دوسرے کے اوپر اہرام کی شکل میں ترتیب پاتی ہیں۔ جب سے سرمایہ داری خودکار ترقی کے مرحلے میں داخل ہوئی ہے، اس نے مادی اشیا اور خدمات کی مارکیٹوں کو فنانشل مارکیٹوں سے جوڑ دیا ہے۔ شومپٹر نے کہا تھا کہ مالیاتی سرمایہ داری قرضے کی رقوم کی بدولت چلتی ہے۔ جامد مارکیٹ محض موجودہ اسٹاک کو دوبارہ پیدا کرتی ہے اس لیے مستقبل کے بدلے قرض لے کر پیداوار کا بہاؤ قائم رکھا جاتا ہے۔ اس لیے بقول شومپٹر بینک سرمایہ دارانہ نظام کے ہیڈکوارٹرز ہیں جو نئی پیش رفتوں کے لیے تقسیم زر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ فنانسنگ اصلاً سٹہ بازی ہے اس لیے اس کا موجود مادی حقیقتوں سے تعلق بہت کم ہوتا ہے۔ حقیقی خرید و فروخت اور اشیا و خدمات کے لین دین کو فنانشل سسٹم میں کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیکھا جاتا ہے۔

فنانشل مارکیٹوں کی اہرامی ترتیب سے کیا مراد ہے؟ حقیقی سماجی عمل میں تمام زر مستقبل میں ادائیگی کا وعدہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا فنانشل ماہرین ادائیگی کے وعدے پر ادائیگی کا وعدہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس عمل کی کوئی حد نہیں۔ اعلیٰ سطح پر اتنی بڑی بڑی رقمیں تخلیق کر لی جاتی ہیں کہ ان رقموں کا حقیقی اشیا و خدمات سے موازنہ یا تبادلہ ناممکن ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہرامی فنانشل مارکیٹیں اعلیٰ درجہ کی معاشرتی تعمیر ہوتی ہیں۔ ویسے تو ہر چیز کسی نہ کسی لحاظ سے معاشرتی تعمیر ہے لیکن کچھ چیزوں کا مادی حقیقتوں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کی ایک خاص سماجی تعمیر ہوتی ہے جیسا کہ نپولین نے کہا تھا کہ مورال کا مادے سے وہی تعلق ہے جو تین کا ایک سے۔ بے شک نفری اور اسلحہ میں دشمن سے پانچ گنا زیادہ فوج ہمیشہ جیت جائے گی لیکن اس کے لیے سماجی پیوستگی لازمی شرط ہے۔ اہرامی فنانشل مارکیٹ میں فنانشل لین دین کا اصل زر سے وہی تعلق ہے جو سَو کا ایک سے۔

میرا موقف یہ ہے کہ فنانشل مارکیٹ جتنی زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے وہ اتنی ہی افسانوی، عارضی اور بحران کی زد میں ہوتی ہے۔ اس میں آنے والی تیزی اور مندی کا اصل معیشت سے بہت دور کا واسطہ ہوتا ہے۔ فنانشل مارکیٹ بہت بڑے غبارے کی طرح لچک دار ہوتی ہے جس میں جتنی مرضی ہوا بھر لیں۔ اس سے یہ تصور بن گیا ہے کہ ہر شخص فنانشل سرمایہ دار بن کر فنانشل مارکیٹ کا کھیل کھیل سکتا ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں فنانشل مارکیٹ میں شرکت بہت مقبول ہوئی ہے اور لوگوں نے اپنی پنشن اور گھر بار سٹہ بازی میں لگا دیے ہیں۔

یہ عمل کہاں تک جاری رہ سکتا ہے؟ کیا یہ سرمایہ داری کو بچا سکتا ہے؟ فنانشل مارکیٹ کی بخاراتی فطرت کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سفر بہت مشکل ہے۔ سٹہ بازی کے چکر اتنے عام ہیں کہ شومپٹر کے خیال میں یہ سرمایہ داری کی سرشت میں شامل ہیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سٹہ بازی کے رجحانات فنانشل مارکیٹ کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔ فنانشل بحران سرمایہ دارانہ درندے کی سرشت ہیں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ ہر مالیاتی بحران سے نجات مل جاتی ہے۔ تاہم اس کی کوئی نظری بنیاد نہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ جب فنانشل بحران مڈل کلاس لیبر کے خاتمے کے ساختی بحران اور ٹیکنالوجی کے بحران سے ملتا ہے تو لیبر فورس کا کیا بنتا ہے؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ کیا فنانشل مارکیٹ یعنی سٹہ بازی سے اتنی کمائی ہو جایا کرے گی کہ تنخواہوں اور اجرتوں کی ضرورت نہ رہے گی؟

یہاں پر دو امکانات ہیں۔ یا تو ہر شخص سرمایہ کاری کا منافع کھانے والا سرمایہ دار بن جائے گا یا فنانشل سیکٹر بذاتِ خود روزگار کا بڑا ذریعہ بن جائے گا یعنی تمام لیبر فنانشل لیبر میں بدل جائے گی۔ پہلے امکان کی بات کریں تو یہ تصور کرنا محال ہے کہ ہر شخص مالیاتی سرمایہ کار بن جائے گا۔ سرمایہ کاری شروع کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ رقم ضروری ہوتی ہے جسے سٹے میں لگایا جا سکے۔ جوا کھیلنے کے لیے کچھ تو چاہیے۔ چھوٹے سرمایہ کار اپنی تنخواہیں، بچتیں اور پنشن جوے پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگاتے ہیں لیکن ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے منظرنامے میں یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ابھی صرف نظری اندازے لگ رہے ہیں۔ مستقبل میں کیا ہوگا، یہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں۔ کیا یہ سوچنا معقول ہے کہ مستقبل میں جب ہر کام خودکار ہو جائے گا تو ہر انسان اپنی زندگی جوا کھیلنے میں گزارے گا؟ جوے میں ہر جواری ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اچھے بھلے حالات میں بھی جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور سٹہ بازی عام ہو تو اکثریت کنگال ہو جاتی ہے۔ تو پھر سٹہ کی مارکیٹ کے نکالے ہوئے جواریوں کو ملازمت کہاں ملے گی؟

فنانشل مارکیٹ اصلاً عدم مساوات پسند ہے۔ یہ دولت کو کم سے کم ہاتھوں میں مرتکز کرتی ہے۔ بڑے سٹہ بازوں کے پاس وسائل زیادہ ہوتے ہیں اس لیے وہ چھوٹے سٹہ بازوں کو ٹکنے نہیں دیتے اور بڑے بڑے منافع کما لیتے ہیں۔ فنانشل مارکیٹ کے بعض شعبے صرف بڑے کھلاڑیوں کے لیے مخصوص ہیں جہاں چھوٹے سرمایہ کاروں کا داخلہ قانوناً منع ہے۔

مستقبل کی خیالی جنت میں بڑے بڑے سرمایہ کار بہت امیر ہو جائیں گے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ چھوٹے سرمایہ کاروں کو بھی حصہ ملے گا تو کیا یہ پوری معیشت میں صارفیت قائم رکھنے کے لیے کافی ہوگا؟ کیا اس طرح سرمایہ داری چل سکے گی؟ اگر فنانشل مارکیٹیں اسی طرح کام کرتی رہیں تو سرمایہ داری کا چلنا ناممکن ہے۔

اب دوسرے امکان کی بات کرتے ہیں۔ ٹیکنالوجی میں تبدیلی کے عمل سے فنانشل سیکٹر میں نوکریاں پیدا ہونے کی توقع ہے۔ فنانشل مارکیٹ صرف دو صورتوں میں قائم رہ سکتی ہے: یا تو ہر شخص سرمایہ دار بن جائے یا ہر شخص فنانشل سیکٹر میں نوکری حاصل کر لے۔ ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے دوسری صورت بھی ممکن نہیں۔ ہمارے پاس یہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں کہ فنانشل مارکیٹ میں ٹیکنالوجی غالب نہیں آئے گی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آن لائن بینکنگ میں کلرکوں کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے اور بینک پہلے سے زیادہ رقوم کا لین دین کرنے کے باوجود ملازموں کی تعداد کم کر رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت دان کہتے ہیں کہ غیر ہنرمند مزدوروں کی جگہ ہنرمند مزدور آ جاتے ہیں۔ لیکن فنانشل پیشہ واریت کہاں تک جا سکتی ہے؟ یہ محض سرمایہ داری کا سہانا خواب ہے کہ مستقبل میں کسی کو کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا اور سب لوگ بس جواری بن کر رہیں گے۔ شاید مستقبل میں اس کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دے بھی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میری پیش گوئی ہے کہ وہ دن سرمایہ داری کی موت کا دن ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راہِ فرار چہارم: حکومتی روزگار اور سرمایہ کاری

اب ہم فرار کے ان راستوں کی بات کرتے ہیں جو سرمایہ داری کے اندر نہیں بلکہ خارجی نجات ہیں۔ ان میں نمایاں کینزین ویلفیئر ریاست کا تصور ہے۔ پچاس سال پہلے کہا جاتا تھا کہ سرمایہ داری کو ویلفیئر ریاست نے بچایا ہے۔ یعنی جب نظریاتی دایاں بازو خود کو بچانے کے قابل نہ رہا تو لبرل لیفٹ نے سرمایہ داری کو بچایا۔ کیا حکومتی اخراجات مڈل کلاس کو بچا سکیں گے؟

براہِ راست حکومتی بھرتیوں کی بڑی شکل مڈل کلاس انتظامی نوکریاں ہیں اس لیے ان نوکریوں کی خودکاریت حکومتی روزگار کا دائرہ محدود کر دے گی۔ کافی مضبوط سیاسی حکومت خودکاریت کی مزاحمت کر کے ان نوکریوں کو بچا سکتی ہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۷۰ء تک برطانوی مزدور انجمنوں اور سوشلسٹ سیاست دانوں نے اس قسم کی مشین دشمن پالیسی اختیار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن روزگار بچانے کی خاطر ٹیکنالوجی میں پس ماندہ رہنا غالباً حوصلہ شکن اور سیاسی طور پر ناقابل قبول پالیسی ہے: برطانیہ میں اسی قسم کی فضا نے تھیچرین ردِعمل کی راہ ہموار کی۔ ماضی میں اس کا دوسرا ورژن عسکری کینزین ازم رہا ہے یعنی مسلح افواج میں نوکریاں پیدا کرنا اور عسکری پیداوار کے ذریعے معیشت کو سہارا دینا۔ لیکن دورِ حاضر کی افواج جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس ہیں، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، سٹیلائٹ، سنسر، ڈرون اور ریموٹ کنٹرول اسلحہ کی وجہ سے فوجی دستوں کا حجم کم ہو گیا ہے۔ روبوٹ انڈسٹری کی لیڈر فوج ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ عالمی جنگ جیسی فوجی نقل وحرکت بھی بڑی تعداد میں نوکریاں پیدا نہیں کرے گی۔

براہِ راست حکومتی روزگار کے علاوہ حکومتی خرچ بھی پسندیدہ کام ہے۔ زیادہ تر حکومتیں مادی انفراسٹرکچر یعنی سڑکوں، پلوں، ہوائی اڈوں، توانائی اور نام نہاد انفارمیشن ہائی ویز کی تعمیر میں سرمایہ کاری کرتی ہیں۔ لیکن ان شعبوں میں بھی کمپیوٹرائزیشن اور خودکاریت ہو چکی ہے۔ بے روزگاری کے مسئلے سے نبٹنے کے لیے حکومتیں نجی شعبے میں بھی سرمایہ کاری کرتی ہیں۔ اس قسم کی سرمایہ کاری کرتے ہوئے حکومتیں خود کو سرمایہ دار یا سرمایہ داری کا نگران تصور کرتی ہیں۔ ان کا ہدف مزدوری کی لاگت کم کرنا ہوتا ہے لہٰذا روزگار خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔

مارکیٹ میں مداخلت کا دوسرا ورژن نجی مارکیٹ کی ریگولیشن ہے جس میں ہفتہ وار کام کا دورانیہ کم کر کے نوکریوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی پالیسیاں یورپی ریاستوں نے وسیع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیمانے پر استعمال کی ہیں لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سوائے اس کے کہ ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا عمل سست رہا۔ مجموعی طور پر اس قسم کی پالیسیاں موجودہ ملازمین کا تحفظ کرتی ہیں لیکن نوجوان نوکریوں سے محروم رہتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ حکومت جان بوجھ کر نوجوانوں کی بڑی تعداد بھرتی کر لیتی ہے۔ یہ کام بہت کم کیا گیا البتہ فوجی بھرتیاں کثرت سے کی گئیں۔ اس کے مضر اثرات آگے بیان کروں گا۔

اصولی طور پر سیاسی پالیسیاں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ اس کے لیے سیاسی کلچر اور سیاسی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اگر ریاست مڈل کلاس کو بچانا چاہتی ہے تو اس کے لیے سیاسی کلچر فروغ دینے میں بہت وقت لگے گا۔ مخلوط لبرل حکومتی پالیسیاں نجی شعبے کے ذریعے سرمایہ داری کی عمر بڑھا سکتی ہیں لیکن ان کی مدد سے ٹیکنالوجی کے تبادلے کا مسئلہ حل نہیں ہوگا کیوں کہ نجی شعبہ منافع سازی کی بنیاد پر چلتا ہے۔

آج امریکا میں بے روزگاری کی شرح دس فی صد ہے جس میں معمولی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن کمپیوٹرائزیشن کی وجہ سے مستقبل میں یہ شرح پچاس فی صد بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بہت بڑا روزگار بحران پیدا ہوگا اور منتخب حکومتیں ویلفیئر ریاست کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اس راستے کی مشکلات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کیوں کہ موجودہ سیاسی فضا میں یہ مشکلات نظر آ رہی ہیں۔ ٹیکس مخالف تحریک چل رہی ہے جو آگے چل کر مزید مضبوط ہوگی کیوں کہ چھوٹے کاروباری افراد انٹرنیٹ کی وجہ سے سخت مقابلے کا شکار ہیں۔ یہ تحریک حکومتوں کو روزگار ختم کرنے پر مجبور کرے گی اور نظاماتی بحران میں اپنا کردار ادا کرے گی۔ دوسری طرف بے روزگار اور برسرروزگار ووٹروں کی طرف سے مطالبات میں اضافہ ہو رہا ہے کیوں کہ اب ووٹر تعلیم یافتہ اور متحرک ہیں۔

مختلف متضاد قوتیں عمل پیرا ہیں۔ کون سی جیتے گی اور کس حد تک؟ آزاد مارکیٹ والی سرمایہ داری کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ سیدھی بحران کی طرف جائے گی۔ اس کی پسندیدہ اصلاحات ٹیکسوں میں کمی اور حکومتی پابندیاں ہیں جو سرمایہ داروں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اس سے ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ مالیاتی بحران اور دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ویلفیئر ریاست کی حامی قوتیں اصولی طور پر بے روزگاری کا حل تلاش کر سکتی ہیں لیکن ان میں بجٹ کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ریاست فلاحی کاموں میں خرچ کرتی ہے اور مالیاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مارکیٹ کے دباؤ میں آ جاتی ہے، کرنسی کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ویلفیئر ریاست بھی الجھن کا شکار ہو جاتی ہے۔ گہری ساختیاتی الجھن میں گرفتار ریاست نظام کے انہدام کی طرف بڑھتی ہے۔ ریاست کا مالیاتی بحران نظام کے انہدام کا بڑا جزو ہے۔ اس کے دو دیگر اجزا بھی ہیں۔ ایک یہ کہ ریاستی اشرافیہ مسائل کے حل پر متفق نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ باہر سے انقلابی تحریک متحرک ہو جاتی ہے۔ ریاستی اشرافیہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک گروہ فنانشل مارکیٹ کا حامی ہوتا ہے اور دوسرا گروہ مساوات اور روزگار کی فراہمی پر زور دیتا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں مخالفت بڑھتی جاتی ہے۔ فی الحال یہ مخالفت اتنی زیادہ نہیں لیکن جب بے روزگاری بڑھے گی اور بحران آئے گا تو ریاست کے مکمل انہدام کے امکان قوی ہوں گے۔ اس موقع پر ملکیتی نظام کا انہدام مناسب ترین حل نظر آئے گا جس میں مالیاتی نظام کا کنٹرول سنبھال لیا جائے گا تاکہ یہ حکومت کی کرنسی تباہ نہ کر سکے۔ سرمایہ داری کا کوئی خاص وصف نہیں بلکہ اس کی اداراتی شکل تباہ ہو جائے گی۔

راہِ فرار پنجم: تعلیمی اہلیتوں میں افراط

تعلیمی افراط سے مراد ملازمت کے لیے تعلیمی اہلیتوں میں اضافہ ہے، جب آبادی کا ایک بڑا حصہ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے۔ جب کسی ڈپلومہ یا ڈگری کے حاملین زیادہ ہوں تو اس کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ وقت تعلیمی اداروں میں گزارنے لگتے ہیں۔ امریکا میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہائی اسکول (بارہ سالہ تعلیم) ڈپلومہ ہولڈرز نہ ہونے کے برابر تھے، اب ہائی اسکول ڈپلومہ والے اتنے زیادہ ہیں کہ ملازمت کے حوالے سے اس ڈپلومہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ نوجوانوں کا ساٹھ فی صد یونی ورسٹی کی تعلیم حاصل کر رہا ہے لہٰذا یونی ورسٹی کی ڈگریوں کا حشر بھی ثانوی اسکول سرٹیفکیٹ جیسا ہو گا۔ یہ ایک عالمی رجحان ہے، جنوبی کوریا میں طالب علموں کا اسّی فی صد اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ افراطی ڈگری کی حیثیت یہی رہ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے مزید ڈگری حاصل کی جائے۔ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے اور بہت جلد اس حال کو پہنچ جائے گا کہ لوگ تیس چالیس برس کی عمر تک تعلیمی اداروں میں خوار ہوتے رہیں گے۔ اس سے آبادی کی اکثریت متاثر ہو گی۔ مختلف ملکوں میں تعلیمی افراط کی شرح مختلف ہے لیکن ۱۹۵۰ء کے بعد سے تمام ملک اسی راستے پر چل رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیمی ڈگریاں سماجی عزت کی کرنسی ہوتی ہیں، یہ نوکری خریدنے کا ذریعہ ہیں۔ تمام دوسری کرنسیوں کی طرح اس کرنسی میں بھی افراط ہوتا ہے یعنی اس کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اعلیٰ ڈگری بھی نوکری کے حصول کے لیے ناکافی ہو گی۔ تعلیمی افراط خود بہ خود بڑھتا ہے۔ ڈگری حاصل کرنے کا خواہش مند سوچتا ہے کہ ڈگری کی قدر و قیمت میں اضافے کا طریقہ یہ ہے کہ مزید تعلیم حاصل کی جائے۔ جب زیادہ سے زیادہ افراد اعلیٰ ڈگریوں کے حامل ہوتے ہیں تو نوکریوں کے لیے مقابلہ سخت ہو جاتا ہے اور نوکریاں دینے والے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری مانگنے لگتے ہیں۔ اس سے مزید تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ اس سے مقابلہ مزید سخت ہوتا ہے اور آجروں کا مطالبہ مزید بڑھ جاتا ہے۔

افراط کے اس مجموعی عمل میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ آمدن کا زیادہ حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کی وجوہات یہ ہیں: جب ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے تو یہ لوگ محفوظ رہتے ہیں کیوں کہ پہلے نچلی سطح کے لوگ بے روزگار ہوتے ہیں۔ جب مقابلہ سخت ہوتا ہے تو اوسط درجے کے طالب علم اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکتے اس لیے سال ہا سال تعلیم کے حصول میں لگانے کے باوجود بھی اچھی نوکری حاصل نہیں کر سکتے۔ طالب علموں کے گریڈ بڑھتے جاتے ہیں لیکن نوکری میں ترقی کے امکانات کم ہوتے جاتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کی وسعت نے نوجوانوں کو معیار سے بے گانہ کر دیا ہے۔ پچاس کی دہائی میں جب نوجوانوں کو نوکریاں دینے کی بجائے مزید تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے گینگ بنا لیے اور اسکول دشمن ہو گئے۔ اب نوجوانوں کی باغی ذہنیت عام ہے۔ آجروں کو شکایت ہے کہ سروس سیکٹر کے نچلے شعبے میں نشستیں پُر کرنے کے لیے قابلِ اعتماد اور سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد نہیں ملتے۔ لیکن اسے اسکول کی تعلیم کی ناکامی کہنا مناسب نہیں۔ گاہکوں سے شائستگی سے بات کرنے یا درست پتے پر چیزیں پہنچانے کے لیے ریاضی یا سائنس کا علم آنا ضروری نہیں۔

اسکول کا نظام طالب علموں کو بتاتا ہے کہ انہیں اعلیٰ نوکریوں کے لیے تیار کیا جا رہا ہے لیکن ان کی اکثریت محنت مشقت والی نوکریاں کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ بیس فی صد طالب علم اعلیٰ نوکریاں حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا اکثریت کا نوکری سے متنفر ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں۔

اگرچہ تعلیمی افراط بنیادی طور پر تعلیمی وسعت کا نتیجہ ہے لیکن اس بات کا شعور نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے دیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ نوکریوں کے لیے ٹیکنیکل مہارتوں میں اضافے کی وجہ سے غیر ہنر مند مزدور بے روزگار ہو جاتا ہے اور آج اعلیٰ مہارتوں والی نوکریاں تعلیمی درجات میں اضافے کا سبب ہیں۔ میں نے تیس برس پہلے (۱۹۷۹ء) میں ثبوت اکٹھے کیے تھے کہ ٹیکنالوجی کی تبدیلی تعلیمی اہلیتوں میں اضافے کا سبب نہیں۔ تعلیم کا نصاب عام طور پر تکنیکی ضروریات مدنظر رکھ کر نہیں بنایا جاتا۔ ٹیکنالوجی کی مہارتیں اور خاص طور پر اعلیٰ مہارتیں نوکری کرتے ہوئے یا تعلیمی اداروں سے باہر حاصل کی جاتی ہیں۔ ۲۰۰۲ء اور ۲۰۱۱ء میں بھی یہی نتائج سامنے آئے۔ یہ بات درست ہے کہ نوکریوں کی تھوڑی سی تعداد سائنسی اور فنی تکنیکی تعلیم سے مستفید ہوتی ہے لیکن تعلیمی وسعت کی وجہ یہ بات نہیں۔ یہ بات غیر معقول ہے کہ مستقبل میں اکثر لوگ سائنس دان یا ٹیکنیشن ہوں گے۔ امیر ملکوں میں نوکریوں کی بڑی تعداد کم مہارتوں والی خدمات پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اس شعبے میں خودکاریت مہنگی اور انسانی مزدوری سستی پڑتی ہے۔ اس وقت امریکی معیشت میں سب سے زیادہ ترقی ٹیٹو پارلرز میں ہو رہی ہے۔ یہ شعبہ کم تعلیم، کم وسائل اور کم آمدنی والا ہے اس لیے کارپوریٹ کنٹرول سے محفوظ اور مین سٹریم کلچر سے اجنبیت کی نشانیاں بیچ رہا ہے۔

تعلیمی افراط میں پھیلاؤ کی بنیاد یہ غلط تصور ہے کہ زیادہ تعلیم سے مواقع کی زیادہ مساویت پیدا ہوگی، کارکردگی بڑھے گی اور نوکریاں زیادہ اچھی ہوں گی۔ تاہم یہ غلط نظریہ بھی مڈل کلاس کی ٹیکنالوجی سے تبدیلی کے مسئلے کا تھوڑا بہت حل دیتا ہے۔ تعلیمی افراط کے نتیجے میں لوگوں کی بڑی تعداد پڑھائی میں لگی رہتی ہے اس لیے لیبر فورس کا دباؤ نہیں بڑھتا اور اگر طالب علموں کو آسان قرضے دیے جائیں تو اس سے ادائیگیوں کی خفیہ منتقلی ہوتی ہے (یعنی قیمت دوسروں کے کھاتے میں پڑ جاتی ہے)۔ وہ ریاستیں جہاں ویلفیئر سٹیٹ نظریاتی طور پر غیر معروف ہے وہاں تعلیم کی دیومالا ویلفیئر ریاست کے تصور کو فروغ دیتی ہے۔ اگر ایلیمنٹری، سیکنڈری اور ہائیر ایجوکیشن کے لاکھوں اساتذہ اور ان کے انتظامی اسٹاف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی افراط کا پوشیدہ کینزین ازم سرمایہ دارانہ ریاست کا مضبوط سہارا بنا ہوا ہے۔

جب تک تعلیمی نظام کو مالیاتی سہارا دیا جاتا رہے گا، کینزین ازم پوشیدہ طور پر اپنا کام کرتا رہے گا۔ تعلیمی وسعت، کینزین معاشی پالیسیوں کی واحد جائز شکل مانی جاتی ہے اور ظاہراً اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسے ہائی ٹیکنالوجی کے نعرے کے ذریعے فروغ دیا جاتا ہے یعنی کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے کہ ٹیکنالوجی کے لیے زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک لحاظ سے یہ بات درست بھی ہے۔ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے عمل سے مزدور بے کار ہو جاتے ہیں اور تعلیمی اداروں میں زیادہ عرصہ گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن یہ حقیقت کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔جب تک بے کار ہونے والے مزدوروں کو طالب علموں میں بدلا جاتا رہے گا، تب تک یہ نظام چلتا رہے گا۔

اصل مسئلہ اخراجات کا ہے۔تعلیم کی ادائیگیاں دو طرح سے ہوتی ہیں: حکومت اخراجات برداشت کرتی ہے یا نجی طور پر ادائیگی ہوتی ہے۔معاشی بدحالی کے دنوں میں دونوں طریقے دباؤ میں آ جاتے ہیں۔۲۰۱۰ء میں امریکا اور بہت سے دیگر ملکوں میں حکومتی تعلیمی بجٹ اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ اس کے خلاف تحریکیں شروع گئیں جنھوں نے تعلیمی بجٹ کم کرنے کا مطالبہ کیا۔مثلاً چلی میں پچاس فی صد نوجوان یونی ورسٹی کے طالب علم ہیں۔چلی میں منظم طلبہ تحریک سب کے لیے مفت یونی ورسٹی تعلیم کا مطالبہ کر رہی ہے اور تعلیمی ادارے اور ٹیکس دہندگان اعلیٰ تعلیم کی نج کاری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔فرانس اور دیگر ملکوں میں بھی یہی مسائل ہیں۔امریکا میں اعلیٰ تعلیم کے اخراجات کا زیادہ حصہ طالب علم خود برداشت کرتے ہیں اس لیے یہاں طالب علموں کو قرضے فراہم کرنے کا مطالبہ شدت پکڑ رہا ہے۔اگر تعلیمی افراط اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور تبدیلی کے دونوں رجحانات کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہے کہ آنے والے بیس برسوں میں تعلیمی افراط اتنا بڑھ جائے گا اور تعلیم اتنی مہنگی ہو جائے گی کہ نظام یہ بوجھ برداشت نہ کر پائے گا۔

اب حکومت شعبۂ تعلیم پر زرِ کثیر صرف کرتی ہے۔مستقبل میں تعلیم پر حکومتی اخراجات کم ہو جائیں گے۔تعلیم کے مہنگا ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی نج کاری کے لیے دباؤ بڑھ رہا ہے۔تعلیم کا بوجھ والدین یا طالب علموں پر ڈالا جا رہا ہے۔اور صورت حال یہ ہے کہ مڈل کلاس ختم ہو رہی ہے یعنی اس کی آمدن ختم ہو رہی ہے۔۲۰۱۲ء میں امریکا وسیع پیمانے پر اشتہار بازی کی گئی کہ کون کون سی ڈگریاں حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ ان کے ذریعے آپ کو کوئی ڈگری نہیں ملے گی۔

انفرادی حل تو یہ ہے کہ طالب علم تعلیمی مقابلے سے باہر ہو جائے لیکن نوجوان کی بڑی تعداد ووکیشنل ٹریننگ کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ ووکیشنل ٹریننگ میں بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ بڑھ جائے گا اور یہ ڈگریاں بھی بے کار ہو جائیں گی۔ فی الحال یہ تنازعہ چل رہا ہے کہ ویکیشنل ڈگری نوکری کے حصول میں زیادہ مدد نہیں دیتی اس لیے ان ڈگریوں کے لیے حکومتی قرضے ختم کیے جائیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تعلیمی ڈگریوں کا افراط بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔

ایک بار پھر انفارمیشن ٹیکنالوجی کو ایک حل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یونی ورسٹی کی ڈگریاں آن لائن ہو رہی ہیں۔ یہ آن لائن ڈگریاں بہت سستی ہیں یا بالکل مفت ہیں۔ دونوں طریقوں سے تعلیمی افراط کم نہیں بلکہ زیادہ ہو گا۔ المیہ یہ ہے کہ تعلیم سستی کرنے کی کوشش میں تعلیمی شعبے میں روزگار کم ہو گیا ہے۔ ٹیکنالوجی کی وجہ سے زیادہ اساتذہ کی ضرورت نہیں رہی۔

سرمایہ دارانہ بحران سے فرار کے پانچوں راستوں میں سے مسلسل تعلیمی افراط کا راستہ مجھے زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ وسعت پذیر تعلیمی نظام میں افراط بذات خود تعلیمی نظام کے بحران کی وجہ بن جائے گا۔ ضروری نہیں کہ یہ حتمی ہو۔

شاید تعلیم کے ذریعے نجات کا سیکولر عقیدہ بار بار زندہ ہوتا رہے۔ اگر اس عقیدے کو حکومت نے قائم رکھا تو یہ تعلیم کے نام پر سوشل ازم ہو گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ لبرل حکومتیں تعلیمی نظام کی وسعت جاری رکھیں گی تا کہ بے روزگاروں کی تعداد پر قابو پایا جا سکے۔ لیکن اس طرح کی حکومت انقلابی طور پر سرمایہ داری سے منحرف کر دے گی۔

مکمل بحران کب ہو گا؟

مڈل کلاس کی کمپیوٹرائزیشن بڑی تیزی سے ہو رہی ہے۔ مڈل کلاس لیبر کی ٹیکنالوجی سے تبدیلی کا عمل بیس سال قبل شروع ہوا جب کہ مزدور طبقہ تباہ کرنے میں دو سو سال لگے۔

مستقبل میں سرمایہ دارانہ بحران کے وقت کا اندازہ ورلڈ سسٹم تھیوری کے ذریعے کیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ عالمی نظام پر ابتدائی تحریروں میں والرسٹائن اور اس کے ساتھیوں نے نظام کے طویل چکروں کا مفروضہ ماڈل پیش کیا۔ نظام عالم کے مرکزی علاقے اپنی وسعت کے دور میں پس ماندہ علاقوں سے وسائل نکالتے ہیں۔ مختلف چھوٹی چھوٹی طاقتیں مضبوط ہو کر استعماری طاقت سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ مقابلے کی اس فضا میں منافع کی شرح کم ہو جاتی ہے۔ نیا استعمار وسعت اور منافع کے نئے مواقع پیدا کرتا ہے۔ تاہم اس عمل کی شرط یہ ہے کہ کچھ بیرونی علاقے موجود ہوں جن کا استحصال کر کے انہیں نظام کے اندر لایا جا سکے۔

جب تمام بیرونی علاقے ختم ہو جائیں اور استحصال کرنے کے لیے کوئی خطہ موجود نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے تو منافع کمانے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں بچتا۔ نظام عالم دائروی بحران کے بجائے حتمی بحران کا شکار ہونے لگتا ہے۔

گذشتہ نظاموں کے مطالعہ کی بنیاد پر والرسٹائن کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا بحران ۲۰۳۰ء سے ۲۰۴۵ء تک ہو جائے گا۔ میرا تجزیہ ٹیکنالوجی کی تبدیلی اور بے روزگاری کی شرحِ کی بنیاد پر ہے۔ دس فی صد کی شرح تکلیف دہ اور پچیس فی صد بہت بڑی مصیبت ہے تاہم ماضی میں اس پر قابو پالیا گیا تھا۔ لیکن جب بے روزگاری کی شرح پچاس یا ستر فی صد ہو جائے تو سرمایہ دارانہ نظام جاری نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ بے روزگاری اتنی زیادہ نہیں ہوسکتی تو ہمیں دوبارہ غور کر لینا چاہیے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ گذشتہ پندرہ برسوں میں ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا عمل بہت تیز ہو گیا ہے۔ ۲۰۴۰ء تک بے روزگاری کی شرح پچاس فی صد ہو جائے گی اور اس کے تھوڑے ہی سالوں بعد ستر فی صد بھی ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے وسط تک سرمایہ داری کے حتمی بحران کے اندازے درست ہیں۔

سرمایہ داری مخالف انقلاب: امن پسند یا متشدد؟

کیا خود کاریت اور کمپیوٹرائزیشن کے نتیجے میں انقلاب کی توقع کی جاسکتی ہے؟

اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم معاشی بحران کی بجائے انقلاب کی تھیوری کا مطالعہ کریں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سے انقلاب کی تھیوری میں انقلاب آ چکا ہے۔ محققین نے ریاستی اقتدار کے عروج و زوال پر تحقیق کرتے ہوئے ریاست کے انہدام کی تھیوری وضع کی ہے۔ کامیاب انقلاب کا انحصار اس بات پر ہے کہ اعلیٰ سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ غریب عوام غیر متاثر رہتی ہے۔ انقلاب کے اہم اجزائے ترکیبی یہ ہیں:

ریاست کا مالیاتی بحران: اس میں ریاست اپنے واجبات ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سکیورٹی فورسز، فوج اور پولیس کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتی۔

ریاستی بحران کے حل میں اختلافات: مالیاتی بحران اس وقت مہلک ہو جاتا ہے جب مقتدر طبقے میں اختلاف ہو کہ اس بحران کو کیسے حل کیا جائے۔

مالیاتی بحران عام طور پر عسکری اخراجات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اگر فوج کو شکست ہو تو مقتدر طبقہ کئی گروہوں میں بٹ جاتا ہے۔ حکومت کا جواز ختم ہو جاتا ہے اور ریفارمز لانے کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔ مقتدر طبقہ میں اختلافات ریاست کو اپاہج کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں اور انقلابی مقاصد کے ساتھ نئے اتحاد تشکیل پاتے ہیں۔ طاقت کا یہ خلا انقلاب کے لیے سنہری موقع ہوتا ہے۔ ان حالات میں سماجی تحریک بڑی کامیابی سے چلائی جاسکتی ہے۔ عام تاثر یہی ہے کہ یہ تحریکیں غریب عوام پر کیے جانے والے مظالم کا نتیجہ ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپر مڈل کلاس کے گروہ منظم انداز میں اپنے وسائل استعمال کر کے تحریک برپا کرتے ہیں۔ تحریک کی انقلابیت کا دارومدار نظریاتی اور جذباتی تحرکات پر ہوتا ہے۔ تاہم اس عمل کی مکمل وضاحت ابھی تک نہیں کی گئی۔

تاریخ میں جتنے بھی انقلاب آئے وہ سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کے معاشی بحران کی وجہ سے نہیں آئے بلکہ ان کی وجہ حکومتی بحران تھا۔ حکومتی بجٹ کا اہم جزو مالیاتی بحران ہے لیکن عام طور پر اس کا پوری معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں انقلابات آتے رہیں گے۔ معاشی بحران کی نسبت ریاستی بحران زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس صورتِ حال کو ٹیکنالوجی کے تبادلے کے تناظر میں دیکھیں تو کیا ہوگا؟

کئی باتیں ممکن ہیں۔ خاص ریاستوں میں انقلاب آسکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ریاستوں میں ایسا ہو۔ یا ان ریاستوں میں انقلاب آنے کی امید ہے جہاں ریاستی پالیسیاں ٹیکنالوجی کا عمل نظر انداز کر رہی ہیں۔ سرمایہ داری مخالف رجحان رکھنے والی ریاستوں میں انقلاب آسکتا ہے۔

تاریخ میں کئی عمل بیک وقت ہو رہے ہوتے ہیں اس لیے مستقبل کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ شاید مستقبل میں عالمی سطح پر سرمایہ داری مخالف انقلاب آئے۔ اگر ریاستی انہدام، عسکری شکست اور ٹیکنالوجی کی ترقی تینوں مل گئے تو ایسا ہونا عین ممکن ہے۔

سرمایہ داری کا بحران ردِعمل پیدا کرے گا۔ سیاسی طور پر متحرک لوگوں کو اس بحران سے نبٹنا پڑے گا۔ اس کا ایک امکان تو یہ ہے ریاست کے وجود کا جواز ختم ہو جائے گا اور ریاست خود ہی ناکام ہو جائے گی۔ منظم تشدد پر اجارہ داری ختم ہو جائے گی کیونکہ پولیس اور فوج منظم اور مربوط نہ رہے گی۔ اس لیے تشدد میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے اور کمی بھی۔ فرنچ انقلاب میں شدید بحران کے لمحات میں نسبتاً کم تشدد ہوا تھا کیوں کہ جب حکومت ختم ہوئی تو مروجہ نظام کا اقتدار سنبھالنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ تھا لہٰذا نئی پارلیمنٹ تشکیل پا گئی۔ اسی طرح روس میں ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں چند دن تشدد کا سلسلہ جاری رہا اور زارِ روس کا اقتدار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ ان دونوں واقعات سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ انقلابی حکومت بعد میں مسائل کا شکار ہوتی ہے کیوں کہ اسے اقتدار مضبوط کرنا ہوتا ہے اور سابقہ حکومتی طاقتیں مخالفت کر رہی ہوتی ہیں اسی لیے انقلابی تبدیلی کے بعد ہونے والا تشدد دورانِ انقلاب تشدد سے زیادہ ہوتا ہے۔ انقلابی لمحات کو اس کے مابعد سے الگ کر دیا جائے تو ریاست کے انہدام کا انقلابی عمل متشدد نہیں رہتا۔

سیاسی عمرانیات میں ابھی تک اس مسئلے پر ابھی کوئی بحث نہیں کی گئی کہ مابعد انقلابی حکومتی تشکیل کن حالات میں متشدد یا پرامن ہوتی ہے۔ فی الحال ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں انقلاب کے دوران یا انقلاب کے بعد جتنا تشدد ہوا ہے وہی سرمایہ داری کے حتمی بحران کے بعد بھی ممکن ہے۔ خطرناک ترین امکان یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ مخالف انقلاب فاشسٹ انداز اختیار کر جائے گا یعنی مقبول عام تحریکوں کا حمایت یافتہ تحکمانہ اقتدار سرمایہ داری کو بچانے کے لیے اقتدار کی تقسیم نو کرے گا تاکہ بے روزگار آبادی کو زندہ رکھا جا سکے لیکن لوگوں پر مسلسل سخت نگرانی بھی رکھے گا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ فاشسٹ کوشش کس حد تک کامیاب ہو گی۔ اس کے مقابلے میں جمہوریت کا امکان ہے۔ والرسٹائن کا اندازہ ہے کہ ہر نظام کا چانس ففٹی ففٹی ہے۔

دیگر موزوں متبادل بھی متوقع ہے یعنی سرمایہ دارانہ نظام سے غیر سرمایہ دارانہ نظام کی طرف اداراتی تبدیلی۔ اس قسم کا اداراتی انقلاب پرامن سیاسی عمل سے آ سکتا ہے۔ اگر سرمایہ داری کا بحران بہت شدید ہوا، بہت بڑی آبادی ساختیاتی بے روزگاری کا شکار ہوئی، آمدن پیدا کرنے والے کام کمپیوٹر اور روبوٹ کرنے لگے اور ان کے مالک مٹھی بھر امیر سرمایہ دار ہوئے اور معیشت گہرے بحران کا شکار ہوئی تو ایسے حالات میں کوئی بھی سیاسی پارٹی غیر سرمایہ دارانہ پروگرام کی بنیاد پر انتخابات جیت سکتی ہے۔ کسی نہ کسی حکومتی پارٹی یا سیاسی اتحاد کو سرمایہ دارانہ پیداوار، تقسیم اور مالیات کا نظام کسی ایسے نظام سے تبدیل کرنا پڑے گا جو لیبر مارکیٹ اور منافع خوری کے نظام کے بغیر دولت کی منصفانہ تقسیم کرے۔

موجودہ سیاسی فضا میں اس قسم کی انتخابی سیاست کا خیال دور کی کوڑی لانا سمجھا جائے گا کیوں کہ سوویت بلاک ختم ہوئے ابھی پچیس برس گزرے ہیں اور کمیونسٹ چین میں مارکیٹ وسیع ہو رہی ہے اور ہر جگہ مارکیٹ نظریات فتح حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن سیاسی رجحانات ہر بیس یا تیس سال بعد بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کے ہر بیس سال کا مطالعہ کر لیں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یقین آ جائے گا۔ اگر ٹیکنالوجی کی تبدیلی کا ساختیاتی بحران گہرا ہوتا رہا تو اگلے بیس برسوں میں رائے عامہ بالکل تبدیل ہو جانا حیرت کی بات نہیں۔

ایک پرامن اداراتی انقلاب ممکن ہے۔ مڈل کلاس کا ساختیاتی بحران جتنا زیادہ گہرا ہو گا انتخابی سیاست میں اتنا ہی زیادہ تحرک پیدا ہو گا۔ اگر حالات اس نہج پر گئے تو تبدیلی کا عمل نسبتاً پرامن ہو گا۔

ساختیاتی بحران کی پیچیدگیاں

یہ دنیا بہت سے عوامل کا نتیجہ ہے۔ ہر شے مقامیت، تسلسل اور ماضی کے لبادے میں لپٹی ہوئی ہے۔ لہٰذا سرمایہ داری کے ساختیاتی بحران کی کئی شکلیں ہوں گی۔ اس وقت سوال یہ نہیں کہ کون، کب اور کیسے کیا ہو گا بلکہ خاص عوامل کے بڑے پہلوؤں کی پیچیدگی کا ہے۔ کیوں کہ جب سرمایہ داری اتنی خودتخریبی ہو جائے گی کہ اس کا جاری رہنا ممکن نہ رہے گا تو یہ عوامل بحران کی نوعیت پر گہرے اثرات مرتب کریں گے۔

کئی عوامل اور مسائل مستقبل کو پیچیدہ کریں گے۔ جس میں بوڑھی آبادی، طبی اخراجات میں اضافہ، نسلی اور مذہبی تنازعات، ماحولیاتی بحران، بین البراعظمی نقل مکانی اور جنگیں شامل ہیں۔ اگر مرکزی نکتے پر توجہ مرکوز رکھیں تو سوال یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے بحران پر ان عوامل کے کیا اثرات ہوں گے؟ کچھ عوامل بحران کو روکیں گے، کچھ ریاستی انہدام کے دباؤ میں اضافہ کریں گے، کچھ انقلاب کے مواقع پیدا کریں گے۔ کیا یہ عوامل ٹیکنالوجی کی تبدیلی کو روکتے ہوئے مڈل کلاس کے روزگار میں اضافہ اور نئی نوکریوں کی تخلیق کرتے ہوئے سرمایہ داری کو بچا سکیں گے؟ ان سوالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان عوامل کی ایک مختصر فہرست کا جائزہ لیں۔

عالمی ناہمواری: سرمایہ دارانہ بحران کے میکانزم مختلف ملکوں اور خطوں میں مختلف شدت کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ امریکا یا مغربی یورپ میں مڈل کلاس لیبر شدید بحران کا شکار ہے لیکن دنیا کے دوسرے خطوں میں بحرانات کی نوعیت ایسی نہیں۔ چین، انڈیا اور برازیل میں ایسے انقلاب متوقع ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ خاص ریاستوں میں سرمایہ دارانہ مخالف تبدیلی ہو جائے اور باقی دنیا سرمایہ دارانہ رہے؟ اس کا انحصار مخصوص ریاستوں کے معاشی حجم اور عالمی معیشت میں ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے حصے پر ہوگا۔ چھوٹی معیشت والی چھوٹی ریاست کے انقلاب کا اثر بھی محدود ہوگا اور اس انقلاب کو الٹ دینا بھی بہت آسان ہوگا جب کہ بڑی معیشتوں والی بڑی ریاستوں میں آنے والے انقلاب دور رس اور رجحان ساز ہوں گے۔ یہ عین ممکن ہے کہ عسکری طور پر مضبوط ریاستیں اپنے معاشی مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے دوسری ریاستوں میں مداخلت کریں گی اور نظریاتی طور پر ہم آہنگ ریاستوں کی مدد کریں گی۔ سرمایہ دارانہ مخالف تبدیلیوں کی وجہ سے عرب بہار ۲۰۱۱ء جیسی ریاستی مداخلتوں کا عمل شروع ہوگا۔ مثلاً اگر ۲۰۳۰ء میں امریکا یا یورپ میں معاشی بحران آیا اور اس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ حکومت آ گئی تو دوسری سرمایہ دارانہ ریاست (ممکنہ طور پر چین) اس تبدیلی کو روکنے کی کوشش کرے گی۔ ان مداخلتوں کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار معاشی و ریاستی طاقت پر ہوگا۔

اس منظرنامے کے مقابلے میں ایک بڑا عمل جاری ہے۔ سرمایہ داری کا ساختیاتی بحران عالم گیر رجحان ہے۔ ہر قسم کی کمپیوٹرائزیشن ہر جگہ جاری رہے گی۔ ان حالات میں کوئی بھی ریاست زیادہ دیر تک سرمایہ دارانہ استعمار نہیں رہ سکتی۔ مابعد سرمایہ داری میں جو حکومتیں وسائل کی بہتر تقسیم کر کے صارفانہ طلب میں اضافہ کرنے کے قابل ہوں گی وہ سرمایہ دارانہ ریاستوں سے آگے نکل جائیں گی۔

سرمایہ دارانہ بحران اور دیگر تنازعات: اس کثیر الجہت دنیا میں مختلف النوع جھگڑے بیک وقت چلتے رہتے ہیں۔ مستقبل کے سرمایہ دارانہ بحران میں کئی دوسرے ایشو بھی خلط ملط ہو جائیں گے۔ بہت سے ایشو اپنی جذباتی اور ڈرامائی خصوصیات کی وجہ سے نمایاں ہو جائیں گے۔

مثال کے طور پر مذہب۔ اس وقت اسلام پسند عسکریوں اور ان کے مخالفین (عیسائیوں، ہندوؤں، سیکولروں اور کمیونسٹوں) میں شدید اختلافات ہیں۔ مستقبل میں مذہبی تنازعات کے دیگر محوروں کا امکان مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ نسلی اور قومی شناخت کے تنازعات بھی ہیں جن میں وسائل تک رسائی، نوکریوں کے لیے کوٹہ، مہاجروں کے خلاف سرحدی نگرانی، مہاجروں سے نفرت، زمینی جھگڑے اور نسلی جنگیں شامل ہیں۔ بین النسلی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے بھی تحریکیں کام کر رہی ہیں لیکن ان تحریکوں کی مخالفت مذہبی اور نسلی بنیادوں پر ہو سکتی ہے۔ بہت سے دیگر ایشو بھی زیادہ تر وقت سیاسی بحث کا موضوع بنے رہتے ہیں۔ ان میں سکینڈل، کرپشن کے الزامات، شخصیات، مظالم اور اخلاقی موضوعات شامل ہیں۔ یہ ایشو بسا اوقات ثقافتی جنگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ساختیاتی بحران کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ساختیاتی بحران ہے۔ ساختیاتی بحران ادارتی تبدیلیوں سے نہیں بچ سکتے۔ ادارتی تبدیلیاں سماجی زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ سکینڈل کے برعکس ساختیاتی بحران ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے اثرات جاری رہتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ بحران میں ان مخصوص ایشوز کا کردار نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ نسل، مذہب، صنف اور طرزِ زندگی وغیرہ کے تنازعات یا تو غیر سرمایہ دارانہ تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں یا سرمایہ دارانہ بحران کو تیز کر سکتے ہیں۔ اگر بہت سے لوگ مذہبی، نسلی اور صنفی شناخت کی بنیادوں پر متحد ہو گئے تو یہ لوگ سرمایہ داری کے خاتمے میں اپنی بہتری تصور کرتے ہوئے سرمایہ دارانہ بحران کو بڑھاوا دیں گے۔ ماضی کے انقلابات میں طبقاتی تحرک کی وجہ مخصوص شناختیں بھی رہی ہیں اور مستقبل میں بھی امکان ہے۔ دوسری طرف ان ایشوز کی وجہ سے معاشی بحران سے توجہ ہٹ سکتی ہے جس کی وجہ سے ردِعمل کی تحریک پیدا ہونے کا امکان ہے اور یہ تحریک نظاماتی تبدیلی کی مخالفت کرے گی اور لوگوں کو ڈرائے گی کہ تبدیلی لانے والے مخالف مذہب اور مخالف نسل کے ہیں۔

بہرحال ہماری نظر سرمایہ داری کے بحران کی گہرائی پر ہے۔ اگر یہ واقعی اتنا گہرا ہوا جتنا ہمیں نظر آ رہا ہے تو پھر اس کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ غیر سرمایہ داری کی طرف جایا جائے۔ اگر غیر سرمایہ دارانہ تبدیلی کے نتیجے میں آنے والی سیاسی قوتیں مسائل کا حل نہ کر سکیں تو تمام نسلی، مذہبی اور دیگر تنازعات محض شور وغل ہوں گے۔

جنگ: اکیسویں صدی کے وسط میں دیکھا جانے والا سرمایہ دارانہ بحران جنگوں سے بھی جوڑا جا سکتا ہے۔ ایک ریاست میں آنے والا غیر سرمایہ دارانہ بحران جنگیں شروع کر سکتا ہے کیوں کہ سرمایہ داری بحال کرنے کے لیے باہر سے مداخلت ہو سکتی ہے یا پھر بیرونی مداخلت خانہ جنگی کی سرپرستی بھی کر سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ریاست میں غیر سرمایہ دارانہ بحران بیرونی ریاستوں کو برآمد کیا جائے، اس سے بھی جنگیں شروع ہو سکتی ہیں۔ یہ ناگزیر نہیں کیوں کہ کچھ درمیانی راستے ایسے ہیں جن کے ذریعے جنگ سے بچا جا سکتا ہے۔ مستقبل میں حادثاتی واقعات کی پیش گوئی کرنے کی بجائے ہمیں اصل سوال یہ کرنا چاہیے: کیا جنگیں سرمایہ داری کو بچا سکتی ہیں یا اس کے بحران میں اضافہ کر سکتی ہیں؟ مجموعی طور پر جنگ انقلاب کو فروغ دیتی ہے بالخصوص ہاری ہوئی جنگ، البتہ جیتی ہوئی جنگ بھی انقلاب کی وجہ بن سکتی ہے کیوں کہ جنگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اخراجات مالیاتی بحران پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا سرمایہ دارانہ مخالف تحریکوں کی موجودگی میں سرمایہ دارانہ ریاست جنگ جیت کر بھی سرمایہ داری کو جبراً جاری رکھ سکتی ہے؟ ہو سکتا ہے قلیل مدت کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو۔

ماحولیاتی بحران: طویل المدتی ماحولیاتی تبدیلیاں، قدرتی وسائل کی تباہی اور دیگر انسانی سرگرمیاں بھیانک نتائج پیدا کرتے ہوئے مستقبل میں زمین پر زندگی مشکل بنا رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ماحولیاتی بحران سرمایہ دارانہ بحران کی جگہ لے گا یا اس کے ساتھ مل کر مشترکہ مسئلے یا مشترکہ حل کی طرف جائے گا؟

ماحولیاتی بحران سرمایہ دارانہ بحران سے جڑ سکتا ہے لیکن سرمایہ داری کو بچا نہیں سکتا۔ سبز صنعتیں کافی روزگار پیدا نہیں کریں گی اور یہ بھی اغلب امکان ہے کہ یہ صنعتیں خود ٹیکنالوجی سے لبریز ہو جائیں گی۔ انسان کے لیے جان لیوا ماحولیاتی بحران کچھ خطوں میں دوسروں کی نسبت پہلے آ جائے گا۔ دنیا کے زیریں حصے زیر آب آ جائیں گے۔ ماحولیاتی بحران کچھ علاقوں کے لیے فائدہ مند ہو گا۔ بعض جگہوں پر زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے گا۔ بعض سرد حصے رہائش کے لیے موزوں ہو جائیں گے مثلاً برف کا پگھلنا روس، کینیڈا اور اس سے ملحقہ علاقوں کے لیے سمندری راستے کھول دے گا۔ اس سے نقل مکانی بڑھے گی۔ آبادی کا بہت بڑا نقصان ہو گا۔ کروڑوں لوگ مارے جائیں گے۔ تاریخ کی سفاکیت بتاتی ہے کہ اگر دس فی صد لوگ بھی مر گئے تو باقی ماندہ گزارہ کر لیں گے۔

اب ماحولیاتی بحران کو سرمایہ داری کے ٹیکنالوجی والے بحران کے تناظر میں دیکھیں۔ تباہ شدہ خطوں سے نقل مکانی کی وجہ سے ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ملکوں کی لیبر مارکیٹ پر دباؤ بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔ مقابلہ بڑھنے کی وجہ سے مزدوری سستی ہو جائے گی اور معاشی بحران پیدا ہو گا۔ جہاں زمین قابلِ سکونت ہو گی وہاں روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوں گے۔ لیکن لگتا یہی ہے کہ ماحولیاتی بحران ٹیکنالوجی کے بحران کا مجموعی رجحان تبدیل کر دے گا۔

نقل مکانی کی مخالفت میں اٹھنے والی تحریکیں سرمایہ دارانہ بحران کا راستہ روک سکتی ہیں۔ دوسری طرف اگر انسانوں میں ہمدردی اور رحم دلی کے جذبات غالب ہوئے تو سرمایہ داری اور اس کے مسائل سے جان چھڑانے کی سوچ پیدا ہو گی۔ مجموعی طور پر ماحولیاتی بحران غیر سرمایہ دارانہ تبدیلی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

سب سے اہم چیز وقت ہے۔ محتاط اندازوں کے مطابق ماحولیاتی بحران کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیارہ زمین پر بہت بڑی تباہی ۲۱۰۰ء کے قریب ہوگی۔ اس وقت سطح سمندر میں اضافہ ہوگا، ساحلی علاقے ڈوب جائیں گے، زراعت تباہ ہو جائے گی اور پانی کی قلت شدت اختیار کر جائے گی۔ لیکن سرمایہ دارانہ بحران کے اندازے اس سے پہلے کی تاریخ بتاتے ہیں یعنی ۲۰۳۰ء سے ۲۰۵۰ء تک۔ سرمایہ دارانہ بحران ماحولیاتی بحران سے پہلے آئے گا۔

مابعد سرمایہ داری مستقبل اور معاشی نظام

سرمایہ داری کے بعد آنے والا نظام سرمایہ دارانہ کاروبار اور مالیاتی سٹے بازی سے کمائی ہوئی نجی جائیداد کی ازسرِنو تقسیم کرے گا۔ اس سے دنیا کی اکثریت کو حصہ ملے گا۔ اس تقسیم کے دوران مالیاتی اداروں پر تصرف حاصل کرنے کا موقع بھی ہوگا، اس قسم کی مابعد سرمایہ داری ترتیب غیر مرکزیت پسند ہوگی کیوں کہ ریاستی سوشل ازم پر تجربات بیسویں صدی میں ہو چکے ہیں۔

کیا سرمایہ داری کا خاتمہ تاریخ کا خاتمہ ہوگا؟ یقیناً نہیں۔ اس سے سیاست ختم نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ مابعد سرمایہ دارانہ حکومتیں جمہوری ہوں گی۔ شاید اس وقت یہ جان لیا جائے گا کہ جمہوریت محض سرمایہ داری کی فصیل نہیں بلکہ بذات خود بھی اہم ہے۔ اور سیاست میں ہمیشہ نئی راہیں نکالنے کی صلاحیت موجود رہی ہے۔

کیا غیر سرمایہ دارانہ نظام لوگوں کو زیادہ خوش بنائے گا؟ درخائیم (۱۸۹۳ء) کہتا ہے کہ انسانی تاریخ میں خوشی (یا ناخوشی) کی سطح ہمیشہ ایک سی رہی ہے۔ نئے حالات نئی خواہشیں پیدا کرتے ہیں اور مقابلے اور موازنے کے نئے معیار بنتے ہیں۔ بہرحال تنازعات انسانی سرشت کا حصہ ہیں۔ تاریخ سے ہم نے یہ سبق سیکھا ہے کہ بیسویں صدی کی سوشلسٹ ریاستوں کے اپنے مسائل تھے۔ ہمیں ان سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ غیر سرمایہ دارانہ ریاست ہی سرمایہ دارانہ بحران سے بچ سکتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ غیر سرمایہ دارانہ اقتدار مستقل ہوں گے۔ عین ممکن ہے کہ ایسے اقتدار خود بدل جائیں یا انتخابی عمل یا انقلاب انہیں بدل دے۔ سوشلسٹ اقتدار کے سرمایہ دارانہ اقتدار کی نسبت پرامن ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن ویبر نے کہا تھا کہ ریاستی طاقت کے تمام ادارے طاقت کے حصول کی جدوجہد کرتے ہیں۔ جب بھی حالات نے موقع دیا، انقلاب بذریعہ عسکری اخراجات پھر سے آئے گا۔ سوویت یونین کے انہدام کی وجہ یہی تھی۔ تاریخ کا خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ سرمایہ داری اور سوشل ازم کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا یا پھر کوئی ایسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام ہوگا جو ابھی تک کسی نے سوچا ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ ریاستوں کے تجربات اتنے ناخوش گوار تھے کہ سوشل ازم میں کوئی کشش پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے مقابلے میں آپ سرمایہ داری کے نقصان اور مظالم دیکھ لیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سوشل ازم کا احیا ہوگا۔ جب ایک نظام اتنا بحران زدہ ہو جائے کہ برداشت سے باہر ہو جائے تو سیاسی رہنماؤں کو متبادل تلاش کر لینا چاہیے۔

جب سرمایہ داری بہت خراب ہو جائے گی تو سوشل ازم کی طرف رجوع ہوگا۔ سوشل ازم پہلے مسائل حل کر کے نئے مسائل پیدا کرے گا تو ردِعمل پیدا ہوگا۔ لہٰذا نظاموں میں سیاسی ادل بدل کئی صدیوں تک جاری رہے گی۔

مابعد سرمایہ داری معاشی ناہم واری مکمل طور پر ختم نہیں کرے گی۔ سوشلسٹ ریاستوں کے گذشتہ تجربات سے واضح ہوتا ہے کہ ان ریاستوں نے نصف حد تک عدم مساوات ختم کر دی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سوشل ازم سرمایہ داری کی پیدا کردہ عدم مساوات ختم کرنے مساوات پیدا کرے اور لوگ اس مساویت سے اکتا جائیں۔ کمیونزم کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ مستقبل کی معاشی منصوبہ بندی مرکزیت پسند بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی۔ روبوٹ، کمپیوٹر، نگرانی اور جاسوسی کی ٹیکنالوجی کی وجہ سے سماجی نگرانی بہت سخت ہوگی خواہ یہ مفید ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کی ریاست میں طاقت کی خواہش ختم نہیں ہوگی لہٰذا تنازعات پیدا ہوتے رہیں گے۔

مزید برآں، مستقبل میں سوشل ازم سے برہمی مارکیٹ کے دوبارہ جنم کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر منصوبہ بند معیشت میں گنجائش ہوئی تو تجارتی نیٹ ورک بن جائیں گے اور کاروباری لوگ نئے کاروبار کھڑے کر لیں گے۔ سرمایہ کاری اور فنانس بھی آستین کے سانپ بن کر موجود رہیں گے۔ اگر سوشلسٹ اقتدار جمہوری ہوا تو سرمایہ دارانہ تحریکیں ووٹ کے ذریعے دوبارہ برسرِ اقتدار آ کر پوری ریاست یا اس کے کچھ حصوں کو تباہ کر سکتی ہیں۔ اگر یہ اقتدار آمرانہ ہوئے تو انقلاب کی سوچ پروان چڑھے گی اور مناسب حالات کا انتظار کرے گی۔

اگر مستقبل بعید مثلاً بائیسویں صدی میں سرمایہ داری کا احیا ہوتا ہے تو تاریخ کا خاتمہ پھر بھی نہیں ہوگا۔ اگر مستقبل کی سرمایہ داری موجودہ سرمایہ داری جیسی ہوئی تو یہی صورت حال پھر سے پیدا ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ مستقبل میں جتنا آگے مرضی سوچ لیں، عالمی نظام مرکزیت پسند منصوبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندی اور مارکیٹ اکانومی کے درمیان جھولتا نظر آتا ہے۔ ہم انسانیت کی نجات کی پیش گوئی ہرگز نہیں کر رہے اور نہ ہی ان دونوں نظاموں میں سے کوئی نجات دہندہ ثابت ہو سکتا ہے۔

نتیجہ

میں اپنے تجزیے کے اہم نکات پیش کرنا چاہوں گا۔ میں نے سرمایہ دارانہ لیبر مارکیٹ میں طویل المدتی ساختیاتی بحران کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ چیز سرمایہ داری میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات کی مرکزی وجہ ہے۔ اس وقت ہائی ٹیکنالوجی یعنی روبوٹ، کمپیوٹر اور دیگر مشینوں کا استعمال عروج پر ہے اور اگلے دس سال میں اس میں شدت آ جائے گی۔ مصنوعی ذہانت ابھی تک وجود میں نہیں آئی۔ اگر مصنوعی ذہانت ذہنی عوامل ادا کرنے کے قابل ہو گئی تو مزدوری ختم ہو جائے گی۔ انسان تصور کر سکتا ہے کہ آنے والے پچاس برسوں میں تمام کام کاج کمپیوٹر اور روبوٹ کر رہے ہوں گے۔ ان کی دیکھ بھال اور مرمت کرنے والے چند لوگ ہی نوکریاں حاصل کر سکیں گے۔ روبوٹ، مینوفیکچرنگ مزدوریوں کا متبادل ہیں اور مزدوروں کی بڑی تعداد بے روزگار کر چکے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے روبوٹ انتظامی اور پیشہ وارانہ ماہرین کی جگہ لے لیں گے۔ یہ صورت حال سائنس فکشن جیسی لطف اندوز نہیں ہے۔ مستقبل کا اصل خطرہ یہ نہیں کہ روبوٹ بغاوت کر دیں گے بلکہ یہ ہے کہ روبوٹ مالکوں کی چھوٹی سی سرمایہ دارانہ جماعت غالب ہو گی۔

ٹیکنالوجی میں ترقی جس رخ پر بھی ہو، سرمایہ دارانہ بحران ضرور آئے گا اور یہ بحران حتمی ہو گا۔ بڑھتی ہوئی عدم مساوات کی وجہ سے صارفین کی تعداد کم لہٰذا سرمایہ داری کی بقا ناممکن ہو جائے گی۔ اس مسئلے کا نظاماتی حل صرف یہی ہے کہ سرمایہ داری کی جگہ غیر سرمایہ دارانہ نظام لایا جائے۔ اور یہ نظام اشتراکی ملکیت اور مرکزی منصوبہ بندی والا ہو سکتا ہے۔ یہ تبدیلی کیسے اور کہاں آئے گی؟ یہ سوال اتنا پیچیدہ ہے کہ میرا نظری تجزیہ اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

اہم بات یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کے لیبر کی جگہ لینے سے سرمایہ داری منہدم ہو جائے گی۔ جہاں ٹیکنالوجی کی تبدیلی غالب ہے وہاں اکیسویں صدی کے اختتام سے پہلے پہلے یہ کام ہو جائے گا۔ یہ تبدیلی پرامن ہو گی یا خوف ناک، یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ خاتمہ قریب ہوسکتا ہے، لیکن کن کے لیے؟

مائیکل مین

تعارف

تاریخی سماجیات کے ماہرین ماضی کی پیش گوئی کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ مستقبل کا معاملہ دوسرا ہے۔ بڑے سماجی اداروں مثلاً قومی ریاستوں یا سرمایہ داری کے متعلق پیش گوئی کرنا خاص طور پر مشکل ہوتا ہے۔ اگر کسی کا یقین ہو کہ زیر بحث ادارہ ایک نظام ہے جس کی اپنی اندرونی منطق ہے، اپنے چکر اور اپنے تضادات ہیں تو یہ کام ذرا آسان ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہم موجودہ منطق کی شناخت کر کے مستقبل کا خاکہ پیش کر سکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا ماننا ہے کہ سرمایہ داری کا معاملہ بھی یہی ہے۔ نیوکلاسیکل معیشت دانوں کا ماننا ہے کہ سرمایہ داری میں باقاعدہ کاروباری دائروی چکر ہوتے ہیں اور اس میں توازن کی طرف جانے کا رجحان ہوتا ہے۔ لہٰذا حالیہ مشکلات کے بعد بحالی ہوگی۔ پھر بحران آئے گا پھر بحالی ہوگی اور اس طرح مجموعی طور پر ترقی ہوتی جائے گی۔ جو لوگ زیادہ گہرے اندرونی چکر دیکھتے ہیں وہ سرمایہ داری کے اندرونی نظم اور پیش گوئی کی بات کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کینز بھی مانتا تھا کہ طویل المدت میں سرمایہ داری ریاست کی مدد سے دوبارہ مستحکم ہوسکتی ہے۔ یہ سب ماڈل سرمایہ داری کی ابدیت کا اشارہ دیتے ہیں۔ مارکسی لوگ بھی کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ ترقی کی اپنی منطق ہے لیکن ان کے خیال میں سرمایہ داری میں کچھ اندرونی تضادات بھی ہیں جو بالآخر اسے ختم کر دیں گے۔

ورلڈ سسٹم تھیوری میں نظاماتی عنصر نہایت واضح ہے اور اس تھیوری کا سب سے بڑا نام عمانویل والرسٹائن ہے۔ ان مارکسی اور نظاماتی مفکروں کی پیش گوئیوں میں مشکل سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری کا جانشین نظام کون سا ہوگا (کیوں کہ سوشلزم سے اعتبار اٹھ گیا ہے)۔ چوں کہ سرمایہ داری کے متعلق زیادہ تر فکری تبلیغ مغرب سے آتی ہے اور مغربی سرمایہ داری واضح طور پر مشکلات سے گزر رہی ہے لہٰذا سرمایہ داری کی موت کے منظر بہت مشہور ہو رہے ہیں۔

کاش میں بھی مستقبل کی ان پیش گوئیوں میں پراعتماد انداز میں حصہ ڈال سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرے ایسا نہ کرنے کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی بڑی رکاوٹ انسانی تاریخ کے متعلق میرا عمومی ماڈل ہے۔ میں معاشروں کو نظاموں کے طور پر نہیں بلکہ نیٹ ورکس کے تعاملات کے طور پر دیکھتا ہوں۔ ان میں سے چار قسم کے نیٹ ورک اہم ترین ہیں: نظریاتی، معاشی، عسکری اور سیاسی۔ جیوپولیٹیکل تعلقات کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ جیوپالیٹکس عسکری و سیاسی طاقت کا مجموعہ ہوتی ہے۔ طاقت کے ان ذرائع کی اندرونی منطق یا ترقی کا رجحان ہوسکتا ہے لہٰذا ان عوامل کی طرح سرمایہ داری میں بھی اندرونی منطق دیکھی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر حملہ اور دفاع، پیش رفت اور محاصرہ یا اسلحے کا استعمال عسکری طاقت کے اندرونی چکر ہیں۔ اسی طرح جدید ریاست اور سلطنت کی جگہ پر قومی ریاست کا آنا سیاسی تعلقات کے اندرونی رجحانات ہیں۔ تاہم نظریات کی ترقی کے چکر منفرد ہوتے ہیں۔ ان کا انحصار کسی نظریے کے قابل عمل ہونے یا نہ ہونے یا متبادل بحرانی حل کی موجودگی یا عدم موجودگی پر ہوتا ہے۔ یہ مختلف تحرکات ایک دوسرے کے عمود ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آپس میں تعامل تو کرتے ہیں لیکن تعامل کا انداز منظم نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کسی طاقت کے اندرونی تحرکات کی شناخت ایک حد تک ہی کرسکتے ہیں کیوں کہ ہر ذریعہ طاقت دوسروں سے مطلق آزاد نہیں ہوتا اور ہر ایک کی ترقی دوسروں کی ترقی پر اثرانداز ہوتی ہے۔ اگر ہم ان تعاملات کی اہمیت تسلیم کرلیں تو ہمارے سامنے زیادہ پیچیدہ اور غیریقینی دنیا آتی ہے جس میں سرمایہ داری کی ترقی نظریات، جنگوں اور ریاستوں سے اثرانداز ہوتی ہے۔ میں اس کی وضاحت سرمایہ داری کے گذشتہ دو بحرانوں کا تجزیہ کرتے وقت کروں گا۔ بدقسمتی سے اس سے مستقبل کی پیش گوئی زیادہ مشکل ہوجاتی ہے۔

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ زمین ایک بہت بڑا سیارہ ہے اس لیے پیچیدگی بھی زیادہ ہے۔ قومی ریاستیں اور چھوٹے چھوٹے خطے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے اوپر شناخت کیے گئے رجحانات بعض ملکوں اور خطوں کو زیادہ متاثر کرتے ہیں اور بعض کو کم۔ ہوسکتا ہے کہ یونان میں سرمایہ داری کا شدید بحران ہو لیکن اس کے ہمسایہ ملک ترکی میں کم شدت کا بحران ہو اور چین میں بالکل ہی نہ ہو۔ یہ اختلافات عالمی تاریخ کی ترقی کے مختلف انداز پیدا کرسکتے ہیں۔ مثلاً چین، امریکا پر غالب آجائے گا یا ایشیا، مغرب پر حاوی ہوجائے گا۔ اعلیٰ ارضی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبدیلیاں کئی تاریخی عوامل کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ایٹمی ہتھیاروں کی ایجاد نے دنیا کی تاریخ میں پہلی بار یہ امکان پیدا کر دیا ہے کہ دو ریاستوں کی دشمنی جنگ سے حل نہیں ہوسکتی۔ لیکن ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال ممکن بھی ہے۔ اس سے تیسری پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ انسان عقل سے کام لینے والی مشین نہیں کہ اپنا فائدہ اور نقصان ٹھیک ٹھیک متعین کر لے۔ انسان بسا اوقات ایسے پیچیدہ مسائل کا شکار ہوتا ہے جس کا کوئی واضح حل نظر نہیں آتا۔ انسان بعض اوقات آلاتی عقلیت پر نہیں اقداری عقلیت پر چلتا ہے یعنی مجموعی نظریاتی فائدے کی خاطر اپنے ذاتی مفادات قربان کر دیتا ہے۔ بعض اوقات جذبات، عقل پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ انسانی اعمال اکثر غیر متوقع ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے انسانوں نے بہت سے ایسے فیصلے کیے ہیں جو آج ہمیں غیر عقلی لگیں گے مثلاً دو تباہ کن عالمی جنگیں اور مثالی معاشروں کے خواب۔ اکیسویں صدی کے مختلف ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

لہٰذا میں ممکنہ متبادلات پیش کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ امریکا یا مغرب میں یا پوری دنیا میں سرمایہ داری کا خاتمہ یا زوال بالکل قریب ہوسکتا ہے۔ میرے بعض منظرنامے امید افزا ہوں گے۔ بعض میں زمین سے متعلق بحث زیادہ ہوگی۔ ہر منظرنامہ سرمایہ داری کے دوسرے عوامل کے ساتھ تعاملات کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔ میں ہر منظرنامے میں امکان کا درجہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا اگرچہ یہ محض میرے قیاسات ہیں۔

نظام اور چکر

میں ان نظریات کو شک کی نظر سے دیکھتا ہوں جو سرمایہ داری کے بطور نظام انہدام کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ مثلاً والرسٹائن کہتا ہے کہ سرمایہ دارانہ عالمی نظام بحران میں ہے۔ اس کے نظام میں دو حصے ہیں۔ پہلا سرمایہ داری کا اندرونی بحران ہے جس کا اظہار ارتکازِ سرمایہ کی منطق سے ہوتا ہے اور معیشت میں پچاس ساٹھ سال کے عروج و زوال کے چکر آتے رہتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ اگلا بحران اتنا شدید ہوگا کہ سرمایہ داری ختم ہو جائے گی۔ اس کے بقول ہم سرمایہ داری کے نظاماتی بحران میں داخل ہو رہے ہیں کیوں کہ منافع کی شرح کم ہو رہی ہے اور کم ہوتی چلی جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا حصہ ارضی سیاست (جیو پولیٹیکل) کا بحران ہے جس کا اظہار طویل المدتی استعماری چکروں میں ہوتا ہے۔ استعمار کا مطلب ہے غلبہ۔ مختلف استعماری ادوار کے درمیان تبدیلی کے دور میں بحران آتا ہے۔ وہ مثال دیتا ہے کہ ولندیزی استعمار سے برطانوی استعمار میں تبدیلی ہوئی اور پھر برطانوی استعمار سے امریکی استعمار قائم ہوا۔ استعماری چکر، معاشی چکروں کی نسبت زیادہ طویل ہوتے ہیں۔ نیدرلینڈ سے برطانیہ تک استعمار منتقل ہونے میں سَو برس لگے اور برطانیہ سے امریکا منتقل ہونے میں پچاس برس لگے۔

اب امریکی استعمار زوال پذیر ہے اور جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ والرسٹائن کہتا ہے کہ اس کام میں تقریباً ستر سے اسّی برس لگیں گے۔ یقیناً اسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ وہ چینی استعمار کا امکان پیش کرتا ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ کوئی ایک استعمار نہیں ہوگا۔ وہ سرمایہ دارانہ اور استعماری بحرانوں کو ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ دونوں بحران ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہوئے مجموعی طور پر نظاماتی بحران پیدا کریں گے۔

یہ تھیوری بصیرت پر مبنی ہے لیکن میں اس کے کسی بھی حصے پر یقین نہیں رکھتا۔ پہلے تو آپ اس کی پیش کردہ استعماری طاقتوں کی فہرست پر غور کریں۔ نیدرلینڈ کو یورپ کا پہلا استعمار کہنا سمجھ میں نہیں آیا۔ سترھویں صدی میں ولندیزیوں نے کچھ سرمایہ دارانہ اداروں کی بنیاد رکھی، انہوں نے اپنا بری اور بحری دفاع کامیابی سے کیا اور چند ایک کالونیاں حاصل کیں لیکن پوری دنیا تو کیا وہ یورپ پر بھی غالب نہ آسکے۔ اُس وقت یورپ میں ہپسبرگ اور فرانس دو بڑی طاقتیں تھیں لیکن براعظم میں کئی دوسری طاقتیں بھی تھیں۔ انیسویں صدی میں برطانیہ غالب تھا کیوں کہ اس کے پاس سرمایہ دارانہ صنعت تھی، سب سے بڑی بحریہ، سب سے بڑی سلطنت اور کرنسی کا سب سے بڑا ذخیرہ تھا لیکن برطانیہ کبھی بھی براعظم یورپ پر استعماری غلبہ نہ پاسکا اور اسے خود کو بچانے کے لیے دوسری ریاستوں کے ساتھ طاقت کا توازن قائم کرنا پڑا۔

پھر والرسٹائن دو ممکنہ استعماروں جرمنی اور امریکا میں رقابت کا دور بھی دیکھتا ہے۔ اس رقابت میں امریکا فاتح رہا۔ وہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۵ء تک کے دور کو ان دونوں ملکوں کے درمیان تیس سالہ جنگ کا نام دیتا ہے۔ امریکا اس جنگ میں شامل ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب دوسری عالمی جنگ میں جاپان نے اس پر حملہ کیا تو امریکا جنگ میں شامل ہوا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکی استعمار قائم ہو گیا لیکن یہ استعمار جرمنی اور جاپان کی خودکش فاشسٹ بہادری کا غیر ارادی نتیجہ تھا۔ البتہ ان دونوں نے برطانوی اور فرانسیسی استعمار کا خاتمہ کر دیا۔ پوری دنیا پر امریکی غلبہ سوویت یونین کی اندرونی مصروفیت کی وجہ سے مکمل ہوا۔ اس قسم کے غیر متوقع نتائج اوپر بیان کیے گئے سماجی طاقت کے چاروں عوامل کے پیچیدہ تعاملات کا نتیجہ تھے۔ دورانِ جنگ امریکا پہلے ہی برتر اقتصادی قوت تھا (اگرچہ دوسری عالمی جنگ کے بغیر ڈالر کو عالمی کرنسی کی حیثیت نہ ملتی) لیکن اس کی عسکری قوت بہت کم تھی۔ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکا تاریخ کا سب سے بڑا استثنیٰ بن گیا؛ واحد عالمی سلطنت اور تاریخ کا پہلا مکمل استعمار۔

لیکن صرف ایک واقعہ کی بنیاد پر استعماری چکروں کی شناخت کرنا مشکل ہے۔ بے شک میں والرسٹائن سے متفق ہوں کہ ماضی قریب میں امریکا استعماری قوت بنا ہے اور اس کی استعماری طاقت کم زور رہی ہے اور شاید ۲۰۲۰ء سے ۲۰۲۵ء تک ختم بھی ہو جائے۔ یہ منفرد عالمی تاریخی عمل صرف امریکا ہی میں بحران لائے گا۔

تو اقتصادی چکروں کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ کنڈراتف نے کہا تھا کہ اس کے بیان کردہ اقتصادی چکروں کا دور چون سال پر محیط ہے۔ اس حساب سے ۱۹۳۳ء میں معاشی بحران، ۱۹۶۰ء میں عروج، ۱۹۸۷ء میں بحران اور ۲۰۱۴ء میں عروج ہوتا۔ لیکن آج بھی معاشی عروج نظر نہیں آتا۔ اس ماڈل میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کسی خاص وقت میں عروج ہوتا ہے یا زوال۔ دو عالمی جنگوں نے صورت حال مزید پیچیدہ کر دی۔ معاشی عروج ۱۹۱۳ء میں تھا یا ۱۹۳۳ء میں اور کیا دوسرا عروج ۱۹۳۸ء میں ہوا یا ۱۹۴۵ء میں؟ ان معاشی چکروں میں کوئی باقاعدگی نہیں۔

ان معاشی چکروں کے متعلق والرسٹائن کا اپنا نظریہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیداوار میں عروج ۱۹۴۵ء میں شروع ہوا اور ۱۹۷۳ء تک اپنی انتہا پر پہنچ گیا۔ یہ بات مغربی معیشت کے حوالے سے درست ہے۔ لیکن یہ سرمایہ داری کے اندرونی چکر کا نہیں بلکہ دوسری عالمی جنگ کا نتیجہ تھا۔ پہلے برطانیہ اور امریکا نے عالمی سرمایہ داری پر اتفاق کیا اور بعد میں تمام امریکی اتحادی اس پر متفق ہو گئے۔ پہلے سے جمع شدہ صارفانہ طلب اور جنگی ٹیکنالوجی نے بے مثال سنہرا دور پیدا کیا۔ تاریخی طور پر بہت زیادہ معاشی ترقی ہوئی اور سرمایہ داری پوری دنیا میں پھیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئی۔ اس کے بعد مغربی معیشت ۱۹۷۳ء سے ۲۰۰۰ء تک جامد رہی۔ حالانکہ ۲۰۰۰ء میں معاشی عروج ہونا چاہیے تھا لیکن دس سال بعد بھی ایسا نہیں ہوا۔ لیکن آپ غور کریں کہ مغرب کے جمود کے بعد دنیا کے دوسرے علاقوں میں معاشی ترقی ہوئی اور اب بھی جاری ہے۔ پہلے جاپان پھر مشرقی ایشیائی ممالک پھر چین پھر انڈیا اور پھر برازیل اور روس میں معاشی ترقی ہوئی۔ کنڈراتف کے چکروں پر مغربی معیشت دانوں کا اتفاق نہیں اور غیر مغربی معیشتوں کا مطالعہ کرنے والے انہیں بالکل اہمیت نہیں دیتے۔

سرمایہ داری میں معاشی اتار چڑھاؤ ناگزیر ہے اور طویل المدت معاشی ترقی کے بعد شدید ترین بحران آسکتا ہے لیکن کوئی باقاعدہ انداز وضع کرنا مشکل ہے اور پوری دنیا پر اس کا اطلاق تو بالکل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ماضی کے بحران ہمیں سرمایہ داری کے آیندہ بحران کے متعلق کوئی رہنمائی دیں۔ چناں چہ تجربی شہادت کی بنیاد پر بنائی گئی تھیوری پر یقین رکھنے والے سماجی ماہر ہونے کے ناطے میں سرمایہ داری کے دو گذشتہ بحرانوں کا تجزیہ کروں گا جن کی واقعاتی تفاصیل مکمل طور پر موجود ہیں۔ میری مراد ۱۹۲۹ء کے عظیم بحران اور ۲۰۰۸ء کی عظیم کساد بازاری سے ہے۔

۱۹۲۹ء کا عظیم بحران

دونوں بحرانوں کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں غالب اندرونی معاشی وجوہات تھیں کیوں کہ یہ دونوں بحران معاشی تھے اور سرمایہ داری میں کسی نہ کسی حد تک اندرونی منطق موجود ہے۔ لیکن کچھ وجوہات غیر معاشی اور کچھ وجوہات محض اتفاقی تھیں۔ دونوں صورتوں میں بحران کسی ایک سنجیدہ مسئلے سے شروع ہوا جو بعض دوسری کمزوریوں سے مل کر بڑا مسئلہ بن گیا۔ یہ عمل کسی اور طرح بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بحران پوری دنیا میں یکساں طور پر نہیں آئے۔ کچھ معیشتیں محفوظ رہیں اور کچھ بہت جلد بحرانی کیفیت سے نکل گئیں۔ ان سب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام میں کوئی ایک منطق عمل پیرا نہیں۔ بدقسمتی سے ان وجوہات کی بنا پر مستقبل کے معاشی بحران کی پیش گوئی کرنے کے امکانات مزید کم ہو جاتے ہیں۔

عظیم معاشی بحران زرعی پیداوار کی کثرت سے شروع ہوا۔ سونے کا عالمی معیار نہ ہونے کی وجہ سے اس میں شدت آئی۔ عظیم طاقتوں کے مرکزی بینک اور برطانوی استعمار سونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا عالمی معیار چھوڑ چکے تھے۔ جنگ کے بعد انفرادی طور پر کچھ ریاستوں نے قومی عزت اور تفاخر کے نظریات کی وجہ سے سونے کا معیار اپنایا لیکن کوئی نتیجہ خیز معاشی تجزیہ نہ کیا۔ جرمنی اور آسٹریا اور برطانیہ اور فرانس کے مابین عسکری کشمکش نے بھی اس میں اضافہ کیا۔ فرانس اور امریکا نے سونے کی ذخیرہ اندوزی کی۔ آزاد معیشت کے نظریات موجود تھے، اسٹاک مارکیٹ میں تیزی کا رجحان تھا اور اصلاحاتی عمل مکمل نہ ہوا تھا جس کی وجہ سے معیشت کی روزگار پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہوگئی۔ امریکا میں کانگریس اور فیڈرل ریزرو بینک نے پالیسی کے معاملے میں بھیانک غلطیاں کیں۔ غیر موثر فرموں اور صنعتوں کو ختم اور سرمایہ کاروں اور مزدوروں کو فارغ کر دیا گیا۔ اگر ان میں سے دو یا تین وجوہات نہ ہوتیں تو ہم اسے گردشی کساد بازاری کہتے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بحران عالمی تھا لیکن یہ پوری دنیا پر یکساں طور پر نہیں آیا تھا۔ مغربی یورپ اور انگریزی ملکوں میں شدت سے آیا تھا اور ان خطوں میں بھی امریکا، کینیڈا اور جرمنی میں برطانیہ کی نسبت چھ گنا زیادہ جب کہ فرانس کی نسبت تین گنا زیادہ فی کس آمدن میں کمی ہوئی۔ باقی دنیا غیر متاثر رہی۔ چین معمولی سا متاثر ہوا جب کہ سوویت یونین، جاپان اور اس کی کالونیاں کوریا اور تائیوان اور مشرقی یورپ کی معیشتیں بحران میں بھی ترقی کرتی رہیں۔ لہٰذا بحران عالمی نہ تھا۔ اسے ہم سفید بحران کہہ سکتے ہیں کیوں کہ سفید فام قومیں ہی بری طرح متاثر ہوئی تھیں۔ کچھ ملکوں نے سونے کا معیار ترک کیا اور جلد ہی بحران سے نکل آئے۔ امریکا میں روزویلٹ انتظامیہ حد سے زیادہ پراعتماد تھی کہ بحالی جلد آرہی ہے لہٰذا اس کی پالیسیوں نے ۱۹۳۷ء میں بحران کا دوسرا جھٹکا دیا۔ دوسری عالمی جنگ میں طلب میں اضافہ ہوا تو امریکی معیشت بحال ہوئی۔

اس ساری صورت حال سے واضح ہے کہ غیر اقتصادی وجوہات نہایت اہم تھیں۔ مثال کے طور پر میں اس بحران میں عسکری طاقت کے تعلقات کا ذکر کروں گا۔ پہلی عالمی جنگ کے بحران پر نمایاں اثرات تھے۔ جنگ کے دوران بہت سے غریب ملکوں نے اپنی زرعی پیداوار میں اضافے کی وجہ سے برآمدات میں اضافہ کیا۔ جب جنگ ختم ہوئی اور متحارب ملکوں کی زراعت بحال ہوئی تو پیداوار کی کثرت ہوئی اور قیمتیں کم ہوگئیں۔ جنگ نے متفقہ سونے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معیار بھی ختم کر دیا تھا اور امن معاہدوں کی ناکامی نے معیشت پر بین الاقوامی کنٹرول مشکل بنا دیا۔ بحران کثیر المراکزی سیاست کا نتیجہ نہیں تھا کیوں کہ جنگ سے پہلے ان سیاسی مراکز نے معاشی استحکام قائم رکھا تھا۔ یہ عالمی عسکری سیاست اور خاص طور پر جنگ کی عطا تھی۔

نظاماتی دلیل اس صورت میں دی جا سکتی تھی اگر جنگ کی وجہ سرمایہ داری یا زوال پذیر برطانوی استعمار ہوتا لیکن ایسا نہیں تھا۔ یورپ سرمایہ داری کی آمد سے صدیوں پہلے تک جنگ کی لپیٹ میں رہا ہے، ڈپلومیسی کا طریقہ ہی جنگ تھا۔ یہ جنگ تب شروع ہوئی جب بڑی طاقتیں اپنے چھوٹے گاہکوں (سربیا اور بیلجیم) کے دفاع کے لیے میدان میں آئیں۔ عسکریت یورپ کی روایت ہے۔ عظیم بحران میں مختلف وجوہاتی سلسلے ایک دوسرے سے ملتے گئے، گویا کئی ندیوں نے مل کر دریا بنا دیا۔

۲۰۰۸ء کی عظیم کساد بازاری

یہاں پر اہم سوال یہ ہے کہ آیا کساد بازاری جاری رہے گی، بدتر ہوگی اور ایسے عوامل شروع کرے گی جو بالآخر سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیں گے؟ لیکن پہلے اس کی وجوہات کا تجزیہ کر لیں۔

یہاں بھی کئی چیزیں ایک دوسرے سے مل کر کساد بازاری کا باعث بنیں۔ یہ کساد بازاری بنیادی طور پر امریکی بحران کی صورت میں شروع ہوئی، امریکی استعماریت اور عالمی ناہمواری نے حکومتوں اور امریکیوں کو اس قابل بنایا کہ بیرونی ملکوں سے نہایت کم شرح سود پر بڑے بڑے قرضے لیں۔ یہ قرضے اتنے زیادہ ہو گئے کہ واپس نہ کیے جا سکے۔ دوسری طرف جب شرح سود میں اضافہ کیا گیا تو ہنڈیوں میں تیزی آئی جس سے پہلا جھٹکا لگا۔ تاہم اس میں ایک وجہ سیاست دانوں کا یہ نظریہ بھی تھا کہ ملکیتی جائیداد والی جمہوریت پیدا کی جائے۔ پوری قوم گھر خریدنے میں مصروف تھی۔ تیسری اہم وجہ یہ ہوئی کہ فنانشل ریگولیشن ختم کر دی گئی تھی۔ چوتھی وجہ امریکا میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ تیسری اور چوتھی وجہ کا باعث نیو لبرل نظریات اور امریکی سیاسی نظام میں بینک کاروں کا رسوخ تھا۔ امریکی معیشت مینوفیکچرنگ سے مالیاتی خدمات کی طرف منتقل ہوئی اور حصص کنندگان کے قلیل المدت منافع میں اضافہ ہر کارپوریشن کا مقصد بن گیا۔ اسی قسم کے عوامل برطانیہ میں بھی ہوئے کیوں کہ فنانشل سرمایہ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیولبرل ازم دونوں ملکوں میں غالب تھے۔ یہ وجوہات دوسرے ملکوں میں موجود نہ تھیں اگرچہ جرمنی میں افراطِ زر کا خوف تھا جو نیولبرل پالیسیوں سے ہم آہنگ تھا (جرمنی میں یہ تصور عام تھا کہ افراطِ زر کی وجہ سے ہٹلر کو عروج ملا تھا) اور جرمنی کی اقتصادی طاقت نے یہ مالیاتی نظریات پورے یورپ میں عام کر دیے۔ ۲۰۰۸ء کی عام کساد بازاری میں عسکری طاقت کا کردار شامل نہ تھا البتہ نظریاتی طاقت کا کردار ضرور تھا۔ نیولبرل ازم اور افراطِ زر کا خوف دو غالب نظریے تھے۔

یہ تمام عوامل مالیاتی خدماتی شعبے کے جادوگروں کی حماقت سے مل گئے۔ ان کی ریاضیاتی مساواتوں نے ایسے مالیاتی آلات وضع کیے جن کا حقیقی معیشت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ ان لوگوں نے نیوکلاسیکل اکنامکس کو ریاضیاتی نمونوں میں بدل دیا۔ ان لوگوں کا غلط عقیدہ تھا کہ معیشت خالص مارکیٹ نظام ہوتا ہے جس کے تمام عوامل کا درست حساب لگا کر پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔

پھر یہ بحران بین الاقوامی ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ امریکی استعمار زوال پذیر تھا بلکہ اس وجہ سے کہ امریکا، امریکی معیشت، امریکی ڈالر اور اس کے ریاضیاتی معیشت دان استعماری تھے۔ امریکی معاشی سرگرمیوں میں کمی نے ان ملکوں کو متاثر کیا جن میں قرضوں کے مسائل تھے یا وہ ملک جو امریکا کے تجارتی شراکت دار تھے۔ خوف زدہ سرمایہ کاروں کو معلوم ہوا کہ کساد بازاری شروع ہوئی تو بہت سے ملکوں اور شعبوں سے قرضے واپس نہیں ملیں گے۔ ۲۰۰۷ء میں آئی ایم ایف کے اعداد و شمار دکھا رہے تھے کہ یورپی ریاستوں میں صرف اٹلی اور یونان کے سرکاری قرضے ان کی کل قومی پیداوار سے زیادہ تھے۔ یورپی یونین میں سرکاری قرضوں کی شرح جی ڈی پی کا اکہتر فی صد اور OECD ملکوں میں تہتر فی صد تھی۔ صرف یونان میں سرکاری قرضے بہت بڑا مسئلہ تھے۔ آئر لینڈ، اسپین اور اٹلی میں (امریکا اور برطانیہ کی طرح) نجی قرضے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اٹلی کی سب سے بڑی کمزوری اس کی پیداواری صلاحیت میں کمی تھی۔ ان سب ملکوں کی مختلف کمزوریاں تھیں جو امریکی مالیاتی بحران کے بعد سامنے آئیں۔ جب کساد بازاری شروع ہوئی تو پابندیاں لگائی گئیں جس سے معاشی سرگرمی میں کمی ہوئی، آمدن کم ہوئی اور سرکاری قرضوں میں اضافہ ہو گیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاہم عظیم کساد بازاری پوری دنیا میں یکساں طور پر نہیں ہوئی۔ عالمی بینک کے جی ڈی پی میں اضافہ سے متعلق اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ ۲۰۰۸ء اور ۲۰۰۹ء کا سال ہر ملک کے لیے مشکل تھا۔ اس مختصر مدت میں بحران یقیناً عالمی تھا۔ پھر یہ بحران امریکا، یورپ، مشرقی ممالک اور غریب مقروض ملکوں میں شدید ہو گیا۔ لیکن ۲۰۱۰ء تک بہت سے ملک بحران سے نکل آئے اور ان کی جی ڈی پی کی شرح بلند ترین درجے تک پہنچ گئی مثلاً برازیل، میکسیکو، ترکی، نائیجریا، کینیڈا، ملائشیا، کوریا اور سنگاپور۔ انڈیا اور انڈونیشیا نے اپنی گذشتہ شرح ترقی دوبارہ حاصل کر لی جب کہ چین کی شرح ترقی میں دو فی صد کمی ہوئی (۸ سے ۶ فی صد) جو قابل رشک ہے۔ کینیڈا کے سوا تمام ملک ترقی پذیر کہلاتے تھے۔ ان ملکوں نے اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگراموں سے سبق سیکھتے ہوئے اپنے ذخائر میں اضافہ کیا تاکہ غیر ملکیوں سے بھاری قرض نہ لینے پڑیں۔ جن ملکوں نے ایسا نہ کیا وہ بری طرح متاثر ہوئے۔ کینیڈا اس لیے بچ گیا کہ اس کی کھدائی والی نئی صنعتیں بینکنگ شعبہ پر منحصر نہ تھیں اور کینیڈا نے ان پر سخت کنٹرول رکھا ہوا تھا۔ مختلف پالیسیوں کے ذریعے اس نظاماتی بحران سے بچا جا سکتا تھا۔

لہٰذا عظیم بحران کی طرح عظیم کساد بازاری بھی کچھ ملکوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ امریکی وائرس پوری دنیا میں مالیاتی شعبے کے ذریعے پھیلا جس میں بین الاقوامی تجارت میں کمی کا کردار بھی شامل تھا۔ لیکن بہت سے ملکوں میں جلد ہی بحالی ہوگئی کیوں کہ ان کے معاشی، سیاسی اور نظریاتی ڈھانچے مختلف تھے۔ اہم ڈھانچے جنہوں نے مرکزی کردار ادا کیا وہ یہ تھے: کارپوریٹ یا ترقی پسند ریاستیں (جنوبی کوریا)، بڑی معیشتیں جن میں مالیاتی شعبہ زیادہ بڑا نہ تھا (بہت سی ایشیائی ریاستیں)، جن میں نیولبرل ازم نہ تھا (اکثر ریاستیں)، جن ریاستوں نے قرضوں سے بچنے کے لیے اچھی پالیسیاں بنائیں (بہت سی ایشیائی ریاستیں) اور وہ ریاستیں جن میں مالیاتی سرمایے پر سخت پابندیاں تھیں (کینیڈا)۔ ان وجوہات کی وجہ سے جنوب اور جنوبی ایشیا بہت کم متاثر ہوا۔ پھر یہ کہ اس خطے کی ریاستوں کی زیادہ تر تجارت چین کے ساتھ تھی۔ عظیم بحران کی طرح درست پالیسیوں کے ذریعے کساد بازاری سے بچا جا سکتا تھا اور غلط پالیسیاں اسے بدترین بنا سکتی تھیں۔ سرمایہ داری کی اندرونی منطق ترقی پذیر ممالک میں مزید ترقی کی طرف لے جا سکتی تھی۔ اگر نظام کو کوئی خطرہ ہے تو وہ خارجی ہے؛ امریکی اور یورپی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمزوری کا خطرہ ہے۔

کیا موجودہ بحران بدتر ہوگا اور ہر ایک کو متاثر کرے گا؟ اگر یوروزون ٹوٹتا ہے تو یہ اس کے رکن ممالک کے لیے بری خبر ہوگی۔ پوری دنیا پر تجارتی اور سرمایہ کاری کے اثرات مرتب ہوں گے۔ یوروزون سے تجارتی تعلقات رکھنے والے ممالک زیادہ متاثر ہوں گے۔

پھر یہ بحران روس، مشرق قریب اور شمالی امریکا تک پہنچ سکتا ہے جو یورپ میں بڑا سرمایہ کار اور اس کا سب سے بڑا تجارتی شریک ہے۔ جنوبی امریکا بھی متاثر ہوگا۔ خاص طور پر ہسپانوی معیشت منہدم ہوسکتی ہے۔ اگر یورپی یونین اور امریکا دونوں میں معاشی سرگرمی میں کمی ہوئی تو عالمی تجارت پر اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے کیوں کہ عالمی پیداوار کا نصف یہاں سے پیدا ہوتا ہے اور گلوبلائزیشن کا اثر ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ انڈیا اور چین کی برآمدات کم ہو جائیں گی اور یہ سرمایہ داری کے نظاماتی بحران کا اشارہ ہوگا۔ لیکن یہ بحران مغرب میں زیادہ شدید ہوگا اور ترقی پذیر دنیا کم متاثر ہوگی۔

ایسا واقعی ہوسکتا ہے۔ اگر یورپی یونین کے ممالک متحد رہے تب بھی۔ کیوں کہ یورپی یونین پر عوام کا نہیں بلکہ ایلیٹ کا کنٹرول ہے۔ اور اب ایلیٹ طبقے کو احساس ہوگیا ہے کہ اپنے مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی حل نکالنا ضروری ہے خواہ اس کی قیمت کچھ بھی چکانی پڑے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بحران سے نکلنے کے لیے مالیاتی وسائل نہیں رہے۔ بہرحال میں یہی کہوں گا کہ ہمیں کسی نتیجے کی پیش گوئی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ انسانی عمل اور سیاسی ارادہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ تاہم میں یہ پیش گوئی ضرور کرتا ہوں کہ اگر نیولبرل پالیسیاں جاری رہیں اور افراطِ زر کا عمل جاری رہا تو اب کی بار سچ مچ عالمی نظاماتی بحران آئے گا۔

سرمایہ داری چکروں میں سے گزرتی ہے۔ ان میں باقاعدہ ترتیب ہوتی ہے یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے۔ عام طور پر کساد بازاری کا مرحلہ بدتر ہوتا ہے۔ اس کی وجوہات میں سرمایہ داری کا اندرونی اقتصادی عمل، مہنگی جنگیں، سیاسی جمود یا غیر موزوں سیاسی نظریات ہیں۔ عظیم بحران اور عظیم کساد بازاری دونوں واقعات میں نظریات اہم ترین وجہ تھے۔ بحران کے وقت کوئی متبادل اقتصادی نظریہ موجود نہ تھا اور کساد بازاری کے وقت یہ متبادل نظریہ اپنی وقعت کھو چکا تھا۔ سیاسی اور عسکری عوامل بھی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی پیش گوئی کرنا بہت زیادہ مشکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ بیسویں صدی کی دو خوف ناک عالمی جنگوں نے پیش گوئی کا معاملہ پیچیدہ تر بنا دیا ہے۔ پہلی عالمی جنگ نے بحران پیدا کیا تھا اور دوسری عالمی جنگ معاشی ترقی اور امریکی غلبے کی وجہ بنی۔

امریکی غلبہ اور اس کے مخالفین

یہ ممکن ہے کہ امریکا مستقبل میں سب سے بڑے معاشی بحران سے گزرے۔ والرسٹائن کہتا ہے کہ امریکی طاقت کا عظیم ترین دور ۱۹۴۵ء تا ۱۹۷۰ء تھا۔ اس کے بعد سے مسلسل زوال ہو رہا ہے۔ میں اتنا پر یقین نہیں۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک عالمی قومی پیداوار میں امریکا کا حصہ کم ہوتا رہا کیوں کہ جاپان اور یورپ میں اقتصادی بحالی ہو رہی تھی۔ ۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۰ء تک عالمی پیداوار میں امریکی شراکت کی شرح منجمد رہی کیوں کہ امریکا نے ڈالر کے عالمی کرنسی ہونے کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد سے مزید زوال ہو رہا ہے کیوں کہ انڈیا اور چین کی شرح نمو زیادہ ہو رہی ہے۔ لیکن ڈالر مضبوط ہے۔ امریکا اب بھی کم ترین شرح (دو فی صد) سود پر لامحدود قرض لے سکتا ہے؛ اور اقتصادی پیداواریت اور شرح نمو میں اس نے یورپ اور جاپان سے بہتر کارکردگی دکھائی ہے۔ آئی ایم ایف اور ایچن گرین دونوں کا اندازہ ہے کہ ۲۰۲۰ء تک ڈالر عالمی کرنسی رہے گا۔ عالمی عسکری اخراجات میں امریکی حصہ اڑتالیس فی صد ہے؛ پیٹنٹ، نوبل پرائز، یونی ورسٹیوں اور پاپولر کلچر کے حوالے سے اس کا غلبہ ہے۔ امریکا غالب ہے۔ یہ بات اچھی ہے یا بری، یہ الگ مسئلہ ہے۔

امریکا غالب نہیں رہے گا۔ زوال کا خوف ابھی سے امریکیوں کے سر پر سوار ہونے لگا ہے۔ گزشتہ دس سالوں میں اس کی فوج نے حقیقت میں ہر جگہ شکست کھائی ہے۔ اس کے سیاسی اور نظریاتی تعلقات بحران کے درجے تک پہنچ گئے ہیں۔ سیاست دانوں نے جان بوجھ کر عدم مساوات کو فروغ دیا ہے۔ بڑی بڑی کارپوریشنز کی اعلیٰ انتظامیہ نے اتحاد کر لیا ہے اور تنخواہوں کی مد میں بڑی بڑی رقمیں کما رہی ہے۔ ان چیزوں نے نظریاتی بے گانگی پیدا کر دی ہے۔

www.kitabosunnat.com

اس وقت امریکی نظریاتی بے گانگی کا کوئی سیاسی حل نہیں۔ ری پبلکن پارٹی ملک میں معاشی مسائل کے لیے حکومت کو موردِ الزام ٹھہراتی ہے اور مارکیٹ کی بنیاد پر چلنے والی معیشت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بحال کرنے پر زور دیتی ہے۔ دوسری طرف لبرل ڈیموکریٹس وال اسٹریٹ یعنی بڑے بڑے بینکوں اور کارپوریشنوں پر الزام لگاتے ہیں اور کینزین ویلفیئر ریاست تجویز کرتے ہیں۔ یہ سیاسی صورت حال خوش آیند نہیں ہے۔ امریکا میں اس وقت مشترکہ روایات و اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ سماجی ربط اور پیوستگی بالکل نہیں رہی۔

ری پبلکن پارٹی کہتی ہے کہ عوام پر سخت پابندیاں لگاؤ کیوں کہ ان کے خیال میں امیروں کی خوش حالی روزگار پیدا کرتی ہے۔ لیکن امیر لوگ زیادہ خرچ نہیں کرتے، وہ بچت کرتے ہیں اور زائد سرمایے میں اضافہ اور شرح سود میں کمی کرتے ہیں جس سے صارفانہ قرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے صارفانہ طلب خطرے میں پڑ جاتی ہے جس کی بدولت امریکا نے دولت بنائی۔ یہ پارٹی سائنس کے بھی خلاف ہے جو امریکی مستقبل کے لیے اچھی خبر نہیں۔ معاشی پالیسیوں پر ری پبلکن حضرات میں اتفاق ہے۔ ڈیموکریٹس اندرونی اختلافات کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پالیسی ایجنڈے پر ری پبلکن پارٹی حاوی ہے۔ ری پبلکن لیڈر نظریاتی لیکن عملی طور پر نتیجہ پرست ہیں۔ امریکا میں آزاد مارکیٹ کا نظریہ بہت مقبول ہے۔ امریکیوں کو بہت بڑی ریاست ملی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کی ریاست بہت چھوٹی ہے۔ اس لیے آزاد مارکیٹ کا نظریہ امریکا میں بہت مضبوط ہے۔ عوام اور سیاست دان کارآمد معاشی پالیسیوں پر اتفاق کرنے کے قابل نہیں۔

امریکا کی دوسری کمزوریاں بھی ہیں۔ امریکا میں عسکری اور صحت عامہ کے اخراجات کسی بھی ملک سے زیادہ ہیں۔ عسکری اخراجات دوسرے ملکوں میں چھیڑ چھاڑ اور مداخلت کی وجہ سے ہیں لیکن ان سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور صحت پر کثیر اخراجات کے باوجود شرح اموات میں کمی یا عمر میں طوالت حاصل نہیں ہوئی۔

لہٰذا امریکا کے وسائل میں کمی اور سرکاری قرضوں میں اضافہ جاری رہے گا۔ سماجی طاقت کے چاروں ذرائع میں کمزوریاں امریکا کو ختم کر سکتی ہیں۔ ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ امریکی بہت محنتی اور اختراعی ذہنیت کے مالک ہیں۔ ان کی صنعتیں متحرک رہتی ہیں۔ یہ اپنے نظریاتی، مالیاتی، عسکری اور سیاسی شعبوں میں اتحاد پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو جب ڈالر عالمی کرنسی نہ رہے گا تو امریکیوں کو قرض نہیں ملے گا اور ان کے عسکری اخراجات کم ہو

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے کیوں کہ وہ زیادہ ٹیکس دینے پر راضی نہیں ہوں گے۔ اس صدی کے وسط تک امریکی غلبہ ختم ہو جائے گا اور یہ خاتمہ بہت شرم ناک انداز میں ہوگا۔

لیکن اس سے سرمایہ داری میں نظاماتی بحران لازم نہیں آتا۔ امریکی استعمار کی جانشینی کسی ایک ریاست کو نہیں ملے گی، چین، انڈیا یا کوئی بھی دوسرا ملک اکیلا استعمار نہیں ہوگا۔ اب ان کی شرح نمو شان دار ہے لیکن جب یہ ریاستیں صنعتی دور سے گزریں گی تو ان کی شرح نمو بھی کم ہو جائے گی۔ انہیں بھی بحرانوں کا سامنا ہوگا۔ مستقبل میں کوئی بھی ریاست اتنی طاقت ور نہیں ہوگی جتنی کہ اس وقت امریکا ہے۔ دنیا عالمی قیادت سے محروم ہو جائے گی اور ایک سے زائد عالمی کرنسیاں وجود میں آئیں گی۔ انسان کے لیے یہ صورت حال انوکھی نہیں اور تاریخی طور پر اس سے معیشت پر کوئی برے اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ ماضی میں تباہ کن جنگوں نے یہ صورت حال پیدا کی تھی لیکن موجودہ دور میں بین الریاستی جنگ ماضی کا قصہ لگتی ہے۔ خاص طور پر جب امریکیوں کا جنگی جنون ختم ہو جائے گا۔

جو ملک اس بحران سے متاثر نہیں ہوئے ان کی ترقی سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ اقتصادی طاقت مغرب سے دوسری دنیا بشمول ایشیا میں منتقل ہو رہی ہے۔ ایک امکان یہ ہے کہ امریکا، یورپی یونین، برازیل، چین، انڈیا اور روس کا اتحاد قائم ہوگا اور سرمایہ داری ریاستی سرپرستی میں رہے گی۔

سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کا خاتمہ؟

اب میں طویل المدتی تبدیلی کی بات کرتا ہوں۔ یہاں تک میں نے اس امر میں شک کا اظہار کیا ہے کہ سرمایہ داری میں عمومی قوانین ہوتے ہیں جو باقاعدہ نظاماتی بحرانوں کا باعث بنتے ہیں۔ میں نے ماضی اور حال کے دو بحرانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس تصور کو غلط قرار دیا ہے۔ یہ دونوں بحران عالمی نظام کی کمزوریاں واضح نہیں کرتے بلکہ عالمی سرمایہ داری میں طاقت کے مراکز میں تبدیلی کا اشارہ دیتے ہیں۔

لیکن اس کتاب میں والرسٹائن اور رنڈل کولنز دونوں ہی عالمی سرمایہ داری کے ممکنہ خاتمے کی تصویر کشی کرتے ہوئے ماضی اور حال کے بحرانوں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ سرمایہ دارانہ ترقی کے سیکولر رجحانات کی شناخت کرتے ہیں جو مستقبل میں سرمایہ داری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے خاتمے کا باعث بنیں گے۔ ان کی دلیل یہی ہے کہ سرمایہ داری میں منافع کمانے اور روزگار مہیا کرنے کی حدود ہیں۔ سب سے پہلے مارکیٹوں کی جغرافیائی حدود کی بات کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ ترقی زمین کو مارکیٹوں سے بھر رہی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں نے کم شرح منافع کا حل یہ نکالا تھا کہ انہوں نے اپنی فیکٹریاں ان علاقوں میں لگا لی تھیں جہاں مزدوری سستی تھی۔ اب یہ جغرافیائی فرار ممکن نہیں رہا اور سرمایہ داری کے بحران کی وجہ بن رہا ہے۔ نوکریاں پہلے شمالی امریکا سے جنوبی امریکا میں منتقل ہوئیں پھر لاطینی امریکا پھر چین پھر ویت نام اور یہ عمل افریقہ سے ہوتا ہوا وسطی ایشیا تک جاری رہے گا۔ کولنز بالخصوص اس بات پر زور دیتا ہے کہ مڈل کلاس دنیا کے دوسرے ملکوں میں منتقل ہو رہی ہے۔ لہٰذا جب دنیا کے تمام خطے سرمایہ دارانہ مارکیٹوں سے بھر جائیں گے تو پھر کیا ہو گا؟

والرسٹائن کہتا ہے کہ جب نئی سرمایہ کاری دیہی علاقے میں داخل ہوتی ہے تو تیس سال بعد مزدور اتنے منظم ہو جاتے ہیں کہ اجرتوں میں اضافے کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا جب ہر جگہ مارکیٹ سے پُر ہو گی تو ہر جگہ مزدوری بہت مہنگی ہو گی اور منافع بہت کم ہو گا۔ سرمایہ دار یقیناً اجرتیں کم کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اب ان کا سامنا عالمی طور پر منظم مزدور طبقے سے ہو گا۔ اس سے سرمایہ داری کا عالمی بحران پیدا ہو گا۔ اس کام میں ابھی وقت لگے گا۔ انڈیا اور چین کی بہت بڑی آبادی ابھی تک صنعتی دور میں داخل نہیں ہوئی۔ ان آبادیوں کو صنعتی دور سے گزرنے میں تیس سال کا وقت لگے گا۔ مزید برآں، افریقہ یا وسطی ایشیا میں یہ عمل ابھی شروع ہی نہیں ہوا لہٰذا یہاں مارکیٹ پھیلنے میں اکیسویں صدی ختم ہو جائے گی۔ اس کی آبادی میں اضافہ جاری رہے گا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑی آبادی والا غریب ترین ملک ہو گا۔

یہ ماڈل میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگرچہ سستی مزدوری باقی نہیں رہے گی اور سرمایہ دار اس ذریعے سے منافع کمانے کے قابل نہیں رہیں گے لیکن مزدوروں کی پیداواری صلاحیت میں اضافے سے نئے ترقی یافتہ ملکوں میں صارفانہ طلب کا اضافہ اس نقصان کا ازالہ کر دے گا۔ اس طرح ایک ترمیم شدہ سرمایہ داری پیدا ہو گی جس میں مساوات اور سماجی حقوق سب کو حاصل ہوں گے۔ اس کا مطلب سرمایہ داری کا خاتمہ نہیں بلکہ بہتر سرمایہ داری ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ترقی یافتہ ملکوں میں صارفیت میں اضافہ ہوا تھا۔ انہوں نے غریب ملکوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سستی مزدوری سے اتنا زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ تو یہ عمل مستقبل میں پوری دنیا میں کیوں نہیں ہوسکتا؟

مزید برآں، نئی مارکیٹ کے لیے نئے جغرافیے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نئی مارکیٹ نئی ضرورت پیدا کر کے بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ سرمایہ داری لوگوں کو اس طرح ورغلانے میں بڑی شاطر ثابت ہوئی ہے کہ ہر خاندان میں زیادہ سے زیادہ گاڑیاں ہوں، بڑے سے بڑا گھر ہو اور ہر گھر میں زیادہ سے زیادہ سامان ہو۔ پچاس برس پہلے کس نے سوچا تھا کہ ایک گھر میں چار گاڑیاں ہوں گی؟ پچاس سال بعد ہماری اولادوں کا کیا حال ہوگا؟ ہم یہ تصور نہیں کرسکتے کہ ان میں صارفیت ختم ہو جائے گی۔ اب مارکیٹ خطے میں مقید نہیں اور کوئی بھی نئی مارکیٹ پیدا کی جاسکتی ہے۔ سرمایہ دار نئی ٹیکنالوجی میں سرمایہ لگا کر نئی مارکیٹ پیدا کرتے ہیں اور پرانی ٹیکنالوجی اور پرانی مارکیٹ ختم ہو جاتی ہے۔ جوزف شومپٹر نے اس عمل کو تخلیقی تباہی کا نام دیا تھا۔ عظیم بحران کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بڑی بڑی روایتی صنعتیں متروک ہوگئی تھیں اور نئی ابھرنے والی صنعتیں ابھی اس قابل نہ تھیں کہ موجود سرمایہ اور لیبر کھپا سکیں۔ یہ کام دوسری عالمی جنگ کے بعد ہوا۔

لہٰذا اہم سوال یہ ہے کہ آیا ٹیکنالوجی کا اضطراب پیدا ہو رہا ہے یا ہوگا؟ مائیکرو الیکٹرانکس اور بائیوٹیکنالوجی جیسی نئی صنعتیں فروغ پا رہی ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ابھی تک یہ کوئی قابل اطمینان انقلاب نہیں لاسکیں، خاص طور پر مغرب کی لیبر مارکیٹ میں ایسا نہیں ہو رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نئی صنعتیں عام طور پر سرمایے کی کھپت والی ہوتی ہیں اور ان میں لیبر بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ مینوفیکچرنگ صنعتوں کے زوال نے بے روزگاری پیدا کی جسے نئی صنعتیں کم نہ کرسکیں۔ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل فون کی صنعتیں ماضی کی صنعتوں کی نسبت روزگار اور منافع کم دیتی ہیں۔ غریب ملکوں میں سبز انقلاب زراعت کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے اور اس شعبے میں روزگار بھی پیدا ہوا ہے۔ صحت اور تعلیم کے شعبوں میں بھی وسعت ہوئی ہے اور ان دو شعبوں میں تعلیم یافتہ مڈل کلاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں وسعت جاری رہے گی۔ ان دونوں شعبوں کی وجہ سے بوڑھی آبادی اور تعلیمی افراط میں اضافہ ہوگا۔

رنڈل کولنز کئی منظرنامے پیش کرتا ہے جن میں انسانی معاشرے کم ہوتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزگار کے خلاف لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن وہ ایسے منظرنامے مسترد بھی کر دیتا ہے۔

اس وقت برعکس صورت حال ہے۔ اقتصادی وسعت نے گذشتہ چند دہائیوں میں عالمی روزگار کی شرح میں واقعی اضافہ کیا ہے۔ ۱۹۵۰ء سے ۲۰۰۷ء تک نوکریوں میں اضافے کی شرح چالیس فی صد رہی۔ ادارہ برائے اقتصادی تعاون وترقی (او ای سی ڈی) کے مطابق امریکی پہلے سے زیادہ کام کاج کر رہے ہیں لیکن بے روزگاری کی مطلق تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے کیوں کہ پہلے سے کہیں زیادہ لوگ نوکریوں کے خواہش مند ہیں اور ان میں بڑی تعداد عورتوں کی بھی ہے۔ مغرب میں عورتوں کے لیبر مارکیٹ میں آنے سے روزگار کا بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۷ء تک عالمی شرح بے روزگاری تقریباً چھ فی صد تک رہی۔ عالمی ادارہ برائے محنت (آئی ایل او) کے اعداد وشمار کے مطابق کساد بازاری کے دوران عالمی روزگار میں اضافہ ہوتا رہا اگرچہ اس کی شرح کم تھی اور جغرافیائی لحاظ سے یکسانیت نہ تھی۔ ترقی یافتہ معیشتوں میں ۲۰۰۹ء میں روزگار کی شرح کم ہوئی۔ یورپی یونین میں ۲ء۲ فی صد اور سابقہ سوویت ریاستوں میں ۰ء۹ فی صد کمی ہوئی۔ باقی تمام خطوں میں روزگار کی شرح میں اضافہ ہوا۔ ترقی یافتہ ملکوں میں آبادی کے تناسب سے روزگار کم ہوا لیکن ۲۰۱۰ء تک باقی ملکوں میں یہ شرح نارمل ہو چکی تھی۔ بے روزگاری ایک مغربی (کسی حد تک جاپانی) مسئلہ ہے، عالمی نہیں۔

مغرب کا نقصان باقی دنیا کا فائدہ ہے۔ پوری دنیا مستفید ہوگی۔ ترقی یافتہ ملکوں کی لیبر مارکیٹ میں لیبر کی قلت ہوگی البتہ بے روزگاری نہیں بڑھے گی۔ طویل العمری میں اضافہ جاری ہے اور شرح پیدائش اس حد تک کم ہو گئی ہے کہ آبادی کا تسلسل خطرے میں پڑ گیا ہے۔ یورپ، جاپان اور شمالی امریکا میں خلا پُر کرنے کے لیے مہاجروں کی ضرورت پڑے گی۔ چوں کہ دوسرے ملک ترقی کر جائیں گے اس لیے یہ جغرافیائی تبدیلیاں جاری رہیں گی اور مجموعی طور پر دنیا کی آبادی اکیسویں صدی کے دوسرے نصف میں کم ہونا شروع ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بے روزگاری میں اضافہ نہیں ہوگا (کیوں کہ نوکری کرنے کے قابل افراد کم ہو جائیں گے) اور سرمایہ داری کے خاتمے کی وجہ بے روزگاری نہیں رہے گی۔

بقول کولنز، کوئی معقول وجہ نہیں کہ سرمایہ داری تباہی کا ازالہ کرنے کے لیے تخلیق کی اہل رہے۔ ایک طویل عرصے تک تو ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے برعکس کوئی ضروری وجہ نہیں کہ تخلیقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تباہی ختم ہو جائے۔ کون جانتا ہے کہ ترقی کا عمل کون سی نئی ضرورتیں پیدا کرے گا۔ میں ایک تخلیقی شعبے کی تجویز بعد میں پیش کروں گا۔

لیکن میرے ساتھیوں کی مایوسی بجا ہے۔ سرمایہ داری کے انہدام کی بجائے دو میں سے ایک متبادل پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ پہلا امید افزا منظرنامہ ہے جس میں ساختیاتی بے روزگاری بلند رہے گی اور دو نسبت ایک والا معاشرہ پیدا ہوگا۔ دو تہائی لوگ تعلیم یافتہ، ہنرمند، باقاعدہ برسرروزگار اور خاصے کھاتے پیتے ہوں گے لیکن ایک تہائی غریبوں سے کوئی ہمدردی نہیں دکھائیں گے۔ ان غریبوں کو بے کار، نکمے، قبضہ گیر اور خیرات پر پلنے والے کہا جائے گا۔ کچھ ملکوں میں نسلی اور مذہبی گروہوں کے غریب بہت زیادہ ہوں گے اور انہیں مذہب اور نسل کے نام پر بھی طعنے دیے جائیں گے۔ ان لوگوں کی اولادیں غریب تر ہوں گی، اس طرح امیر اور غریب کا فرق بڑھتا جائے گا۔ امیر لوگ اس فرق کو قائم رکھنے کے لیے ووٹ دیں گے اور غریب لوگ ووٹ ہی نہیں ڈالیں گے۔ پورے مغرب میں فلاح و بہبود یکساں نہیں ہوگی۔ سویڈن اور جرمنی جیسے ملک غریبوں سے اچھا برتاؤ کریں گے جبکہ امریکا جیسے ملکوں سے ایسی امید بالکل نہیں۔ یہ مایوسی بھرا منظرنامہ امریکا میں پہلے ہی موجود ہے اور ماہرین عمرانیات کہتے ہیں کہ یورپ میں بھی یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ مزدور طبقے کی موت ہوگی سرمایہ داری کی نہیں۔ معاشرتی تفریق ویسی ہی رہے گی جیسی کہ تاریخی طور پر رہی ہے البتہ اب سرمایہ دار زیادہ منظم ہیں جب کہ مزدور طبقہ منقسم اور منتشر ہے۔ جب تک مظلوموں میں سے مخالف تنظیم سازی نہ ہو، سماجی ادارے خراب کارکردگی کے باوجود بھی چلتے رہتے ہیں۔

یہ منظرنامہ ابھی واضح نہیں ہے اور بائیں بازو کے لیے بالخصوص پریشان کن ہے کیوں کہ یہ سرمایہ داری کی زیادہ استحصالی شکل ہے جسے چیلنج بھی نہیں کیا جا رہا۔ عالمی بایاں بازو اتنا کمزور کبھی نہ تھا جتنا آج ہے۔ ورلڈ سوشل فورم انقلابیوں کی تنظیم ہے اور اس کا مرکزی دفتر پورتو الجیرے (برازیل) میں ہے۔ جب مغرب کی سرمایہ داری عالمی سطح پر استحصال کر رہی تھی تو غریب ملکوں میں ہونے والے احتجاجی مظاہروں میں یہ فورم ایک زبردست قوت تھا۔ اب غریب دنیا ترقی تو کر رہی ہے لیکن اس کا مجموعی ربط ختم ہو رہا ہے۔ یہ بات آب و ہوا کی تبدیلی کے متعلق مباحثوں سے واضح ہے جن میں چین، انڈیا اور برازیل نے مغرب اور جاپان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ ملا لیے ہیں۔

دوسرا متبادل منظر نامہ زیادہ امید افزا ہے۔ اس کے مطابق پوری زمین سرمایہ دارانہ مارکیٹوں سے بھر جائے گی اور منافع اور ترقی کی شرح کم ہو جائے گی۔ لیکن اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ سرمایہ داری کم شرح ترقی کے ساتھ مستحکم اور مستقل ہو جائے گی۔ بلاشبہ یہ بات نئی نہ ہو گی۔ سرمایہ داری میں اہم موڑ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں برطانیہ میں آیا تھا تاہم برطانیہ کی شرح نمو کسی بھی سال دو فی صد سے نہیں بڑھی۔ برطانیہ کی کامیابی ایک طویل مدت تک ایک فی صد سے بھی کم شرح نمو کی تاریخ رکھتی ہے۔ تاہم بیسویں صدی میں یہ رفتار تیز ہو گئی۔ جنگوں کے دوران کامیاب ترقی یافتہ ملکوں (جاپان، اس کی کالونیاں اور سوویت یونین) نے تاریخی طور پر چار فی صد کی بے مثال شرح نمو حاصل کی اور بیسویں صدی میں چین اور انڈیا کی شرح نمو آٹھ فی صد تک پہنچ گئی۔ اگرچہ یہ شرح نمو دو عشروں تک برقرار رہی لیکن اس میں کمی ناگزیر ہے۔ افریقا اور وسطی ایشیا اس سے بھی بہتر ترقی کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں ایک فی صد کی کم ترین کامیاب برطانوی شرح پر آنے میں بہت وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ امریکی اور یورپی شرح نمو زیادہ جلدی کم ہو جائے لیکن حالیہ کساد بازاری میں بہت کم ملکوں میں منفی شرح نمو رہی اور وہ بھی ایک دو سال کے لیے۔ ایک فی صد شرح نمو سرمایہ دارانہ بحران کیوں ہو گا؟ سرمایہ داری کم شرح نمو والے نظام کے طور پر جاری کیوں نہیں رہ سکتی جب کہ تاریخ میں ایسا ہی ہوا ہے؟ بیسویں صدی (مغرب میں ۱۹۴۵ء تا ۱۹۷۰ء اور مشرق میں اخیر صدی میں) استثنا سمجھی جائے۔ یہ کم شرح نمو سٹہ بازوں کا کردار کم اور مالیاتی سرمایے کی توقیر گھٹا دے گی، اس طرح کساد بازاری کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ بلاشبہ پوری دنیا میں لیبر کے حالات بہتر ہو رہے ہیں اور یہ اچھی خبر ہے۔ تو پوری انسانیت منجمد معیشت والی حالت میں رہ سکتی ہے جس طرح جاپانیوں نے بیس سال اسی حالت میں گزارے۔ سرمایہ داری کا مستقبل ہلچل والا نہیں بلکہ بوریت والا ہو گا۔

اگر مجھے مجبور کیا جائے کہ میں دونوں سے کسی ایک منظر نامے کے واقع ہونے کا امکان پیش کروں تو میں دونوں کا مخلوط منظر نامہ منتخب کروں گا جس میں پوری دنیا کے حالات ایک جیسے ہوں گے اور قومی آبادیوں کا دس سے پندرہ فی صد بے روزگار رہے گا اور شاید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انیسویں صدی کے صنعتی دور جیسے حالات ہوں۔ مجھے انقلاب کی زیادہ توقع نہیں۔

انقلابی تبدیلی میں ایک اور رکاوٹ بھی ہے۔ سرمایہ داری کے کمیونسٹ اور فاشسٹ متبادل تباہ کن ثابت ہوئے تھے اور ابھی تک تو یہ دو متبادل ہی سامنے آئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی متبادل فی الوقت موجود نہیں اور کمیونسٹ اور فاشسٹ متبادل کسی کو بھی پسند نہیں۔ سوشل ازم خواہ انقلابی ہو یا ترمیمی، کبھی بھی کمزور نہیں رہا۔ بنیاد پرست عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور اسلام دنیا کے تیزی سے ابھرتے ہوئے نظریات ہیں لیکن ان میں مادی نجات کے ساتھ ساتھ اخروی نجات کی فکر موجود ہے۔ دنیاوی متبادل والے نظریات بیسویں صدی ہی میں ناکام ہو گئے تھے۔

غریب ملکوں کے عالمی معیشت میں آنے سے ہم سوشلسٹ یا ان جیسی تحریکوں کے آغاز کی توقع کر سکتے ہیں لیکن یہ تحریکیں بھی تبدیل ہو جائیں گی۔ کوئی بھی جدید سماجی انقلاب جنگ اور اقتدار پلٹے بغیر نہیں آیا۔ بیسویں صدی کے دو بڑے انقلاب (روسی اور چینی) عالمی جنگوں کی وجہ سے آئے۔ شکر ہے کہ دنیا میں جنگ کا رجحان کم ہو رہا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ریاستوں کے مابین جنگیں امریکا کروا رہا ہے۔ اس وقت دنیا میں کہیں بھی چھوٹی یا بڑی کوئی سرمایہ دارانہ مخالف تحریک نہیں ہے۔ انقلاب آتا نظر نہیں آتا۔ انقلابی سوشل ازم کے لیے تو خاتمہ بالکل قریب ہے۔

بائیں بازو کا مستقبل سوشل ڈیموکریسی یا لبرل ازم ہے۔ آجر اور مزدور سرمایہ دارانہ روزگار کی ناانصافیوں پر لڑتے رہیں گے اور اس کا نتیجہ سمجھوتا اور ترمیم ہوگا۔ ترقی پذیر ممالک بیسویں صدی کے مغرب کی طرح مساوات پسند سرمایہ داری کے لیے جدوجہد کریں گے۔ کچھ ملک دوسروں کی نسبت زیادہ کامیاب ہو جائیں گے جیسا کہ مغرب میں ہوا۔ چین شدید ترین مشکلات میں ہے۔ اس کی مثالی ترقی یکساں طور پر تقسیم نہیں ہوئی جس کی وجہ سے احتجاجی تحریکیں شروع ہو گئی ہیں۔ یہاں انقلابی ہلچل ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ کامیاب بھی ہوئی تو اسے بہت سے مسائل کا سامنا ہوگا کیوں کہ چین کی معیشت پر عسکری اور صحت عامہ کے اخراجات کا بوجھ بہت زیادہ ہے؛ اس کے عوام بدعنوان اور بے کار ہیں؛ تنگ نظر لوگ سائنس اور سوشل سائنس کے خلاف ہیں۔ دوسری طرف امریکا کی اخلاقی برتری کے دعوے کھوکھلے ہیں۔ اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ کہ امریکی زوال تیز تر ہو گا۔

دنیا کا خاتمہ؟

میں نے اب تک جن منظرناموں کا خاکہ بیان کیا ہے، ہو سکتا ہے ایسا کچھ بھی نہ ہو کیوں کہ دو عالمی جنگوں سے بھی زیادہ بڑے دو ممکنہ بحران میری نظر میں ہیں۔ دونوں بالکل نئے ہیں اور دونوں صحیح معنوں میں عالمی اور نظاماتی ہوں گے۔ انہیں ریاستی یا علاقائی سرحدوں میں قید نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ تمام انسانوں کے لیے مشترکہ ہیں۔

پہلا خطرہ ایٹمی جنگ کا ہے۔ اس خطرے کی شدت اندازے سے بالکل باہر ہے کیوں کہ اس کا انحصار واقعات کے ایک سلسلے سے ہے اور ان میں سے کوئی ایک نہیں بھی ہو سکتا۔ اب تک دو طاقت ور ریاستوں کے مابین ٹکر ہوتی رہی ہے۔ پہلے امریکا (اور اس کے برطانوی اور فرنچ اتحادی) سوویت یونین کے خلاف پھر انڈیا اور پاکستان (جسے چین کی حمایت حاصل ہے)۔ ان صورتوں میں باہمی تباہی یقینی تھی اس لیے جنگ سے گریز ہی کیا جاتا رہا۔ نیوکلیائی پابندیوں سے کچھ فائدہ ضرور ہوا۔

تاہم جب دو سے زیادہ طاقتیں پیچیدہ تنازعات میں پڑتی ہیں تو نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ دونوں عالمی جنگوں میں کثیر طاقتی تنازعات کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے کے عزائم کا اندازہ نہ لگا سکے۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کے پاس نیوکلیائی ہتھیار ہیں، ایران اس منزل کے قریب ہے، اس سے ہمسایہ طاقتیں بھی اس دوڑ میں شریک ہو سکتی ہیں۔ یہ چیز مشرقِ وسطیٰ، ہمسایہ ملکوں، عالمی تیل کی سپلائی بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرناک ہو گی۔ اسلحے کی دوڑ کا سرمایہ داری سے کچھ خاص تعلق نہیں۔ اگر نیوکلیائی جنگ ہوئی تو بچ جانے والے سرمایہ داری پر زیادہ الزام نہ دھریں گے۔ ہو سکتا ہے ایران کو نیوکلیائی ہتھیار حاصل نہ کرنے پر قائل کر لیا جائے، ہو سکتا ہے سعودی عرب، عراق اور ترکی نیوکلیائی اسلحہ کی دوڑ میں شریک نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے انسان کی عقل میں یہ بات آ جائے کہ نیوکلیائی ہتھیار رکھنا عقل مندی نہیں۔ تاہم ممکنہ منظرنامہ یہ بھی ہے کہ نیوکلیائی ہتھیار دہشت گردوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ کچھ دہشت گرد اخروی مقاصد رکھتے ہیں اس لیے پیش گوئی کون کر سکتا ہے؟ ان کے نظریات خطرناک ترین ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے نظاماتی بحران کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ آب و ہوا بدل رہی ہے۔ ہوا، پانی اور سمندر گرم ہو رہے ہیں اور درجہ حرارت میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ انسانی سرگرمیاں ہیں۔ یہ خطرہ عالمی ہے کیوں کہ گرین ہاؤس گیسیں کہیں سے بھی خارج ہوں ہر جگہ لوگوں کو متاثر کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خوراک اور پانی کی قلت، قطبی اور ٹنڈرائی برف کا پگھلنا، سمندری پانی کی آلودگی اور علاقوں کے ڈوبنے جیسی تباہیاں بھی ہیں۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے پہلے ہی لاکھوں لوگ مر رہے ہیں اور آنے والے بیس سے تیس برسوں میں چند ایک غریب ملکوں کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔ بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ ترقی کا رخ تبدیل کر دیا جائے۔

اگر انسانیت ماحولیاتی خرابیوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو اسے تین بڑے اداروں کو مکمل طور پر تبدیل کرنا پڑے گا، ان تینوں اداروں نے گذشتہ صدی میں کامیابی حاصل کی ہے۔ پہلا سرمایہ داری ہے کیوں کہ اس وقت دنیا میں پیداوار کا غالب طریقہ یہی ہے۔ ریاستی سوشل ازم بھی اپنے عروج کے دور میں ماحول کے لیے تباہ کن تھا۔ انقلابی ماہرین ماحولیات کے بقول ہمیں معاشرے کو منافع کی چکی سے نکالنا ہوگا۔ یہ کام کاروبار کو ریاستی لگام ڈال کر یا ٹیکس لگا کر یا سرمایہ داروں کو کم آلودگی والی صنعتوں کی طرف راغب کر کے کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسی پالیسیوں پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا تو سرمایہ داری باقی رہے گی۔ یہ تخلیقی تباہی کا دوسرا مرحلہ شروع کر سکتی ہے جس میں کم آلودگی والی ٹیکنالوجی منافع اور روزگار پیدا کرے گی۔ کچھ کاروباری پہلے ہی متبادل شعبوں میں سرمایہ کاری کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ اگر متبادل توانائی والی ٹیکنالوجی عام ہو گئی تو روزگار پیدا ہونے لگے گا۔ کوپن ہیگن سے شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق اس شعبے میں روزگار پیدا ہونے کے لیے کچھ شرائط ضروری ہیں: تیز ترین ٹیکنالوجی اختراعیت، اشیائے پیداوار کا سستا ہونا، عالمی سطح پر یکساں سبز پالیسیوں کا نفاذ اور قومی صنعتوں کا تحفظ وغیرہ۔ ٹیکس پالیسی کی مدد سے بھی روزگار پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر ناقابل تجدید وسائلِ توانائی استعمال کرنے والے کاروبار پر ہی ٹیکس لگائے جائیں تو لیبر بھرتی کرنے کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ یہ تخلیقی تباہی کا اگلا مرحلہ ہوگا۔ یہ فوسل فیول صنعتوں کی یقینی تباہی ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف سرمایہ داری ہی کو نہیں بلکہ قومی ریاست کی ترقی کے جنون کو بھی لگام ڈالنی چاہیے۔ تمام قومی ریاستیں قومی کامیابی کی پیمائش جی ڈی پی میں اضافے سے کرتی ہیں اور جی ڈی پی میں اضافہ ماحولیاتی تباہی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سیاسی مقتدر طبقے کو لگام ڈالنی چاہیے جس کا ماننا ہے کہ اس کی طاقت کی بقا ایک انتخابی دور کی قلیل المدت ترقی میں مضمر ہے۔ کم آلودگی والا دورِ اقتدار قلیل المدتی ترقی کم اور طویل المدتی ترقی میں اضافہ کرے گا کیوں کہ طویل مدت میں موجودہ کاروبار انسان اور زمین دونوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ لیکن طویل مدت کس نے پائی ہے؟ سیاست دان اور عوام دونوں مر جائیں گے۔ مزید برآں، سیاست دان اور ووٹ ڈالنے والے ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں قومی ریاست کی حاکمیت اور خودمختاری میں کمی کی شدید مخالفت کی جاتی ہے۔ پابندیاں عالمی سطح پر لگنی چاہئیں تاکہ بین الریاستی معاہدوں کے ذریعے قومی ریاست کی حاکمیت اور خودمختاری محدود کی جا سکے۔

ہوسکتا ہے کہ ماحولیاتی تحریکیں بالآخر سرمایہ داروں، سیاست دانوں اور عوام کو اس بات پر قائل کرلیں کہ آلودگی کم کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں۔ ہوسکتا ہے یورپی یونین پہلا قدم اٹھاتے ہوئے قومی خودمختاری کی رکاوٹ عبور کرے کیوں کہ اس نے دوسرے شعبوں میں ایسا کیا ہے۔ لیکن اس کام کے ساتھ ساتھ ہمیں تیسری چیز یعنی صارف شہری کو بھی لگام ڈالنی چاہیے۔ صارفانہ شہریت میں لوگ زیادہ سے زیادہ اقتصادی ترقی طلب کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے تسکین حاصل کریں اور اسے شہری کا حق سمجھا جاتا ہے۔ تباہی سے بچنے کے لیے عام شہریوں کو اپنا طرزِ زندگی بدلنا پڑے گا لیکن تباہی جب تک واقعی آنہیں جاتی تب تک تصوراتی اور بہت دور لگتی ہے۔

دورِ جدید کی تین بڑی فتوحات یعنی سرمایہ داری، قومی ریاست اور شہری حقوق مالیاتی بحران کے ذمہ دار ہیں۔ یہ کڑیاں معیشت سے نکلتی ہیں اور سیاسی طاقت کے تعلقات انہیں جوڑتے ہیں۔ مسئلہ سرمایہ داری سے بہت بڑا ہے۔ مستقبل کی خاطر ان تینوں فتوحات کو چیلنج کرنا پڑے گا اور شاید یہ کام ناممکن ہے۔ اگر کامیابیاں برقرار رکھنی ہیں تو سرمایہ دارانہ رجحانات کو کم ترقی کی طرف لے جانا ہوگا۔ عالمی معاہدوں کے ذریعے سخت سیاسی پابندیاں لگائی جائیں۔ یہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارکیٹ سے ریاست کی طرف نئی مراجعت ہوگی جو سوشلسٹ نہیں بلکہ بین الریاست اجتماعیت ہوگی۔ فی الحال ایسا ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے۔ امریکا اس قسم کی کوشش شروع کرنے پر تیار نہیں، نہ صرف یہ کہ راضی نہیں بلکہ مستقبل میں بھی ذرا بھی آلودگی کم کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ چین اس پر تیار ہے اور اس کے پارٹی حکمران دباؤ ڈال سکتے ہیں لیکن ان کی کوششوں پر چینی صنعت کاری کا دباؤ بہت ہے۔ یہی حال انڈیا اور کامیابی سے صنعت کاری کی طرف جاتے ہوئے دوسرے ملکوں کا بھی ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ اکیسویں صدی کے وسط میں جب ماحولیاتی تباہی ہمیں سخت نقصان پہنچانے لگے گی تو اس سے بچاؤ کی تدابیر پھر شروع ہوں گی۔

ماحولیاتی پہلو مایوس کن ہے۔ شاید ٹیکنالوجی میں کوئی موڑ آئے۔ اس وقت شمسی اور ہوائی توانائی اس قابل نہیں کہ موجودہ توانائی کی جگہ لے سکیں، شاید مستقبل میں ممکن ہوجائے۔ کم آلودگی والی صنعتیں چلانے والے سرمایہ دار غالب آجائیں، شاید کاروباری لوگ اور سائنس دان مل کر گرین ٹیکنالوجی کے ذریعے نئی قسم کی تخلیقی تباہی کا دور شروع کریں۔ اس وقت ان امکانات میں سے کوئی بھی نظر نہیں آرہا۔ اگر سرمایہ داری کا بحران جاری رہا اور عالمی پیداوار کم ہوتی رہی تو آلودگی والی صنعتیں زوال پذیر ہوجائیں گی۔ اس کے برعکس اگر سرمایہ داری، قومی ریاست اور صارف شہریوں کو لگام ڈالی دی گئی تو عالمی سطح پر قومی پیداوار میں کمی ہوگی اور سب لوگ صفر شرح ترقی پر مطمئن اور متفق رہیں گے۔ ہر مصیبت میں روشنی کی کرن ہوتی ہے۔

لیکن اگر بروقت کام نہ کیا گیا اور ماحولیاتی تباہی نے سخت ضرب لگانا شروع کردی تو امید افزا منظرنامہ یہ ہوگا کہ دنیا کی ریاستیں سرمایہ داری، ریاستوں اور شہریوں پر سخت تحدیدات لگانے کے لیے مربوط عمل کریں گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تباہی کے منظرنامے سوچے جاسکتے ہیں۔ کچھ ریاستیں پسندیدہ ہوں گی، دنیا کے شمال میں ریاستیں امیر تر ہوں گی اور باقی دنیا کے خلاف قلعہ بند سرمایہ داری، قلعہ بند سوشل ازم یا ماحولیاتی فاشزم پیدا ہوگا۔ مہاجرین کی بڑی تعداد قحط سے مرجائے گی اور وسائل کے لیے جنگیں لڑی جائیں گی۔ ہماری آنے والی نسلیں اپنے دور کو سوشلسٹ، فاشسٹ، سرمایہ دارانہ کہیں یا کچھ اور، ان کی بنیادی خصوصیت بغض ہوگی۔ یہ پیش گوئی کرنا ناممکن ہے کہ ایسے حالات پیدا ہوئے تو انسان کیا کرے گا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ: خاتمہ قریب ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی

میں نے متبادل منظرناموں کا ماڈل پیش کیا ہے جو میرے خیال میں مستقبل کی بہتر تصویر کشی کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں یہ بتانے میں کامیاب رہا ہوں کہ جدید معاشرہ اور جدید سرمایہ داری کوئی نظام نہیں ہیں۔ یہ طاقت کی مختلف النوع اجتماعیتوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ طاقت کے ان ذرائع میں نظریاتی، معاشی، عسکری اور سیاسی زیادہ اہم ہیں۔ مستقبل میں کچھ چیزیں دیگر کی نسبت زیادہ واضح ہیں۔ ایک یہ کہ امریکا کا عالمی غلبہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کی عسکری طاقت قومی مفادات کا ہدف حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی۔ یہ ناگزیر ہے۔ استعماریت کا خاتمہ قریب ہے۔ اگر سماجی طاقت کے چاروں ذرائع کے زوال کا سدباب نہ کیا گیا تو بہت سی کمزوریاں مل کر امریکی طاقت کو مزید گہرائی میں ڈبوئیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یورپی یونین بھی خطرے میں ہے اگرچہ اس کی موجودہ مشکلات صرف ایک سیاسی مسئلے کا نتیجہ ہیں اور وہ ہے یورو کی سیاسی حمایت کی کمی۔ یورپ کے مسائل کا حل اسی ایک مسئلے کے حل میں ہے اور یہ مسئلہ معاشی نہیں بلکہ سیاسی و نظریاتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ طاقت مغرب سے دنیا کے کامیاب حصوں میں منتقل ہوتی رہے گی اور اس عمل میں سرمایہ داری پر سیاسی پابندیاں لگیں گی۔

دیگر منظرنامے دھندلے ہیں۔ اگر ہم سرمایہ داری کو تخلیقی تباہی کے عمل کے طور پر دیکھیں تو تخلیق ترقی پذیر دنیا کے حصے میں آئے گی جب کہ مغرب کے حصے میں تباہی آئے گی۔ طاقت کا کثیر المرکزی نظام آنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ معیشت سے نکلنے والی قوتیں غالباً سرمایہ داری کے عالمی بحران کا باعث نہ بنیں گی۔ اگر دنیا میں طاقت کی مساوی تقسیم ہوئی تو اقتصادی ترقی کا عمل سست ہو جائے گا جس سے مستحکم، خوش حال مگر کم شرح نمو والی سرمایہ دارانہ معیشت پیدا ہو گی۔ یہ دنیا کے لیے خوش آیند بات ہو گی سوائے اس دس تا پندرہ فی صد آبادی کے جسے خارج کر دیا جائے گا۔

تاہم یہ تمام منظرنامے دو عالمی بحرانات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ نیوکلیئر جنگ کی وجہ نظریاتی ہے جو سرمایہ داری سے باہر ہے اور ماحولیاتی تبدیلی سرمایہ داری سے بہت بڑی ہے۔ ان دونوں میں [illegible] ئی ایک بھی سرمایہ داری کا ہی نہیں بلکہ انسانی تہذیب کا بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاتمہ کر دے گا۔ اس زمین کے وارث کیڑے مکوڑے ہوں گے۔

بہر حال کوئی شے ابدی نہیں اور انسان کوئی بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ انسانیت اپنا بہتر یا بدتر مستقبل منتخب کرنے میں آزاد ہے اس لیے مستقبل کی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ بعض اوقات ہم عاقلانہ فیصلے کرتے ہیں، بعض اوقات جذباتی، نظریاتی اور غیر عقلی فیصلے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سرمایہ داری یا دنیا کے مستقبل کی پیش گوئی نہیں کر سکتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

25468

۳۔ کمیونزم کیا تھا؟

جارجی درلوگاں

سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کی ممکنہ موت پر بحث کرنے والی کتاب میں کمیونسٹ ریاستوں کا تذکرہ کرنے کی کئی واضح وجوہات ہیں۔ بہت سے لوگ ابھی تک کمیونزم کو سرمایہ داری کا بہترین متبادل سمجھتے ہیں لیکن اس کی وحشت ناکیوں سے بھی ڈرتے ہیں۔ کم واضح وجوہات بھی ہیں۔ سوویت بلاک کا انہدام منطقی سمجھ لیا گیا کیوں کہ کمیونزم کا غیر موثر اور ظالمانہ ہونا سب پر واضح ہو گیا تھا۔ تاہم پچپاس اور ساٹھ کی دہائی میں غالب رائے عامہ سوویت یونین کی غیر معمولی عسکری اور سیاسی طاقت کی تعریف اور اس سے خوف زدگی پر مبنی تھی اور بہت سے ماہرین اس کی قومیت کے مسئلے کو مسئلہ نہیں سمجھتے تھے۔ اسّی کی دہائی میں گورباچوف کے دورِ اقتدار میں مشرق و مغرب کے بہت سے لوگ ماسکو سے طلوع ہونے والی انسانیت نوازی قبول کرنے پر تیار نظر آتے تھے۔ آج چینی مارکیٹ کی ترقی کو سرمایہ داری کی سب سے بڑی فتح اور مستقبل کی امید کے طور پر خوش آمدید کہا جا رہا ہے اور کمیونسٹ پارٹی کے حمایتی سرمایہ کاروں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کمیونزم واقعی ختم ہو چکا ہے؟

تاہم سوویت یونین ضرور منہدم ہو چکا ہے۔ اپنے آخری دور میں سوویت یونین ترقی یافتہ صنعتی معاشرہ بن چکا تھا اور اس پر کارپوریٹ اجارہ داروں کی حکمرانی تھی۔ شاید یہ بات ہمیں زیادہ تجربی شہادت فراہم کرتی ہے کہ ترقی یافتہ مغربی سرمایہ داری کا انہدام کس شکل میں ہوگا۔ کیا غیر سرمایہ دارانہ انقلاب ۱۹۱۷ء کا انداز اختیار کرے گا یا ۱۹۸۹ء کی شہری تحریکوں سے مشابہ ہوگا؟ یہی سوال ہمیں اس کتاب میں سوویت یونین کا تجزیہ پیش کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اس کتاب میں دو مصنفوں والرسٹائن اور کولنز نے سرمایہ داری کے خاتمے کی پیش گوئی کی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں انہوں نے روس میں کمیونزم کے خاتمے کی پیش گوئی کی تھی۔

میں نے ۱۹۸۷ء میں موزمبیق کے روسی سفارت خانے میں امریکی شہری والرسٹائن سے ملنے کا ارادہ کیا تو روسی خفیہ ایجنسی نے مجھے اس ملاقات کی اجازت نہ دی۔ میں نے خفیہ طور پر والرسٹائن سے ملنے کا بندوبست کیا۔ سرد جنگ کے شکار ایک افریقی ملک میں روسی افسر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور امریکی اسکالر سے خفیہ ملاقات کرنا ایسے ہی تھا جیسے کوئی متجسس قاری کوئی ممنوعہ کتاب کھولنے جا رہا ہو۔ سوویت افسران والرسٹائن کی نیو مارکسی تھیوری کو مارکس ازم سے ارتداد قرار دیتے تھے۔ میری پریشانی بھانپتے ہوئے والرسٹائن نے مشفقانہ پیش گوئی کی: پرسکون رہو، تم سوویت لوگ جلد ہی آزاد ہو کر پوری دنیا میں گھوم پھر سکو گے، اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ تمہیں اس بات سے کوئی خوشی ہو گی۔ میری بے یقینی دیکھتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا: آخر تم کس بنیاد پر یہ توقع کر رہے ہو کہ ۷ نومبر ۲۰۱۷ء کو ماسکو کے ریڈ اسکوائر پر فوجی پریڈ ہو گی؟ اس واقعے کی سوویں سال گرہ جس کا نام بھی تم بھول چکے ہو گے! اس پیش گوئی پر میرے ذہن میں جو لفظ آیا وہ تھا: مضحکہ خیز!

۱۹۸۰ء میں کولمبیا یونی ورسٹی کی رشین انسٹی ٹیوٹ میں رنڈل کولنز کے لیکچر پر سامعین کا ردِعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اس مہمان ماہر سماجیات نے سوویت دانوں کو بتایا کہ اس کے ریاضیاتی ماڈل کے مطابق ان کے مطالعے کا موضوع یعنی سوویت یونین بہت جلد غائب ہو جائے گا۔ امریکا ابھی تک ویت نام جنگ کے زخم چاٹ رہا تھا، معاشی ابتری اور ایرانی یرغمالیوں کا بحران بھی تھا۔ رونالڈ ریگن اس دعوے کی بنیاد پر صدارتی انتخاب لڑ رہا تھا کہ امریکا نیوکلیائی اسلحے کی دوڑ میں خطرناک طور پر سوویت یونین سے پیچھے رہ گیا ہے۔ دنیا کو کمیونسٹ برائی سے بچانے کے لیے اسلحہ کی وسیع پیمانے پر پیداوار کی ضرورت ہے۔ ادھر امریکی سفیر کا بیٹا کولنز کہہ رہا تھا کہ نیوکلیائی اسلحہ میں تخفیف کی جائے۔ یہ مہربان تجویز محض تخلیاتی بہلاوا نہیں تھا بلکہ میکس ویبر کی جغرافیائی سیاسی تھیوری سے ماخوذ تھا۔

رنڈل کولنز کے ویبرین ماڈل میں سوویت یونین ارضی سیاسی طاقت کے پانچوں اصولوں پر منتج رہا۔ اہم بات یہ معلوم کرنا تھا کہ سوویت یونین کا انہدام کس انداز میں ہو گا؟ اسی ماڈل کے مطابق ۱۹۸۰ء میں امریکا کو زوال کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے دنیا اور امریکی سکیورٹی کے لیے اولین ترجیح یہی تھی کہ زوال پذیر سوویت یونین کے ساتھ نیوکلیئر جنگ سے گریز کیا جائے۔ ماضی کی سلطنتوں کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ جب ریاست بہت زیادہ وسیع ہو جاتی ہے تو اس کا انہدام بہت جلدی ہوتا ہے۔ طاقت کی جنگ میں چھوٹے فریق ختم یا غیر اہم ہو جاتے ہیں اور صرف دو بڑے حریف اور ان کے اتحادی باقی بچتے ہیں۔ پھر ساختیاتی طور پر کمزور سلطنت یا تو علیحدگی پسند سیاست دانوں اور جرنیلوں کی بغاوت سے تباہ ہو جاتی ہے یا پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتہائی دہشت ناک جنگ ہوتی ہے۔

سوویت دانوں کو اس تھیوری پر یقین نہ آیا۔ کولنز کا تجزیہ قدیم اور وسطی عہد کی سلطنتوں کی تاریخ پر مبنی تھا۔ اس کی تھیوری پولینڈ، نکاراگوا، افغانستان یا روس کے بارے میں کیسے واضح ہو سکتی تھی۔ مزید برآں سوویت یونین کے انہدام کی تاریخ بڑی مبہم تھی۔ میکروسوشیالوجیکل پیش گوئیاں بہت عمومی ہوتی ہیں۔ یہ ساختیاتی دراڑ کی سمت بتا سکتی ہیں اور کسی حد تک رفتار بھی۔ کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل بعید میں کون کیا ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سوویت یونین کے متعلق پیش گوئیاں بہت کم مدت میں بہت بھیانک انداز میں پوری ہو گئیں۔

سوویت یونین کے متعلق جو کچھ اب ہم جانتے ہیں اس سے والرسٹائن اور کولنز کی پرانی پیش گوئیوں کا کیا تعلق ہے؟ سرمایہ داری کے امکانات پر موجودہ بحث تقاضا کرتی ہے کہ اس کے گذشتہ متبادل کمیونزم کی وضاحت کی جائے۔ لیکن ہمارے مطالعے کا موضوع نظریاتی گرد وغبار سے دھندلا چکا ہے۔ لہٰذا کمیونزم کے عروج و زوال کی بامعنی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ کمیونزم کو وسیع تر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔

روسی جیو پولیٹیکل پلیٹ فارم

روسی سلطنت کے ملبے پر تعمیر ہونے والا اصل کمیونسٹ انقلاب ایک بعید از قیاس تاریخی حادثہ تھا۔ تاہم یہ مغرب میں سرمایہ داری کے آغاز سے زیادہ بعید از قیاس نہ تھا یا کم از کم اتنی بڑی سماجی تبدیلی کی توقع نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بالشویک انقلاب ایک مجنونانہ واقعہ تھا۔ تاریخی حادثات دراصل بحران کے لمحات میں ظاہر ہونے والے ساختیاتی مواقع ہوتے ہیں کیوں کہ ان حالات میں پچھلی تحدیدات ختم ہو جاتی ہیں۔ تخلیقیت اور بصیرت انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں جو نئے ظاہر ہونے والے ساختیاتی مواقع اور تحدیدات کے موقعہ پر سرانجام دیے جاتے ہیں۔ جو لوگ دور اندیشی سے کام نہیں لیتے ان کے لیے متبادلات سوچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ دور اندیش لوگ نئے امکانات دریافت کرتے ہیں اور اپنے عمل کے ذریعے امکانات کو حقیقت میں بدل دیتے ہیں۔ ناممکن ممکن اور ممکن ناممکن بن جاتا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں بالشویک عروج نے روس میں لبرل ڈیموکریسی کا امکان ختم کر دیا۔ اس نے اس وقت روس کے فاشسٹ بننے کا امکان بھی ختم کر دیا۔ لینن اور اس کے ساتھیوں کے چھوٹے سے گروہ نے روس کی تاریخ بدل دی اور ۱۹۱۷ء کے بعد پوری دنیا تبدیل ہو گئی۔ البتہ علت و معلول کا عمل الٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمت میں بھی ہوتا ہے۔ یہ بہت اہم بات تھی کہ کمیونسٹ انقلابیوں نے روس ہی پر قبضہ کیوں کیا؟ اٹلی، میکسیکو یا چین پر قابض کیوں نہ ہوئے۔

روس کی سیاسی و جغرافیائی اہمیت جاننے کے لیے ہمیں تاریخ کے اس دور میں جانا پڑے گا جب روسی سلطنت کی شکل واضح ہوئی۔ یہ وقت جدید دور کے آغاز یعنی ۱۵۰۰ء سے ۱۵۵۰ء کے درمیان کا ہے۔ اگر معاصر سیاسی ماہرین کی رائے لی جائے تو وہ بحرالکاہل اور بحرمنجمد کے درمیان نئی سلطنتوں کے جنم کی طرف اشارہ کریں گے۔ یہ ماہرین یوریشیا کی شمال مغربی وسعتوں میں پروٹسٹنٹ ریفارمیشن کا تذکرہ نہیں کریں گے اور شاید یہ امریکا کی دریافت کا بھی ذکر نہ کریں۔

مِنگ دور کا چین یقیناً دنیا کی سب سے بڑی مینوفیکچرنگ اور جغرافیائی طاقت تھا۔ ۱۵۰۰ء کے بعد مغلوں نے متحدہ ہندوستان پر اپنا شاہی راج مسلط کیا۔ اسی دور میں ایران میں صفویوں کا عروج تھا، عثمانی ترک مشرقی رومن سلطنت پر حقِ وراثت جتا رہے تھے اور ہسپانوی ہیپسبرگ مغرب میں کیتھولک سلطنت تعمیر کرنے میں مصروف تھے۔ تقریباً ہر جگہ دورِ وسطیٰ کا اختتام ہوگیا تھا۔ نیا نظام وسیع سلطنتوں کے ذریعے قائم ہو چکا تھا، مزید جدتیں اسے مضبوط کر رہی تھیں، زرعی اور دست کاری تکنیک جدت اختیار کر گئی تھی، بیوروکریسی ٹیکس اکٹھے کر رہی تھی، مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نئی نئی بندوقیں آ رہی تھیں۔

روس اس بڑی تصویر سے باہر تھا۔ اس سے روس کو کئی فائدے حاصل ہوئے۔ زار کی سلطنت اپنی جغرافیائی تنہائی کی وجہ سے مضبوط ترین حریفوں سے محفوظ تھی۔ مغرب میں جرمنی اور جنوب میں ترکی دونوں اس سے بہت دور تھے۔ اس دوران آتشیں اسلحے نے خانہ بدوش بہادروں اور شریف کاشت کاروں کے مابین توازن ختم کر دیا تھا۔ سولہویں صدی کے روس نے وسیع و عریض زرخیز کھیتوں میں کاشت کاری کے لیے سلاوی کسانوں کو غلام بنا کر افرادی قوت اور آمدنی میں اضافہ کیا۔ پہلے سرحدی قبیلے لوٹ مار کرتے تھے پھر باقاعدہ فوجیں قبضہ کر لیتی تھیں، جلد ہی روس چین کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ سولھویں صدی میں روس بہت سی سلطنتوں کے برابر کی سلطنت بن گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ۱۹۰۰ء میں بھی روس کی طاقت وسیع ہو رہی تھی۔ ۱۹۰۰ء تک چین، ہندوستان، ایران، ترکی اور اسپین کی شان و شوکت گہنا چکی تھی۔ ان تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلطنتوں کے زوال کی بڑی وجہ مغرب تھا۔ اسپین نے مغربی رومی سلطنت کی کیتھولک بحالی پر طاقت صرف کی اور اس کوشش میں دوسری بادشاہتوں کی براہ راست مزاحمت اس کا مقدر بنی۔ پورا مغربی یورپ اس کے خلاف ہو گیا۔ اگر ہیبسبرگ خاندان اس مزاحمت کو کچل دیتا تو پروٹسٹنٹ ریفارمیشن تاریخ کی کتابوں میں محض ایک تحریک ارتداد بن کر رہ جاتی اور اس خاندان کے دشمن شہزادے اور سوداگر باغی جاگیرداروں اور بحری قزاقوں کے طور پر جانے جاتے۔ لیکن واقعات کے اصل دھارے نے پروٹسٹنٹ ریاستوں کے سرمایہ دارانہ اتحاد کے لیے مکمل سازگار حالات مہیا کیے، پروٹسٹنٹ ریاستیں سوداگروں کے نیٹ ورک سے باہم مربوط تھیں۔ خود پروٹسٹنٹ ازم کی بجائے اس کے عسکری اور سیاسی گٹھ جوڑ نے اولین سرمایہ دارانہ ریاستوں مثلاً نیدرلینڈ اور برطانیہ کے بقا کا تحفظ کیا۔

مغرب میں سرمایہ داری کے آغاز سے ایک دو نسلوں بعد پیٹر اعظم نے روس میں اصلاحات شروع کیں۔ پیٹر نے ایمسٹرڈیم کی جہاز گاہ میں شاگرد ترکھان کے بہروپ میں کام کیا اور غالباً لندن میں آئزک نیوٹن سے بھی ملاقات کی، اسے بہترین لوگوں سے سیکھنے کا شوق تھا۔ اس کی پہلی اور شدید محبت ہالینڈ سے تھی۔ اس استعماری طاقت کا اندازہ یہاں سے لگائیے کہ روس کا پرچم ولندیزی پرچم کی معمولی سی تبدیل شدہ شکل ہے اور پیٹرزبرگ کی نہریں پیٹر کے اس وحشیانہ عقیدے کا نمونہ ہیں کہ جدید دارالحکومت میں ایمسٹرڈیم کے جیسی نہریں ہونی چاہئیں۔

معاصر سیاست دانوں نے بھی اس قسم کی تقلیدی کوششیں کیں۔ پرتگال کے مارکوس پومبل، آسٹریا کے بادشاہ جوزف اور امریکی صدر الیگزینڈر ہملٹن وغیرہ ان میں نمایاں ہیں۔ جب ہم مغربی مرکز سے باہر کی طرف نکلتے ہیں تو کامیابی کی شرح کم ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اسپین نے بھی اپنے سامراجی مقبوضات کھو دیے اور تنہا ہو گیا۔ انڈیا، چین اور ایران شروع ہی میں ناکام ہو گئے اور غیر ملکی انحصار پر مجبور ہوئے۔ آزادی پسند اور اشرافیہ کے اقتدار والا پولینڈ جو کبھی یورپ کا سب سے بڑا ملک تھا، ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو گیا۔ پولش جاگیرداروں کی شان دار بہادری بھی ختم ہو گئی کیوں کہ جنگ جیتنے کے لیے مہنگی بحریہ، تیار فوجیں اور جدید اسلحہ ضروری ہو گیا تھا۔ عثمانی ترکوں نے روسی پیٹر کے ایک صدی بعد قوت مجتمع کر کے تنظیمات اصلاحات لانے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک ترکی کے ماتھے سے یورپ کے ''مردِ بیمار'' کا داغ دھونا ممکن نہ رہا تھا۔ البانیہ کے محمد علی نے (جو مصر کا جنگی سردار تھا) ۱۸۱۰ء سے ۱۸۴۰ء تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی بحریہ، بارود کی فیکٹریاں اور جدید نوکر شاہی تیار کرنا شروع کی لیکن برطانیہ نے مصر کے اس جدیدیت کار کو جلد ہی روک لیا۔ برطانیہ نہیں چاہتا تھا کہ مشرق وسطیٰ میں کوئی علاقائی طاقت کھڑی ہو کر ہندوستان پہنچانے والی نہر سویز پر قبضہ جمائے۔

غیر مغربی قوموں میں صرف جاپان نے ۱۸۶۸ء کے بعد میجی بحالی کے دور میں مضبوط فوجی و صنعتی قوت بننے میں کامیابی حاصل کی۔ ایک صدی میں پیٹر کا روس اور اگلی صدی میں میجی کا جاپان ہمیں ایک اشارہ دیتا ہے۔ ان دو مختلف ملکوں میں نظریاتی ثنویت مشترک ہے۔ یعنی دونوں ملکوں میں قومی تفاخر اور عدم تحفظ کا گہرا احساس موجود تھا کیوں کہ دونوں اپنے سے برتر مغربی قوتوں کا سامنا کر کے ہزیمت اٹھا چکے تھے۔ یہ ثنوی تصور دنیا میں نام پیدا کرنے کے لیے کافی نہ تھا کیوں کہ یہ صرف روس اور جاپان کے ساتھ ہی خاص نہ تھا۔ ان جنگ زدہ سلطنتوں کو اداراتی اہلیت اور دولت حاصل کرنے کی ضرورت تھی تا کہ احساس پس ماندگی اور عدم تحفظ سے باہر آ سکیں۔ روس اور جاپان کی جغرافیائی تنہائی نے یہ فائدہ دیا کہ دونوں ملک غیر ملکی تجارت اور عسکری حملوں سے محفوظ رہے اور انہیں اپنی صلاحیتیں بڑھانے اور جدید اسلحہ سازی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے وقت مل گیا۔ سامراجی جدیدیت کی مہنگی قیمت کا بوجھ مزارعوں پر پڑا۔ مزارعوں کو بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑے، ریاستی کاموں میں مزدور بننا اور فوج میں شامل ہو کر لڑنا پڑا۔ تاہم مزارعوں پر یہ جبر نا کافی ثابت ہوا۔ ریفارمرز نے امیر طبقات کی تربیت، تعلیم اور ذوق و شوق کی تکمیل کے لیے انہیں فوجی افسروں اور بیوروکریٹس کی ریاستی خدمت کے لیے تیار کیا۔

یہ ترقیاتی منصوبہ جبر اور علاقائی توسیع کی بنیاد پر قائم تھا جس کے ذریعے وسائل جمع کیے گئے، لوگوں کو مطیع بنایا گیا اور سامراجی عظمت پیدا کی گئی۔ نیو کلاسیکی اکنامکس تھیوری کے مطابق انگلش آئین پسندی، نجی ملکیت اور ملکیتی حقوق جدیدیت تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔ لیکن معاصر ترقی یافتہ ریاستوں کی دوڑ میں رہنے کے کئی مختلف طریقے تھے۔ متبادل جبری حکمت عملی یہ تھی کہ سرمایہ دارانہ وسائل کی قلت کی صورت میں ریاست خود کاروباری بن جائے، جبراً اپنے اداروں اور صنعتوں کو جدید بنائے۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ جاپانی اور روسی جدیدیوں نے مغربی ترقی حاصل کرنے کے لیے جرمنی کی تقلید کی۔ روسی سلطنت نے پیٹر اور کیتھرین کے زمانے میں سیکڑوں بے روزگار جرمن فن کار اور سیاست دان درآمد کیے تا کہ ترقی کا عمل تیز کیا جائے۔ تو یہ تھا وہ خاص روسی پلیٹ فارم جس پر بالشویکوں نے ۱۹۱۷ء میں قبضہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قلعہ بند سوشل ازم

۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ روسی اشرافیہ طویل مدت سے اس خوف میں مبتلا تھی کہ غلام کاشت کار انتقام لینے کے لیے بغاوت کر دیں گے۔ ۱۸۴۸ء کی یورپی بغاوتوں نے اس امید اور خوف میں اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید دانش ور طبقہ بھی نمایاں تھا۔ یہ دانش ور مڈل کلاس کے تعلیم یافتہ پیشہ ور تھے اور ان کا خیال تھا کہ پرانی امیر نوکر شاہی اور ملک کی عمومی پس ماندگی انہیں آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ دانش وروں نے اپنے آپ کو عہد ساز جدت کی نمائندہ قوت سمجھا۔ اس خود تفویض کردہ مشن کی عملی شکل تخریبی حکمت عملیوں کے سیلاب کی صورت میں سامنے آئی۔ کہیں عالمی ادب پیدا کیا گیا، کہیں رضا کارانہ خیراتی کام کیے گئے اور کہیں مظلوموں اور بے بسوں پر بم برسائے گئے۔

اس سب کے باوجود سلطنت چلتی رہی اور متاثر کن صنعتی ترقی کی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تقریباً نصف صدی تک اس نے کوئی جنگ نہ ہاری۔ انقلاب کی ایک خاص وجہ جنگ بھی ہوتی ہے۔ انقلاب کے لیے سازگار ماحول ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۷ء کی بدترین عسکری شکستوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ فوجیوں نے افسروں کے خلاف بغاوت کر دی اور پولیس منتشر ہو گئی۔ ریاستی جبر ختم ہوا تو طویل مدت سے دبائے گئے باغی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیہات میں کسانوں نے خوف ناک بغاوتیں کیں۔ بڑے شہروں میں مسلح مزدوروں نے لڑائی لڑی۔ دانش وروں نے گرم جوشی سے سیاسی جماعتوں اور قوم پرست تحریکوں کو فروغ دیا جو تھوڑے ہی عرصے میں غیر روسی نسل کے صوبوں آزاد حکومتوں میں تبدیل ہو گئیں۔

حیرت یہ نہیں کہ بالشویکوں نے ریاستی نظم کے خاتمے کے وقت اس پر قبضہ کر لیا۔ حیرت تو یہ ہے کہ کچھ سال بعد بھی طاقت میں تھے۔ یہ کیسے ہوا؟ ۱۹۱۷ء سے پہلے بالشویکی دانش ور ایک شورش پسند گروہ تھے۔ غیر قانونی ہونے اور قتل کیے جانے کے ڈر سے ان کے اندر اندرونی ڈسپلن، سازشی خفیہ طریقوں اور پولیس جاسوسوں کی نگرانی کا ماحول پیدا ہو گیا۔ اپنے چینی ہم عصروں کے برعکس بالشویکی گوریلے نہ تھے اور بڑے قصبوں سے باہر ان کی کوئی موجودگی نہ تھی۔ اس سے ان کے اندر یہ تعصب پیدا ہوا کہ کسان جاہل عوام ہیں جنہیں بہتر مستقبل کی طرف ہانکنا چاہیے۔ بالشویکوں نے مذہبی عقیدت مندوں کی طرح کارل مارکس کے صوفیانہ وژن کی پیروی کی۔ لیکن مارکس ازم کا ایک طاقت ور سائنسی پہلو بھی ہے۔ اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالشویکی ایک خاص قسم کے عقلیت پسند نظریاتی بن گئے جنہیں جدید سائنس اور صنعت کا بھی علم تھا۔ یہ سرمایہ دارانہ مخالف اور سامراج مخالف مارکسی انقلابی شروع ہی سے اپنے دشمنوں کے ہتھیار چھین لینے کے لیے تیار تھے۔ یعنی انہوں نے جرمن فوجی تنظیم سازی، ریاستی صنعتی منصوبہ بندی اور ہنری فورڈ کی پیداواری تکنیک حاصل کی۔

بالشویک پارٹی نے اقتدار میں آ کر پہلے اپنی خفیہ پولیس بنائی۔ اس خفیہ پولیس شیکا میں درجنوں انقلابی دہشت گرد شامل ہو گئے۔ اس سے ریاست کی اندرونی سیاسی اجارہ داری یقینی ہو گئی۔ پھر پارٹی نے اپنی سرخ فوج بنائی۔ خانہ جنگی اور غیر ملکی عسکری مداخلت کے درمیان فوج تشکیل دے کر بالشویک ریاست کا تحفظ کیا گیا۔ جوشیلی، منظم اور مسلح پارٹی شاندار انداز میں ہر قسم کی حمایت اور اخلاقی حوصلہ افزائی منظم کرنے میں ماہر ثابت ہوئی۔ اس نے زوال پذیر صنعتیں چالو کیں، کسانوں سے خوراک حاصل کی اور دانش وروں کی روشن خیالی کے زیر اثر عجائب گھر، تھیٹر، ادبی تنظیمیں اور یونی ورسٹیز بھی کھولیں۔

بالشویک تعمیر ریاست کا بے مثال پہلو ہمہ جہت سلطنت تھی جس میں کئی قومی ریاستیں سوویت یونین کا حصہ تھیں۔ قومیت، نسل اور مذہب کی بنیاد پر الگ الگ ریاستوں کے ساتھ سیاسی اور عسکری اتحاد بنا کر کثیر پہلو خانہ جنگی جیتی گئی۔ ۱۹۱۹ء کا ایک واقعہ نہایت اہم ہے جس میں جنرل اینٹن ڈینکن کی انقلاب مخالف سفید فوج پر چیچن مسلمان مجاہدوں نے عقب سے حملہ کیا، یہ جہادی اس غلط فہمی میں بالشویکوں سے مل گئے تھے کہ مارکس ازم بھی جہاد کی ایک قسم ہے۔ قفقازی مسلمانوں کی بغاوتیں سیاسی طور پر ناپختہ تھیں تاہم بالشویکوں نے بڑی سنجیدگی سے غیر روسی علاقوں میں ترقیاتی کام کیے مگر اپنے انداز میں۔ لینن کی قومی پالیسی نے قومی ریاستوں کی اداراتی صف بندی کی جس میں مقامی لوگوں کو ترجیح دی جاتی۔ اس طرح جدید نسلی ثقافتوں کے ادارے تعمیر کرنے کے لیے وسائل اکٹھے کیے گئے۔ ہر علاقے میں ایک جیسے اسکول، یونی ورسٹی، میوزم، فلم اسٹوڈیوز اور رقص گاہیں وغیرہ بنائی گئیں۔

روسی خانہ جنگی میں بالشویکی فتح کو انتشار سے ریاستی نظم تخلیق کرنے تک محدود نہیں کیا جا سکتا اگرچہ یہ بھی کوئی کم کامیابی نہ تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ انہوں نے وسیع ڈھانچے کھڑے کیے جن کی مدد سے لاکھوں لوگوں کی جذباتی توانائیاں کام میں لائی گئیں۔ لاکھوں مردوں اور عورتوں نے دیکھا کہ ان کی زندگیوں میں تعلیم اور ترقی کے مواقع وسیع تر ہو گئے ہیں۔ جب نئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صنعتوں اور قصبوں کی تعمیر شروع ہوئی تو سماجی تحرک میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ پابندیوں، سیاسی دہشت، غیرانسانی مزدوری، صنعت کاری اور دوسری جنگ عظیم جیسے مظالم کے باوجود جدید ریاست نے نئی ساختوں اور طرزِ زندگی کے حامل محب وطن سوویت شہری پیدا کیے۔ پرانی اجتماعیتوں، چرچ اور خاندانی نظام کی تباہی نے جدید معاشرے میں لاکھوں جوان مردوں اور خواتین کا اضافہ کیا۔ اٹھارھویں صدی کے پیٹراعظم کی مغرب کاری جیسا ایک مختلف نمونہ دیکھنے میں آیا۔ اشرافیہ کی نئی صفیں بنیں اور نئی ایلیٹ کلاس کو ملازمت کے مواقع، نظریاتی اعتماد اور مغربی طرز زندگی اپنانے کے مواقع میسر آئے۔ سوویت دور میں روسی اور غیرروسی مزدوروں کے بچے جدید مشینری چلانا سیکھ رہے تھے، پانی اور بجلی کی سہولیات والے سرکاری گھر انہیں میسر تھے، وہ سوویت ساختہ گھڑیاں اور ریڈیو خرید سکتے تھے اور مزدوری کرنے کے دوران ہاٹ ڈاگ، ڈبہ بند خوراک، سلاد اور آئس کریم بھی کھا سکتے تھے (آئس کریم امریکی شے تھی لیکن اسے مقامی تصور کیا گیا)۔ ریاستی صنعت کاری نے بڑی تیز رفتار معیشت پیدا کی جس میں ہنرمند مزدوروں کی قلت کے ساتھ ساتھ دیگر قسم کی قلت بھی پیدا ہوئی۔ سوویت یونین ایک فیکٹری بن گیا لہٰذا اسے بہت بڑا کمپنی ٹاؤن بھی بننا پڑا جس میں واحد آجر ریاست تھی اور پیدائش سے موت تک تمام سماجی بہبود فراہم کرتی تھی۔

تبدیلیوں پر عمل درآمد کروانے کے لیے پارٹی کی صفوں میں لوگ تعینات کیے گئے جنہیں نومن کلاچرا (بیوروکریسی) کہا جانے لگا۔ اس بیوروکریسی کی پہلی نسل جنگ کی سختیاں جھیل کر سخت جان ہو چکی تھی۔ ان لوگوں میں جوش و جذبہ تھا اور بہت کچھ کر جانے کے انقلابی جذبے سے سرشار تھے۔ ان کو یقین تھا کہ تاریخی خوش قسمتی اور لینن کی عبقریت نے انہیں انسانیت کی ترقی کے لیے ہراول دستہ بنا دیا ہے۔ ان کے نزدیک عارضی طور پر سیاسی طاقت سے محرومی بھی تاریخی سفر سے گم راہ ہونے کے مترادف تھی۔ بالشویکوں کی انقلابی دہشت اور ان کے روشن خیالی والے جذبے میں اخلاقی بنیادوں پر کوئی ہم آہنگی پیدا کرنا ناممکن ہے۔ کمیونزم کے دونوں پہلو ناقابل تردید حقیقت ہیں۔ اس کا تضاد نظریاتی سراب ہے۔ روسی انقلاب نے کسانوں اور مزارعوں کے ملک پر انقلابی دانش وروں کی پتلی تہہ چڑھا دی۔ یہ کارکن چستی اور آفاقی ترقی پر پختہ یقین رکھتے تھے لیکن سول جنگ کے دوران پارٹی پر اعتبار اور موزرگنوں پر بھروسا کرنا بھی سیکھ گئے تھے۔ مختصر یہ کہ روسی انقلابیوں نے متاثر کن بیوروکریسی بن کر جنگیں جیتیں۔ ان لڑاکا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترقی پسندوں نے بیسویں صدی کے نظریاتی، سیاسی، عسکری اور اقتصادی اداروں کو ایک آمرانہ ڈھانچے میں تبدیل کر دیا۔ اس کا عروج بڑی تیزی سے ہوا۔

سٹالن کی شخصیت پر پیچ تھی۔ تاہم شخصیت لیڈر کے جنونی پیروکاروں کی وضاحت نہیں کرتی۔ ٹیٹو کے یوگوسلاویہ، ماؤ کے چین اور کیوبا پر سٹالن کی شخصیت کا براہ راست اثر نہ تھا۔ یا آپ گورباچوف کی وہ مہم دیکھ لیں جس میں ۱۸۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک برزنیف دور کی دو تہائی بیوروکریسی کی نوکریاں ختم کر دی گئیں اور وہ مشکل سے جان بچا پائے۔ بیوروکریسی کے متاثرین کے تناظر میں ماسکو کی حمایت یافتہ جمہوریت نے آفت کا نیا دور شروع کیا۔ اسی وجہ سے سوویت بیوروکریسی نے ایسا دفاعی اور تباہ کن ردِعمل اختیار کیا جس نے ۱۹۸۹ء کے بعد ریاست تباہ کر دی۔ تمام عظیم کمیونسٹ لیڈروں (یا بدمعاشوں) نے وقفے وقفے سے سیاسی مذمت کی مہمات شروع کیں کیوں کہ تصرف کے نرم میکانزم ان کے لیے دستیاب ہی نہ تھے۔ غیر سرکاری تنظیم سازی اور معلومات کو دبانے سے لیڈر لازمی طور پر اندھا ہو جاتا ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے اور اسے ہمیشہ یہ شک رہتا ہے کہ اس کے احکامات پر پوری طرح عمل درآمد نہیں ہو رہا۔

لیننی حکومتوں کی اس بری خصلت کا روسی، چینی یا کسی بھی کلچر سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس سے کارل مارکس یا شاید خود لینن کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ تاہم مسئلے کی جڑیں کمیونسٹ ریاستوں کی جغرافیائی سیاست کے آغاز میں تھیں (ہم تیسری دنیا میں ان کے غیر مارکسی مقلدین کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں)۔ یہ انقلابی ریاستیں مہلک تصادموں میں پیدا ہوئی تھیں۔ بہت سے لیڈر اس لیے عظیم بن گئے کہ غیر معمولی قومی تحرکات نے اعلیٰ ترین فوجی، سیاسی اور اقتصادی کمانڈروں کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کی عقل و ذہانت کی توثیق ان کی عظیم فتوحات نے کی۔ نپولین واقعی بیسویں صدی کے انقلابی شہنشاہوں کے لیے تاریخی نمونہ تھا۔

واحد ریاستیں یہاں تک کہ روس جتنی بڑی ریاست پر قبضہ کرنے والے انقلاب فوراً بین الریاستی دشمنیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا کامیاب انقلابات کے مخصوص جدید تسلسل میں انقلاب کے بعد جنگ ضرور ہوتی ہے۔ انقلابی تبدیلیوں نے عسکری تصادم پیدا کیا کیوں کہ دیگر ریاستیں قدامت پسندانہ جمود والا نظام بچانا چاہتی تھیں یا جنگی فتوحات اور قتل و غارت گری کے ذریعے دنیا کو نیا بنانا چاہتی تھیں۔ بیسویں صدی میں کمیونسٹ ریاستوں کا قیام بائیں بازو کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قوتوں کی اہم کامیابی تھی لیکن کمیونسٹ اور قومی آزادی کی بغاوتوں نے خوف ناک جنگ میں اقتدار حاصل کیا تھا اس لیے ان کی حکومتیں شروع ہی سے ظالمانہ اور ادارتی طور پر ناقص تھیں۔ اگر بیسویں صدی کے انقلابی اپنی نظام مخالفانہ فتوحات کا دفاع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو پھر ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ عسکریت پسندی کے خاتمے کی منطقی دلیل یہی ہے۔

سوویت یونین حقیقی سوشلسٹ تھا یا جابرانہ؟ اس قسم کے حد سے زیادہ نظریاتی تصورات حقیقت کی وضاحت کے لیے مفید نہیں ہوتے۔ سوویت یونین جو تھا بس وہی تھا یعنی ایک بڑی مرکزیت پسند ریاست جس کے پاس غیر معمولی نظریہ تھا اور مضبوط جغرافیائی سیاسی پوزیشن جسے غیر معمولی صنعت کاری کے نتیجے میں حاصل کیا گیا تھا۔ روسی سلطنت کی جغرافیائی اور سیاسی وراثت نے اپنے طور پر اس قسم کی ریاست کا بقا ممکن بنایا۔ اسی ساختیاتی میراث نے صنعت کاری کی پرتشدد حکمت عملی تجویز کی جس میں کسانوں کو بے کس بنایا گیا اور جدید ترین فوجی طاقت تعمیر کرنے کے لیے ہر کوشش کی گئی۔

سوویت یونین خالصتاً جدید اور خود شعوری جدت کار تھا۔ اس نے اپنے وقت کے طاقت کے اعلیٰ ترین ذرائع بڑی کامیابی سے اپنائے جس میں مشینی عسکریت، ترقی یافتہ صنعت، منصوبہ بند قصبات، نظام تعلیم، سماجی بہبود اور کھیلوں اور تفریح سمیت بڑے پیمانے پر صارفیت کا فروغ شامل تھا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی کے بعد بالشویکوں نے شاہی دانش وروں سے ورثے میں ملنے والا میوزک، رقص اور ادب بھی نئے رنگ میں پیدا کیا۔ بلاشبہ سٹالن کی ریاست کئی پہلوؤں سے سامراجی تھی۔ تاہم سوویت یونین کی متعدد قومیتوں کو تقریباً تین نسلوں تک ضم رکھنے کی صلاحیت بلاشبہ ترقی پسندانہ اور جدید تھی۔ سوویت مثبت عمل کے بانی تھے اور انہوں نے ترقی اور وسیع شمولیت سے ثابت کیا کہ وہ واقعی اس کام کے لیے پرعزم تھے۔

اس وقت کے دوست اور دشمن مبصرین یکساں طور پر متفق تھے کہ اقتصادی منصوبہ بندی اور نجی ملکیت کے خاتمے کی بنیاد پر حاصل کی جانے والی کامیابیاں مجموعی طور پر سوشلزم کی وجہ سے ہیں۔ سوویت کلیدی خصوصیات کی نقالی کئی قسم کی ترقی پسند اور قوم پرست ریاستوں نے کی کیوں کہ اس قسم کا ریاستی ارتکاز بیسویں صدی کے لیے غیر معمولی طور پر کامیاب تھا۔ بہت سی سابقہ سلطنتیں اپنی تاریخی ذلت کا ازالہ کرنے اور اس دنیا میں بہتر مقام بنانے کی امید میں تھیں جن میں چین کی جانب دار کمیونسٹ ریاستیں، یوگوسلاویہ، ویت نام بلکہ قوم پرست ترکی

www.KitaboSunnat.com

اور اسلامی قوم پرستی کے عجیب وغریب نظام مخالف نظریے والا ایران شامل ہیں۔ یہاں تک کہ نڈر کیوبا اور عجیب ترین ریاست اسرائیل نے بھی قلعہ بند سوشل ازم کی خصوصیات اختیار کرتے ہوئے مختلف قسم کی قوم پرستانہ بغاوتیں اختیار کیں۔

ان تمام ریاستوں نے معاندانہ جغرافیائی سیاست کا سامنا کیا۔ انقلابی رومانویت کے ابتدائی دور کے بعد عالمی نظام کے ساختیاتی حقائق نے سخت پالیسی انتخاب کے ساتھ ضرب لگائی۔ یعنی خودکاریت کے مقابلے میں نظم وضبط، تصوریت پسندی کی جگہ جبر، کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے ان پر سختیاں اور نظریاتی تقدس مہلک تنہائی کا باعث بنے۔ اگر کمیونسٹ عالمی اسٹیج پر سنجیدہ دکھائی دینا چاہتے تھے تو ان کی موثر پالیسیوں کا موقع پرست ہونا ضروری تھا۔ نظریاتی دعووں کے باوجود کمیونسٹ ریاستیں مکمل طور پر سرمایہ دارانہ نظام چھوڑ نہ سکیں۔ درحقیقت سماجی نیٹ ورک میں تنازعات اور اختلافات مضبوط ترین بندھن ہوتے ہیں خواہ یہ ریاست کے اندر ہوں یا ریاستوں کے مابین۔ مرکزی سرمایہ دارانہ ریاستیں ماسکو کے لیے اہم حوالہ اور پسندیدہ رہیں۔ جنگ سے پہلے جرمنی اور جنگ کے بعد امریکی فوجی لعنت روسی سائنسی وصنعتی پالیسی ترجیحات کا اہم محرک رہی۔ تاہم خام مال کی برآمدات سے ہونے والی کمائی سے مغرب سے اعلیٰ مشینری اور سامانِ تعیش بھی خریدا جاتا رہا۔ کمیونسٹ متبادل کی لامتناہی بحث تب ختم ہوئی جب یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ تمام کمیونسٹ ریاستیں بالآخر سرمایہ دارانہ نظام کی طرف لوٹتی ہیں۔

ترقیاتی کامیابی کے اخراجات

یہ بات ہمیں رنڈل کولنز اور عمانویل والرسٹائن کی پرانی پیش گوئیوں کی طرف لاتی ہے۔ ان کی کمیونزم کا خاتمہ دیکھنے کی صلاحیت مختلف نظریات اور مختلف عوامل سے ماخوذ تھی۔ کولنز نے جغرافیائی سیاست کی حد سے زیادہ توسیع اور والرسٹائن نے سرمایہ دارانہ عالمی معیشت کی ساختیاتی تحدیدات کی بنا پر تجزیہ کیا تھا۔ تاہم یہ دونوں پیش گوئیاں بڑے دل چسپ انداز میں ایک دوسری کو تقویت دینے والی تھیں۔ کولنز نے کہا کہ حد سے زیادہ توسیع کے روسی المیے کے دو نتائج نکلیں گے۔ سامراج ختم ہو گا یا آخری چارے کے طور پر مکمل جنگ ہو گی۔ والرسٹائن نے ایک تیسرا امکان دیکھا کہ پیرس، برلن اور ماسکو کے محور کے گرد یورپ کا اقتصادی اور عسکری بلاک ظاہر ہو گا۔ تجزیاتی طور پر والرسٹائن کی پیش گوئی ہماری توجہ ایک اہم پہلو کی طرف مبذول کرتی ہے۔ یہ گورباچوف کی ترقیاتی ریاست کو بطور قابل عمل امکان دیکھتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ مستقبل میں نو تعمیر شدہ روس اور یورپی یونین ساختیاتی وجوہات کی بنا پر عسکری اور اقتصادی بلاک بنا سکتے ہیں۔

رنڈل کولنز کی پیش گوئی کی بنیاد ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۵ء تک یورپ کی سیاسی کش مکش تھی جس نے روس کی دیگر دشمنیاں ختم کر دی تھیں۔ ۱۹۴۵ء کے بعد عالمی جغرافیائی سیاست امریکا اور روس کی دو سپر طاقتوں تک محدود ہو گئی۔ لیکن اس حیثیت کی قیمت بھی زیادہ چکانی پڑی اور ذمہ داریاں بھی زیادہ اٹھانی پڑیں۔ ۱۹۸۰ء میں رنڈل کولنز نے تجزیہ کیا تھا کہ امریکا سے مسلسل محاذ آرائی کی وجہ سے روس پہلے ہی اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ اپنے حلیفوں کو ساتھ رکھنے اور حریفوں سے جنگ کرنے کے قابل نہیں رہا۔

اہم بات یہ ہے کہ اسی ماڈل نے چین کی معاشی خوش حالی کے امکان کی پیش گوئی کی۔ اس وقت کسی نے بھی ایشیائی غربت کے اس علاقے کو سنجیدگی سے نہیں لیا جس کا صدر چیئرمین ماؤ تھا۔ سپر طاقتوں کی باہمی لڑائی کا اثر یہ ہوا کہ چین جغرافیائی سیاست میں خوش قسمت رہا۔ ستر کی دہائی تک مشرقی ایشیا میں جنوبی کمیونسٹ ریاست ذرا مقید لیکن مستحکم بین الریاستی ماحول میں تھی اور سوویت یونین کے مقابلے میں اس کے لیے جغرافیائی سیاسی قیمت بہت کم تھی۔ چینی لیڈروں نے دوسری عالمی جنگ کے بعد طاقت و عظمت کے ریاستی اہداف حاصل کرنے کے لیے برآمداتی صنعتی عمل اختیار کرتے ہوئے امریکی کنزیومر مارکیٹ پر انحصار کیا۔

عمانویل والرسٹائن کا دعویٰ ہے کہ کمیونسٹ ریاستوں کی مثال ان فیکٹریوں جیسی ہے جن پر ہڑتال کے دوران لیبر یونین کا قبضہ ہو جائے۔ اگر مزدور خود فیکٹری چلانا چاہیں تو لامحالہ سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کے اصول اختیار کرتے ہیں۔ مزدور مادی نفع کی بہتر تقسیم تو کر سکتے ہیں لیکن مساوات یا جمہوریت نہیں۔ لیبر تنظیموں میں حقیقت پسند منتظم پیداواری نظم و ضبط مسلط کرتے ہیں اور مارکیٹ کے بیرونی دباؤ کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ چند سری حکومت کے اصول کے مطابق بڑی بڑی تنظیموں میں انتظامی فیصلے کرنے والا چھوٹا سا حلقہ دوسروں سے الگ ہو کر نیا مقتدر طبقہ بن جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ نظریاتی وفاداری ختم ہو جاتی ہے۔ وہ وقت آ جاتا ہے جب منتظم حقیقت چھپا نہیں سکتا اور فیکٹری سرمایہ دارانہ کاروبار بن جاتی ہے اور منتظمین اپنے عہدوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ والرسٹائن کہتا ہے کہ کسی ایک ملک یا فیکٹری میں سوشلزم قائم نہیں رہ سکتا جب تک پورے کا پورا سرمایہ دارانہ نظام کسی ایسے غیر سرمایہ دارانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام سے تبدیل نہیں ہو جاتا جس میں سرمایے کی بڑھوتری اولین ترجیح نہ ہو۔

والرسٹائن کا تجزیہ حقیقت کے مشاہدے پر مبنی تھا۔ سوویت لیڈروں نے اپنی نظریاتی اور عسکری طاقت کو مغرب کے ساتھ اقتصادی اتحاد بنانے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سٹالن کی موت کے بعد خفیہ پولیس کے سربراہ بیریا نے بہت سے قیدی رہا کر دیے اور مغرب کو پیغام دیا کہ ماسکو مشرقی جرمنی سے نکلنے کے لیے تیار ہے۔ بیریا جنونی قسم کا موقع پرست اور بے رحم نتائجیت پرست اقتصادی منیجر تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو کمیونزم بہت پہلے ختم ہو جاتا۔ وہ ایک آمر کے طور پر اقتدار سنبھالتا اور اس کے ساتھی سرمایہ دارانہ نفع کماتے اور مارکیٹ بڑی تیزی سے پھیلتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو آج مغربی صارفین روسی مصنوعات استعمال کر رہے ہوتے۔ لیکن اس وقت (۱۹۵۳ء) مغرب جرمنی کا اتحاد نہیں چاہتا تھا اور یورپ میں ہنر مند مزدوروں کی بہتات تھی۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ بیریا کے دشمنوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ پارٹی بیوروکریسی اور فوجی کمانڈروں نے خفیہ پولیس کے ہاتھوں اپنی تذلیل کا انتقام لیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں نئے سوویت لیڈر خروشیف نے سٹالن کے جرائم کی مذمت کی۔ ۱۹۶۴ء میں جب خروشیف نے ہٹ دھرم بیوروکریسی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تو اس کا تخت الٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ بیوروکریسی سٹالن کی پالیسیوں سے محدود حد تک ہٹنا چاہتی تھی۔ لیکن جب بیوروکریسی نے اپنی مطلوبہ تبدیلیاں حاصل کر کے من پسند مراعات حاصل کر لیں تو مزید تبدیلیوں کی مخالفت کی۔ اس طرح اقتصادی وزارتوں کا کمانڈ اپریٹس قائم رہا۔ ۱۹۹۱ء میں سوویت انہدام کے بعد بھی اس کے کچھ اجزا کام کرتے رہے لہٰذا کمیونزم کے بعد والی سرمایہ داری میں دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز اور سیاسی کرپشن حد سے زیادہ بڑھ گئی۔

بیوروکریسی کے اخراجات سٹالن کی موت کے بعد بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ حکمی معیشت میں سپریم کمانڈر ضروری ہوتا ہے جو وسائل کی تقسیم کے بارے میں فیصلے کرتا ہے۔ سپریم کمانڈر کی عدم موجودگی میں مرکزیت پسند حکومت کی بیوروکریسی جمود کا شکار ہو جاتی ہے، بااثر وزرا اور علاقائی حکومتیں کارپوریشن کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ مارکیٹ کے مقابلے میں منصوبہ بند معیشت کی پرانی بحث اس غلط مفروضے پر قائم ہے کہ یہ دونوں الگ تھلگ نظریاتی متبادل ہیں۔ منصوبہ بند معیشت قلیل مدت میں موثر ثابت ہوتی ہے مثلاً جنگ کے دور میں یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آفات کے بعد معاشی بحالی کے لیے۔ تاہم طویل مدت کے عام حالات میں منصوبہ بند معیشت کام نہیں آتی کیوں کہ اس دور میں متنوع اور لچک دار مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن پہلے پانچ سالہ منصوبے کی فخریہ اقتصادی کامیابیاں ترک کرنے کی ہمت کون کرتا۔ یہی چیز ۱۹۶۴ء میں خروشیف کی حکومت کے خاتمے کا باعث بنی۔ سوویت نظریہ ساز اور منتظمین بالکل اسی طرح مارکیٹ تصورات کے خلاف تھے جس طرح نیولبرل دور کے سرمایہ نجی ملکیت اور ریگولیشن کے خلاف ہیں۔ تاہم صنعتی اور سیاسی آقاؤں کی ہٹ دھرمی کی وجوہات راسخ الاعتقادی سے سوا ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ انہیں خوف تھا کہ اگر کھلی بحث اور مقابلے کی اجازت دی گئی تو بہتر تعلیم یافتہ اور توانا نوجوان ان کی جگہ لے لیں گے۔

آخری دور میں سوویت کمیونزم کی مرکزی کشیدگی جامد بیوروکریسی اور تخلیقی دانش وروں اور تعلیم یافتہ ماہرین کی مڈل کلاس کے درمیان تھی۔ اقتصادی منصوبہ بندی، اعلیٰ تعلیم اور کلچر کے ریاستی اداروں کے نچلے اور درمیانے درجوں سے نوجوانوں کے نئے گروہ پیدا ہوئے۔ یہ نوجوان سوویت جدیدیت کاری کی پیدا کردہ نسل تھے۔ نوجوان ماہرین کے اصل نظریات ان نیولیفٹ تحریکوں کا چربہ تھے جو ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۸ء کے درمیان پوری دنیا میں ظاہر ہو رہی تھیں۔ گورباچوف کی اقتصادی پالیسی کے بحران کے دوران نچلے درجوں کی نوکر شاہی مخالف محرومیوں کو نیولبرل ازم کے انفرادیت پسندانہ فلسفے یا نسلی قوم پرستی کی صورت میں نیا اظہار ملا۔ لہٰذا سوویت بلاک کے سرکاری نظام مخالف نظریے نے نوجوان باغیوں کو مغربی نظاماتی نظریات اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

اس عمل کا شدید ترین اظہار کلچر میں ہوا۔ سوشلسٹ حقیقت پسندی کا سرکاری عقیدہ یہ تھا کہ انہیں احمقانہ نقالی اور روحانیت پسند تصوف دو۔ بیوروکریسی نے قومیتوں کے مابین دوستی پیدا کی اور مقامی نسل پرستانہ جذبات سے کھیلا۔ وزارتِ ثقافت موسیقی اور آرٹ میں قدیم ترین اصولوں پر کاربند تھی۔ تجریدی آرٹ، جاز اور راک موسیقی لائی گئی۔ پرانی آمریت آمرانہ نہ رہی اور نوجوانوں کے مذاق اور اشتعال کا ہدف بن گئی۔ سٹالن کے دور کے آخر میں فرماں بردار سوویت بیوروکریسی کی نسل پہلی نسلوں کے بالشویکوں جیسا جوش و خروش نہیں رکھتی تھی۔

اپنے آخری دور میں سوویت اقتدار جس طرح دانش ور طبقے پر قابو نہ پا سکا اسی طرح مزدوروں سے کام لینے میں بھی ناکام رہا۔ فوری وجہ سیاسی تھی۔ اپنی حفاظت کی خاطر خفیہ پولیس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر قابو پانے کے بعد بیوروکریسی کسی بھی قسم کا عوامی جبر کرنے پر تیار نہ تھی۔ اسی دوران پھیلتی ہوئی صنعتی معیشت نے بے روزگاری کا سدھائے رکھنے والا ڈنڈا بھی غائب کر دیا۔ سوویت منتظمین کو اپنے منصوبوں کے اہداف پورے کرنے کے لیے مزدوروں کی ضرورت تھی اور مزدور بہتر حالات کا مطالبہ کرنے یا سائبیریا چلے جانے کی پوزیشن میں تھے۔ تاہم سوویت مزدوروں کو سب سے زیادہ طاقت آبادیاتی تبدیلی سے ملی۔ وسطی روس کے دیہات افرادی قوت سے محروم ہو چکے تھے۔ فطری طور پر یہ چیز عورتوں کی سماجی حیثیت میں اضافے کا سبب بنی۔ قصبوں میں صنعتی روزگار اور تعلیم نے طرزِ زندگی تبدیل کر دیا اور محض ایک ہی نسل مین شرح پیدائش کم ہوگئی۔ روس میں مزدوروں کی تاریخی قلت پیدا ہوئی۔ زاروں اور یہاں تک کہ سٹالن نے ہمیشہ کسان مزدوروں اور فوجی رنگروٹوں کی فراہمی پر انحصار کیا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں آبادیاتی تالاب خشک ہو گیا۔ کسانوں کو مزدور بنانا درحقیقت سوویت تہذیب کی فتح تھی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ صدیوں پرانی اس روسی روایت کو ختم کیا جائے جس میں ایلیٹ طبقے کو سہارا دینے اور مغرب کا عسکری مقابلہ کرنے کی قیمت کسانوں کو ادا کرنا پڑتی۔ آبادیاتی قلت نے روایتی مطلق العنانیت کے لیے کوئی بنیاد نہ چھوڑی۔

سوویت صنعتی سماج اور اس کے نئے آبادیاتی تحرک کی تشکیل نے سوویت عسکری صنعت کا متروک ڈھانچہ تبدیل کرنے کے لیے ساختیاتی بنیادیں فراہم کیں۔ تاہم ابھرتی ہوئی جمہوریت سازی کو مطلق العنان بیوروکریسی پر قابو پانے کے لیے سیاست کی بھی ضرورت تھی۔ اس مین لبرل دانش وروں اور پیشہ وروں کا نئے بااختیار مزدوروں کے ساتھ اتحاد قائم کیا گیا۔ اس قسم کا جمہوری اتحاد چیکوسلواکیہ اور پولینڈ کی عوامی تحریکوں میں موثر ثابت ہو چکا تھا۔ سٹالن کے بعد کی حکومتوں نے بائیں بازو کی عوامی تحریکوں سے خوف محسوس کیا کیوں کہ ان کے نظریاتی اور جابرانہ وسائل ختم ہو چکے تھے اور سماجی تحریکوں کا سامنا وسیع پیمانے پر تشدد سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تاہم کلاسیکی مارکسی منظرکشی کے برعکس بالغ صنعتی معاشرے میں طبقاتی تنازعہ دورُخا نہیں بلکہ سوویت کارپوریٹ ایگزیکٹوز، لبرل دانشوروں اور مزدوروں کی مثلث پر مشتمل تھا۔ لہٰذا بیوروکریسی کے لیے بہترین آپشن یہی تھا کہ دانش وروں کو نقصان پہنچاتے ہوئے مزدوروں کو بھاری قیمت پر خرید لے۔

برزنیف دور میں سوویت مزدوروں کی سیاسی تربیت دو مہنگے طریقوں سے کی گئی:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عوامی صارفیت بڑھائی گئی اور خراب کارکردگی برداشت کی گئی۔ بیوروکریسی نے مزدوروں کو اپنی لاپرواہی اور مراعات میں شریک کیا اور انجینئروں اور دانش وروں کو تباہ کیا۔ ستر کی دہائی میں پیٹروڈالر کی قدر میں کمی نے دوعشروں تک قدامت پسندانہ ویلفیئر کو سبسڈی فراہم کی۔ اس کی اصل قیمت اندازے سے باہر ہے۔ شراب نوشی، مردانہ شرح اموات اور کام چوری میں بدنامی کی حد تک اضافہ ہوا، اس کے ساتھ ساتھ سوویت مصنوعات کا معیار بھی گھٹیا ہو گیا۔ یہ سب چیزیں غالب سنکی پن کے نتائج تھیں۔ نتائج سے گریز اور سماجی جمود نے برزنیف دور میں نوجوانوں کے تحرک کا گلا گھونٹ دیا۔

انہدام ناگزیر کیسے تھا؟

متحرک اور توانا نوجوان میخائل گورباچوف سپوتنک اور سٹالن مخالف نسل سے تھا۔ ساٹھ کی دہائی کی کامیابیوں نے اس کے ساتھیوں میں سوویت نظام پر عقیدے کی توثیق کر دی تھی۔ گورباچوف ساٹھ کی دہائی کی نیولیفٹ بغاوتوں کا ایک حصہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ تاہم آمرانہ طاقت کے سرکاری عہدوں کی حمایت بھی اسے حاصل تھی اور اس کے مقاصد بالکل قدامت پسندانہ تھے۔ اس نے سوویت بلاک کو ریاستی سرمایہ داری میں داخل کیا اور امید لگائی کہ موجود سیاسی ڈھانچے مضبوط ہوں گے، نوجوان بیوروکریسی ٹیکنوکریسی میں بدل جائے گی اور غیر ملکی امداد سے صنعتوں میں اضافہ ہو گا۔ ان تضادات نے گورباچوف کی جوشیلی بیان بازی کو ممکنہ حامیوں کے لیے الجھن کا باعث بنا دیا۔ بہت کم لوگوں کو یقین تھا کہ گورباچوف جو کہہ رہا ہے واقعی کر دکھائے گا لیکن سب نے یہی ظاہر کیا کہ گورباچوف کے کاموں کا مقصد وہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم سچائی اس کے برعکس تھی۔ گورباچوف کی پالیسیاں انتہائی بے ہنگم اور ناپختہ لگیں کیوں کہ طویل عرصے تک پالیسی مباحث دبائے جانے سے روس میں نظریاتی دھڑے بندی پیدا ہو گئی تھی۔ پارٹی کے رسوم و رواج والے بیانیے اور مخالفوں کی تجریدی انسانیت پسندی میں آدرشوں اور عملی حل کی گہری خلیج حائل تھی۔ ہر سنجیدہ اصلاح پر سیاسی لیڈر کی شوقیہ برجستگی برقرار رہی۔

خیر، ایک لمحے کے لیے تصور کریں کہ گورباچوف کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کی پالیسیوں کو تصوراتی خطوط پر پھیلاتے ہوئے ہم ان کی آخری منزل کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ سوویت یونین تیسری دنیا میں اپنی وسیع وفاداریوں سے منحرف ہو جاتا ہے اور مشرقی یورپ سے نکل جاتا ہے۔ ماسکو کے نقطہ نظر سے یہ اتنا بڑا نقصان نہیں کیوں کہ پولینڈ اور چیکوسلوا کیہ جلد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہی متحدہ جرمنی اور اس کے سٹریٹجک دوست روس کے درمیان ہوں گے۔ امریکا کے ساتھ تخفیف اسلحہ کا معاہدہ ڈرامائی طور پر جیوپولیٹیکل بوجھ کم کر دیتا ہے اور ماسکو اپنا ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس از سر نو تعمیر کر لیتا ہے۔ سوویت صنعتوں میں ہنر مند مزدور کم اجرتوں پر کام کر رہے ہیں اور یہ صنعتیں یورپی سرمایہ کاروں کے لیے پرکشش ہیں۔ سابقہ کمیونسٹ ریاستوں میں جمع ہونے والی صارفانہ طلب اور روزگار کے مواقع میں اضافہ بہت بڑی اقتصادی ترقی پیدا کرتے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹیاں شاید معتدل سوشل ڈیموکریٹس کی حکمران اکثریت اور نظریاتی طور پر مضبوط تنہا اقلیتوں میں بٹ جاتی ہیں۔ اُورال سے بحراوقیانوس تک پورا یورپی براعظم واحد جغرافیائی سیاسی اور اقتصادی بلاک بن جاتا ہے جس میں جرمنی اقتصادی انجن کا کردار ادا کرتا ہے اور روس لیبر، خام مال اور فوجی طاقت فراہم کرتا ہے۔ واقعات کے اس وژن میں امریکی بالادستی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ سوشل ڈیموکریٹ اور پدرانہ مزاج والے یورپ کے ساتھ نو تعمیر شدہ روس مل کر نیولبرل ازم کے واشنگٹن اجماع کی مخالف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ تاہم نظریاتی طور پر پس ماندہ امریکا معاشی طور پر زیادہ بری کارکردگی نہیں دکھاتا۔ یورپی مثال کی طاقت دیکھتے ہوئے واشنگٹن اندرونی طلب پیدا کرنے کے لیے ضروری سیاسی اقدامات اپنانے اور لاطینی امریکا اور چین کے ساتھ اپنا تجارتی بلاک قائم کرنے کا جذبہ دکھا سکتا ہے۔ اس معاملے میں دنیا یقیناً سرمایہ دارانہ رہتی ہے لیکن یہ ایک مختلف قسم کی سرمایہ دارانہ عالم گیریت ہے۔

اگر دنیا اس راستے پر جاتی تو آج گورباچوف ایک سیاسی دیوتا ہوتا جو بڑے محتاط انداز میں مختلف خطوں کو مبہم پیغامات جاری کر رہا ہوتا۔ نتائجیت پسند رہ نما تعریف کرتے کہ اس نے اپنے ملک کی کشتی بڑی احتیاط سے سرمایہ دارانہ خوش حالی کے ساحل پر پہنچائی ہے۔ ساحل تک پہنچنا ایک استعارہ ہے جس کا اشارہ ڈینگ جیاؤپنگ کی طرف ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ ۱۹۸۹ء کے اختتام تک گورباچوف عالمی سطح پر جمہوریت کو فروغ دینے والا اور یورپ کو متحد کرنے والا سمجھا جاتا تھا جب کہ ڈینگ کو تیانامن اسکوائر کے قصائی کے طور پر بدنام کیا جاتا تھا۔ کمیونزم سے چینی اور سوویت خروج کے مابین فرق صرف شخصیات اور سیاسی اسٹائل میں نہ تھا۔ ان میں بہت سارے ساختیاتی اختلافات موجود تھے جن میں بہت سے تاریخی ورثے میں ملے تھے، کچھ حادثاتی تھے اور کچھ کمیونزم سے غیر متعلقہ تھے۔

۱۹۸۹ء کا سال دو مختلف طریقوں سے کمیونزم کی معدومی کا سال ہے۔ سوویت یونین

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا زوال چین کے عروج کی نسبت بہت زیادہ تیزی سے ہوا۔ عوامی جمہوریہ چین نے بھی ۱۹۸۹ء میں اس خطرے کا تجربہ کیا تھا جب کمیونسٹ تنظیمی ڈھانچے کی اعلیٰ صفوں میں گروہی تقسیم نے طلبہ تحریک کو جنم دیا جو علامتی طور پر بیجنگ کے تیانامن اسکوائر سے تعلق رکھتی تھی۔ طلبہ تحریک میں بھی وہی کمزوریاں اور طاقتیں تھیں جو سوویت یونین کی آمریت مخالف تحریکوں یا ۱۹۶۸ء کی نیولیفٹ تحریکوں یا ۲۰۱۱ء کی عرب بہار میں تھیں۔ اچانک احتجاج نے نوجوانوں کی جذباتی توانائی کا رخ منافق اور خودغرض لیڈروں کی طرف موڑ دیا۔ لیکن تحریک میں خودکار تنظیمی توسیع، قلیل المدتی اہداف اور رابطوں کا فقدان تھا۔ دیہی علاقے تو کجا صوبائی قصبات سے بھی کوئی تنظیمی رابطہ نہ تھا۔ ۱۹۸۹ء میں چینی پارٹی نے اپنی صفوں میں شمولیت بند کر دی کیوں کہ قیادت کے گذشتہ اختلافات کے نتائج انہیں یاد تھے۔ شاید زیادہ اہم بات یہ تھی کہ چینی صفوں میں جنگ کے تربیت یافتہ لوگ شامل تھے۔ اس کے برعکس گورباچوف اور اس کے ساتھی عہدوں کے متلاشی اور انقلاب اور خانہ جنگی سے دو نسلیں دور تھے۔ ڈینگ جیاؤ پنگ جیسے لوگوں کے لیے بندوق کی نالی سے مضبوط ہونے والا اقتدار محض استعارہ نہیں تھا۔

تاہم تیانامن اسکوائر تحریک کو دبانے کی بہت بڑی نظریاتی قیمت چکانا پڑی۔ سرگرم طلبہ نے بالکل انہی آدرشوں کی بنا پر دعویٰ کیا جو کمیونسٹ پارٹی کی وجہ جواز تھے۔ بائیں بازو پر بائیں بازو کا حملہ دائیں بازو کی طرف مراجعت کا سبب بنا اگرچہ قیادت میں سے کسی نے یہ بات تسلیم کرنے کی جرأت نہ کی۔ درحقیقت ۱۹۸۹ء میں چینی کمیونزم بھی ختم ہو گیا تھا۔ حکمران کمیونسٹ پارٹی نے اپنا خطرناک دو رُخا نظریہ خاموشی سے ایک طرف رکھ دیا اور کارکردگی کی بنیاد پر جواز دینے لگی۔ درحقیقت کمیونسٹ حکومتوں کی پالیسی دستاویزات میں یہ ایک جانا پہچانا اقدام تھا۔ ۱۹۲۱ء کے آغاز میں ہی روسی بالشویک یہ اعتراف کرنے لگے تھے کہ ان کی مارکیٹ پر مبنی نئی اقتصادی پالیسی انقلابی عمل کا لازمی حصہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے لیے لبرل ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح ٹیٹو کے یوگوسلاویہ اور جینس کیدار کے ہنگری میں بھی مارکیٹ کے مختلف تجربات کرنے کے لیے سیاسی مخالفوں کو دبایا گیا۔ یہاں تک کہ سوویت یونین میں برزنیف کا دور بھی خروشیف کے پریشان کن دور کا قدامت پسندانہ ردعمل تھا۔ تاہم ۱۹۷۰ء کے بعد سے سوویت لیڈروں نے مارکیٹ سوشلزم پر بات کرنا بند کر دی کیوں کہ تیل اور قدرتی گیس کی برآمدی آمدن کی وجہ سے وہ خطرات سے آزاد جامد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بیوروکریسی کی عیاشی برداشت کر سکتے تھے۔

چین کے پاس برآمد کرنے کے لیے تیل نہیں تھا۔ اس کی بجائے کمیونسٹ پارٹی نے محنتی کسانوں، صوبائی دست کاروں اور چینی تارکین وطن کی بنیاد پر اپنی نئی اقتصادی پالیسی بنائی۔ چینی دیہات اور برآمداتی علاقوں میں مارکیٹ قوتوں کے اعتراف کی فوری سیاسی وجہ صاف ظاہر تھی یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ کسان اپنا پیٹ بھی پالیں اور شہروں کو بھی خوراک دیں تاکہ اختلافات کم ہو جائیں۔ یہ پہلا دفاعی اقدام کر کے چینی کمیونسٹ ایک طویل راستے پر چل نکلے اور ۱۹۸۹ء کے سیاسی بحران سے صاف بچ گئے۔ نام کے کمیونسٹ چین نے مشرقی ایشیا میں جنوبی کوریا اور تائیوان جیسی کمیونسٹ مخالف ترقیاتی ریاستیں پیدا کیں۔

چینی کمیونزم کا نادانستہ خوش قسمت فرار سوویت یونین کی نادانستہ تباہی کی وجوہات بتاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ بیوروکریسی کی اجتماعی ناکامی تھی۔ ۱۹۸۹ء کا سیاسی طوفان سوویت بیوروکریسی کی صفوں میں گھبراہٹ اور متعدد خرابیوں کا نتیجہ تھا۔ حقیقت میں یہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ریاست کا خاتمہ کیا تھا۔ بیوروکریسی کے باغیوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اپنے طور پر کمیونزم کا خاتمہ کر سکیں۔ ۱۹۹۱ء تک ان باغیوں میں تنظیمی بنیادوں کی کمی تھی اور وہ زوال پذیر سیاسی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی پوزیشن میں نہ تھے۔

حیرت کی بات ہے کہ سوویت بیوروکریسی اس نازک موڑ پر اپنے دفاع کو مربوط بنانے کے لیے کسی پر بھی انحصار نہ کر سکتی تھی۔ میخائل گورباچوف نے اپنے ترقیاتی دور (۱۹۸۵ء-۱۹۸۹ء) میں خود کو بیوروکریسی کے ردعمل سے محفوظ رکھنے کے لیے جنرل سیکریٹری کے طور پر اپنے اختیارات کا محتاط استعمال کیا۔ گورباچوف اندرونی سازشوں کا ماہر تھا، اس نے عوامی اور پارٹی حلقوں میں جو کوششیں کیں ان کی بدولت سوویت اقتدار کے تینوں اداراتی ستون (کمیونسٹ پارٹی، مرکزی وزارتیں اور خفیہ پولیس) ساکت و جامد اور پریشان ہو کر رہ گئے۔ لیکن ۱۹۸۹ء میں جب گورباچوف نے ناگزیر طور پر مشرقی یورپ میں کمیونسٹ اتحادیوں کی قربانی دی تو بیوروکریسی پر یہ بات کھلی کہ اس بڑے اور غیر یقینی کھیل میں ان کے اصل مفادات کیا ہیں۔ ۱۹۸۹ء کے بعد سوویت اشرافیہ بیوروکریسی کی طرح صنعتی شعبوں اور قومی ری پبلکس میں تقسیم ہو گئی۔ ۱۹۲۰ء کے بعد پہلی مرتبہ کمیونسٹ پارٹی کے اندر اور اس کے اردگرد مختلف دھڑے ظاہر ہوئے۔ لیکن یہ ترقی پسند اور انقلابی دھڑے بہت جلد ختم ہو گئے کیوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتشاری افراتفری میں ان کے پاس ایک دوسرے سے جڑنے کے لیے وقت بہت کم تھا۔ اب بیوروکریسی کے پاس کرپشن اور ملی بھگت کے بنیادی شخصی نیٹ ورک ہی بچے تھے۔ اُس وقت یہ عمل مکمل طور پر انتشاری نظر آتا تھا لیکن یہ مکمل طور پر بے ہنگم نہ تھا۔

بیوروکریسی کے پاس اعلیٰ انتظامی عہدے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سب کے سب تنظیمی طور پر تابع اور اصولی طور پر کسی بھی وقت ہٹائے جاسکتے تھے۔ جیسا کہ ہر بڑی انتظامی بیوروکریسی میں ہوتا ہے، بقا کا راز یہی تھا کہ اندرونی سرپرستی کے روابط وسیع کیے جائیں اور دھڑے بندی کرتے ہوئے طاقت بڑھائی جائے۔ ۱۹۸۹ء کے بعد بقا کی یہ حکمت عملیاں مکمل طور پر نئے پیمانے پر ظاہر ہوئیں۔ بیوروکریسی تین تنظیمی حلقوں میں تقسیم تھی: علاقائی حکومتیں، اقتصادی ذیلی وزارتیں اور خفیہ پولیس کا مرکزی کنٹرول اپریٹس اور پارٹی کا نظریاتی ادارہ۔ ان تینوں میں کنٹرول کرنے والی تنظیمی ہیئت سب سے اہم تھی لیکن اس کی نج کاری بھی نہایت مشکل ثابت ہوئی۔ ریاست کے بغیر خفیہ پولیس مافیا بن جاتی ہے اور حکمران پارٹی کے بغیر نظریاتی ادارہ محض شور مچانے والا فرقہ بن جاتا ہے۔ سابق سوویت یونین کی اقتصادی اور علاقائی اکائیاں علیحدگی میں معاون ثابت ہوئیں۔ اب قومی صدر کو کون ہٹا سکتا تھا یا ٹیکس سے بچنے کے لیے بیرونِ ملک اثاثے منتقل کرنے والے سرمایہ دار کو کون پوچھ سکتا تھا۔

نج کاری کا قانون پاس ہونے سے پہلے ہی مختلف وحشیانہ طریقوں سے سوویت صنعتی اثاثے لوٹ لیے گئے تھے۔ قومی ری پبلکس اور شہری ہال کارپوریٹ ملکیت میں تبدیل ہو گئے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ لبرل دانش وروں نے خود ان نئی حکمت عملیوں کا نظریاتی جواز پیش کیا۔ نوخیز سول سوسائٹیاں اپنے اپنے ملکوں کو سرمایہ دارانہ مغرب سے ملانے کے لیے اپنے طور پر لبرل جمہوریتوں میں تبدیل کر رہی تھیں۔ اس سرعت رفتار نظریاتی دراڑ نے وہ مطالبات ظاہر کیے جو انقلاب کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء کے بعد باغی دانش ور تین چیزوں کا مطالبہ کر رہے تھے: آزادانہ انتخابات، قومی خودمختاری اور مارکیٹ۔ تینوں مطالبات حکمران بیوروکریسی کے خلاف زور دار تھپیڑے اور عوامی آزادی کے ذرائع کے طور پر تشکیل پا رہے تھے۔ سوویت ری پبلکس کے گورنروں نے محسوس کیا کہ خودمختاری کا اعلان انہیں گورباچوف کو ہٹانے اور اس کے انتقام سے محفوظ رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس سے پہلے انتخابات میں بیوروکریسی کے افسران دانش وروں سے آگے نکل جاتے تھے۔ مارکیٹ نج کاری نے ان لوگوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے سنہری موقع فراہم کیا اور انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور گاہکوں سے شان دار سودے کیے۔

سابقہ بیوروکریسی کی وسیع خرابیوں اور ان کی مدہوش سرمایہ داروں اور قوموں میں تبدیلی نے ریاست میں تباہی مچادی اور اقتصادی ڈھانچے تباہ کر دیے۔ منہدم ہوتے ہوئے سوویت یونین کے جنوبی علاقوں میں نسلی جنگیں چھڑ گئیں۔ یہاں تک کہ مرکزی علاقوں میں بھی فرار ہوتی ہوئی بیوروکریسی کو اپنی جان بچانے کے لیے مافیا کے ساتھ گھناؤنے معاہدے کرنے پڑے۔ یہ نتائج گورباچوف کے ارادوں کی بھونڈی نقالی تھے۔ اس کا مقصد سپر پاور طاقت کی حیثیت سے مغربی یورپ کے سرمایہ دارانہ نیٹ ورک میں فائدہ مند اجتماعی شمولیت کے لیے گفت وشنید کرنا تھا۔ لیکن سابق سوویت ری پبلکس بڑی تیزی سے عسکری طاقت، بین الاقوامی عزت و احترام، ترقی یافتہ سائنس اور عوامی نظم و ضبط سے محروم ہو گئیں۔ جانشین ریاستوں کی ڈرامائی کمزوری نے کسی بھی قسم کی صنعتی ترقی ناممکن بنادی۔

سوویت یونین نے یک ادارتی صنعتی معاشرہ پیدا کیا جس میں عوامی سرگرمی کے تمام شعبے مرکزی طور پر کنٹرول کیے جاتے تھے۔ ریاستی وحدت کے خاتمے نے تمام جدید اداروں کو غیر فعال کر دیا لہٰذا خاندانی اور قرابتی سطح سے اوپر کوئی بھی سیاسی اجتماعی عمل ممکن نہ رہا۔ یہ صورت حال خودکار طریقے سے پھیلتی چلی گئی۔ انفرادی طور پر سب سے زیادہ عقل مندانہ اور صلہ بخش کام یہی تھا کہ ریاستی اثاثوں کو لوٹا جائے اور چند ایک کوششوں کے بعد لوٹ کا مال باہر منتقل کیا جائے۔ حکمران خود اپنی ریاستوں کو کمزور کرنے میں ملوث تھے کیوں کہ بدعنوان سرکاری اہل کار اور نااہل عدلیہ لوٹ مار اور شخصی سرپرستی کی لازمی شرائط تھیں۔ ریاستی طاقت کے روایتی ذرائع مثلاً فوجی طاقت اور اندرونی احتجاجوں سے نبٹنا، عالمی جغرافیائی سیاست میں غیر متعلق بن گئے کیوں کہ عالمی سطح پر امریکی استعمار اور گلوبل فنانس کے ادارے نگران بن چکے تھے۔ تمام سوویت ریاستوں نے خوشی خوشی خودساختہ مارکیٹ جمہوریت کا اعلان کر دیا اگرچہ قومی خصوصیات کے نام پر حکمرانوں کی مکروہ اجارہ داری پھر بھی قائم تھی۔

نج کاری سے اودھم مچانے والے دانش وروں کو بڑا سخت دھچکا لگا جن کی پر شکوہ ملازمتیں اور پیشہ وارانہ نیٹ ریاستی اداروں میں سرایت کیے ہوئے تھے۔ لبرل دانش ور بالخصوص سماجی ناقد بے شرمی کی حد تک مفلس اور سیاسی طور پر شکست خوردہ اور نظریاتی طور پر گونگے ہو گئے کیوں کہ ان کے لبرل اور قوم پرستانہ پروگرام اغوا ہو چکے تھے۔ مزید برآں، طاقت کی حکمت عملیاں ریاستی صنعتی پیداوار اور فوجی عظمت سے نجی ملکیت کو منتقل ہوئیں تو مصنوعات کی برآمدات اور مالیاتی سٹہ بازی نے پوسٹ کمیونسٹ اشرافیہ پر مزید برا اثر کیا۔ ماہرین اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارکنوں کی پیداواری اور محب وطن فوجیوں والی حیثیت ختم ہوگئی بلکہ وہ ووٹر اور ٹیکس دہندہ کے طور پر بھی کسی کھاتے میں نہ رہے۔ دیوالیہ فیکٹریوں کے خلاف احتجاج یا قومی آزادی اور مارکیٹ اصلاحات کے لیے متروک نعرے لگانے یا غدار سیاست دانوں کے خلاف مہم چلانے کا بھلا کیا فائدہ ہوتا۔ ترقیاتی دور کی با اختیار بنانے والی فضا اور توقعات اچانک بے حس مایوسی، معاشی مشکلات اور مجرمانہ ذہنیت میں بدل گئیں اور نقل مکانی کر جانے کی شدید خواہش پیدا ہو گئی۔ مغربی یورپ کی جنت میں جانے کی بجائے پوسٹ سوویت لوگ مشرق وسطیٰ کے سخت حقائق میں پھنس گئے۔

پیش گوئیاں اور تاریخی راستے

رنڈل کولنز اور عمانویل والرسٹائن کمیونزم کے واضح خاتمے کے لیے ساختیاتی رجحانات سمجھنے میں مجموعی طور پر درست تھے۔ کولنز نے سوویت توسیع کے عروج کے وقت سوویت طاقت کی جغرافیائی سیاست کی تحدیدات کے تناقض کی طرف اشارہ کیا۔ وہ انہدام کے انداز کی پیش گوئی کرنے میں بھی درست تھا کہ سامراجی مرکز کی سیاسی نااہلی کے ردعمل میں قومی اور اتحادی ریاستیں مطیع نہ رہیں گی۔ لیکن کولنز کے ماڈل نے نہ تو یہ پیش گوئی کی کہ زوال کی رفتار کیا ہوگی اور نہ یہ بتایا کہ ماسکو اس المیے میں کیا کرے گا۔

والرسٹائن نے دستیاب اختیارات کا تجزیہ کرتے ہوئے مزید کہا کہ سوویت اصلاحات کی ممکنہ منزل بین البراعظمی یورپی اتحاد کے تحت سرمایہ داری کی طرف واپسی ہوگی۔ سرد جنگ کی فضا میں سوویت یونین سمیت کسی نے بھی اس امکان پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ تاہم والرسٹائن نسلی جاگیرداری اور صنعتی وزارتوں میں سرایت کیے ہوئے پیچیدہ اداراتی بوجھ کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ سوویت یونین کی منتشر جانشین ریاستیں سرمایہ دارانہ ہوگئیں۔ عالمی سرمایہ دارانہ تنظیم میں قابل عزت اجتماعی شمولیت کے لیے سپر پاور کی حیثیت سے عاقلانہ سودے بازی کرنے کی بجائے بیوروکریسی اپنی ضد پر اڑی رہی اور انفرادی مفادات کے تحفظ کے لیے سوویت اثاثے ہضم کرتی رہی۔ پارٹی بیوروکریسی کو خوف تھا کہ گورباچوف یا عوامی بغاوت انہیں غریب کر دے گی۔ عالمی سرمایہ داری کے وسیع تناظر میں والرسٹائن کی تھیوری بنیادی طور پر درست تھی لیکن اسی وسیع تناظر کی وجہ سے اس کی تھیوری یہ بتانے میں ناکام رہی کہ سوویت اشرافیہ کی شرمناک سیاسی حالت انہیں تاریخی مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے متحد نہیں ہونے دے گی۔ اس سے ہمیں ایک انتباہ ملتا ہے: گنی چنی اشرافیہ بالخصوص جب وہ اداراتی طور پر اختلافات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا شکار اور نظریاتی تعصب سے اندھی ہو، تبدیلی کے عمل کو سمجھنے میں بھیانک غلطیاں کرتی ہے۔

اُس وقت کے دائیں اور بائیں بازو کے غالب عقاید سوویت کو نظریاتی پیمانوں سے جانچ رہے تھے لیکن کولنز اور والرسٹائن کے تجزیے مجموعی طور پر زیادہ صحیح ثابت ہوئے کہ یہ نظاماتی تھے۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے سوویت بلاک کو وسیع تر دنیا کا ایک حصہ سمجھا۔ کولنز کے تجزیے کی بنیاد عسکری جیو پالیٹکس کی طویل المدتی باقاعدگیوں والی پیش گوئیاں تھیں۔ والرسٹائن نے سرمایہ دارانہ عالمی معیشت کے پہلوؤں پر توجہ دی اور دیکھا کہ مختلف خطوں کی اشرافیہ کے پاس کون سے سیاسی آپشن ہو سکتے ہیں۔ یہ مختلف لیکن تفصیلی طور پر باہم مربوط پہلو ہیں۔ درحقیقت ان دونوں تجزیوں کو ملا کر دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ کن ساختیاتی عوامل کی وجہ سے چین کا کمیونزم سے خوش قسمت اخراج ہوا۔

روسی اور چینی کمیونزم کی مختلف نوعیتیں اور نتائج تشکیل دینے میں تاریخ کا کردار یقیناً اہم تھا۔ معاشی مورخوں نے اب بہت سے شواہد جمع کر لیے ہیں کہ قدیم چین نے جدید مینوفیکچرنگ اور تجارت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تاہم سامراجی چین دنیا کی پہلی سرمایہ دارانہ طاقت نہ بنا اور اس کی وجہ بنیادی طور پر جغرافیائی سیاست ہے۔ بنیادی طور پر چینی سلطنت اندرونی ہم آہنگی قائم رکھنے اور خانہ بدوشوں کے حملوں سے بچاؤ کرنے میں مصروف رہی۔ مغرب میں روم کے زوال کے بعد کوئی ایسی سلطنت تشکیل نہ پا سکی جس کی وجہ سے مغربی سرمایہ داروں نے اپنے تحفظ اور مضبوطی کے لیے پہلے شہری ریاستوں اور بعدازاں جدید قومی ریاستوں کا نظام بنایا۔ انیسویں صدی میں چینی سلطنت ختم ہو گئی اور اس کے تباہ کن واقعات نے مقامی سرمایہ داری کو نقصان ہی پہنچایا۔ چینی سرمایہ داروں کو اندرونی بدنظمی اور مغربی طاقتوں اور جاپان کی طرف سے بیرونی غلبے کا سامنا تھا۔ کمیونسٹ باغیوں کو چین میں غالب آنے میں دردناک واقعات سے بھرپور ایک صدی لگی۔ ماؤ نے کسانوں کی قیمت پر سوویت طرز کی صنعت کاری قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا الٹا اثر قحط کی صورت میں نکلا اور اس کے بعد دس سال تک پارٹی کی صفوں میں سیاسی تنقید ہوتی رہی۔ انسانی جانوں کا ضیاع سوویت یونین سے بھی بڑھ گیا لیکن جدید صنعت اور شہریت کاری پھر بھی سوویت درجے کی نہ ہو سکی۔ چین ہمسایہ خطوں میں اپنے فوری اہداف حاصل کرنے کے قابل بھی نہ ہو سکا کجا کہ وہ عالمی سرمایہ دارانہ مخالف انقلاب کو فروغ دینے کا نظریاتی ہدف حاصل کرتا۔

یہاں کولنز کی جیو پولیٹیکل تھیوری ایک فائدہ مند چیز کی نشان دہی کرتی ہے جو بظاہر مضر نظر آتی ہے۔ چین عالمی اور علاقائی طاقتوں کے توازن میں بڑی سختی سے جکڑا ہوا تھا۔ لیکن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسی چیز نے چین کو سرد جنگ کے میدانِ کارزار سے دور رکھا۔ اس طرح چین پر نظریاتی دباؤ زیادہ نہ پڑا اور یہ مغرب کے ساتھ اقتصادی تعلقات قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ چینی صفوں نے انقلابی ماؤازم کو اپنے لیے اسی طرح خطرناک سمجھا جس طرح سوویت پارٹی بیوروکریسی نے سٹالن ازم کو اپنے لیے خطرناک سمجھا تھا۔ چین کی طویل تاریخی روایت نے اندرونی ہم آہنگی کی بحالی تجویز کی لہٰذا نچلی سطح کے اور دیہاتی کاروباری لوگوں کو آزادی میسر رہی۔ خوش قسمتی سے سٹالن کے ناکارہ صنعتی عمل میں بھی چین ترقی کر رہا تھا۔ چین کے مارکیٹ کی طرف رجوع نے مقامی پارٹی کی صفوں میں سرپرستی کے ذریعے کارکنوں کو انفرادی دولت کے مواقع فراہم کیے اور وہ بدعنوانی کی وجہ سے عوامی انتقام کا نشانہ نہ بنے۔ چین میں کمیونزم کا انہدام نہیں ہوا۔ چین کا سرکاری کمیونسٹ نظریہ ابھی تک ہلکے انداز میں چل رہا ہے۔ ماؤ کے بعد آنے والے چینی لیڈروں نے ساختیاتی حالات بھانپتے ہوئے جنوبی ایشیا میں آمرانہ انداز کی برآمدات کرنے والی ترقیاتی ریاست قائم کی۔ اس سے والرسٹائن کی دیرینہ پیش گوئی پوری ہوتی ہے کہ کمیونسٹ عالمی سرمایہ داری سے مل جائیں گے اور بیرونی سرمایے اور قومی لیبر میں سہولت کار کا کردار ادا کریں گے۔

سرمایہ داری اور اس کے بیسویں صدی کے مخالفین

ہمارے کمیونزم کے تجزیے میں عسکری جیوپالیٹکس کا ذکر بار بار ہوتا ہے کیوں کہ بیسویں صدی کے انقلابات وضع کرنے میں یہ اہم ترین عنصر ہے۔ میں یہ بات پھر دہراتا ہوں کہ کمیونزم نہ تو کارل مارکس کے آدرشوں سے ظاہر ہوا اور نہ روس یا چین کے مقامی حالات سے۔ یہ بائیں بازو کی مخصوص لہر کا نتیجہ تھا؛ روسی بالشویکوں کو موقعہ ہاتھ آ گیا کہ تباہ کن جنگ کے دوران ٹیکنالوجی کے لحاظ سے ترقی یافتہ اور عالمی سیاست میں قابل دفاع پلیٹ فارم پر قبضہ جما سکیں۔ بالشویک شعوری طور پر فرنچ انقلاب کے پیروکار تھے اور انہیں اندازہ تھا کہ پرانی حکومتیں الٹنے، بیرونی حملہ آوروں کو شکست دینے اور وسیع تر سماجی بنیادوں پر مضبوط ریاستیں تشکیل دینے میں انقلابی دانش ور عوام الناس کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

براہِ راست امداد کے ذریعے یا اس کے بغیر مقامی انقلابی دانش وروں کی وطن دوست بغاوتیں کامیاب رہیں۔ سب ریاستیں کمیونسٹ تو نہ بنیں لیکن سب نے بالشویکوں کی حکمت عملیاں ضرور اختیار کیں۔ نئی ریاستوں میں اقتصادی کنٹرول کا فرق تھا۔ جہاں کہیں ریاستوں نے ہر چیز اپنی ملکیت میں لینے کی کوشش کی، ایسی ہر ریاست سوشلسٹ کہلائی۔ وہ ریاستیں جن میں صرف غیر ملکیوں یا مخصوص تنگ نظر یا وطن مخالف لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی گئیں، ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریاستیں قومی ریاستیں اور یہ عمل قوم پرستی کہلایا۔ بالشویک انقلاب کے اثرات زیادہ شدت کے ساتھ اُن سابقہ زرعی سلطنتوں میں ظاہر ہوئے جو مغربی سرمایہ داری کے ہاتھوں تذلیل کا شکار تھیں اور مکمل طور پر مغرب پر انحصار کرتی تھیں۔ یہی چیز تیسری دنیا کی قومی آزادی کی تحریکیں کہلاتی ہے جس کی پہلی مثال 1918ء کے بعد کمال اتاترک کا ترکی تھا، پھر ہندوستان کی جنگ آزادی کی رزمیہ جدوجہد اور ۱۹۷۹ء کا ایرانی انقلاب ہے۔ انقلاب ایران میں ۱۹۶۸ء کے طرز پر مابعد جدیدی طلبہ تحریک نے شہری غریبوں اور تاجروں کو بدکردار مطلق العنان شاہِ ایران کے خلاف ماقبل جدید بغاوت پر اکسایا۔ تاہم اس کا نتیجہ خالصتاً جدید انقلابی ریاست کی صورت میں نکلا اور یہ ریاست خلافت کے بجائے سوویت طرز حکومت سے زیادہ مشابہ ہے۔ جس طرح دو عالمی جنگوں نے سوویت یونین کا تعین کیا اسی طرح اسلامی جمہوریہ کے خبطی دورِ حکومت کی تشکیل صدام کے حملوں کے خلاف ایرانیوں کی حب الوطنی والی مزاحمت کے نتیجے میں ہوئی۔ یقیناً صدام انقلاب مخالف بیرونی مفادات کے لیے ایجنٹ کے طور پر لڑ رہا تھا۔

اپنی خلط ملط ترکیب کے باوجود ۲۰۰۱ء کے بعد سُنّی جہادی عسکریت پسندی نظام مخالف جدوجہد کی بڑی تصویر میں محض ایک چھوٹا سا جھٹکا تھا جو امریکا کی افغانستان اور عراق پر حملے کی بھیانک غلطی کی وجہ سے بہت بڑا نظر آیا۔ القاعدہ نے اخلاقی تطہیر کی بغاوتوں اور غیر ملکیوں کے خلاف مزاحمت کی دہشت گردانہ اشتعال انگیزی کے ذریعے عالمی جیوپولیٹیکل محاذ آرائی کی کوشش کی۔ ان کی حکمت عملی بالشویکوں کی نہیں بلکہ انیسویں صدی کے روسی نارودنِکی کی یاد دلاتی ہے جس نے خودکش بموں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور سابق روسی دہشت گردوں کے مقابلے میں جہادیوں کو عوامی بغاوت برپا کرنے میں سیاسی ناکامی ہوئی ہے۔

خیر، بنیادی سرمایہ دارانہ ریاستوں میں کمیونسٹ جماعتیں مغربی معاشروں کی بیش بہا دولت پر لٹو ہو گئیں اور پارلیمانی نظام قائم کیا جس کی بدولت سوشل ڈیموکریسی کے داؤ پیچ لڑانے میں سہولت ہوئی۔ جنگ کے دوران اٹلی، اسپین اور جرمنی میں فاشسٹوں نے کمیونسٹوں کو بے رحمی سے روکا۔ فاشزم اپنی طرز کی نئی انقلاب مخالف قوت تھی جس نے جنگ زدہ ریاستی اشرافیہ اور عام آدمی کی جارحیت دونوں کو متاثر کیا۔ نظام مخالف تحریکوں کی فاشسٹ قسم پر سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ آنے والے بحران میں یہ دوبارہ زور پکڑ سکتی ہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد مغرب نے سرد جنگ نظریے میں فاشزم کو کمیونزم جیسی برائی تصور کیا۔ فاشزم اور کمیونزم میں پروپیگنڈا، صنعتی سامانِ جنگ، اقتصادی منصوبہ بندی اور ریاستی کنٹرول وغیرہ مشترک ہیں لیکن بیسویں صدی میں یہ سب حربے اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ بہت سے لوگ کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ سمجھ پائے۔ مورخ ایرک ہابس بادم کے بقول وسیع جنگ اور اقتصادی بدحالی نے تمام حکومتوں کو حکومت کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ رجحان اسکنڈے نیوین (سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آئس لینڈ، فن لینڈ) ملکوں کی سوشل ڈیموکریسی اور اینگلو امریکی ملکوں کی لبرل ڈیموکریسی میں فروغ پایا جہاں اقتصادی منصوبہ بندی، صارفیت اور پولیس کی نگرانی مختلف درجوں میں موجود ہے۔

اصل اور علامتی ریاستی تشدد کا انحصار عالمی سیاسی حیثیت اور اندرونی انقلابیوں کی قوت پر تھا۔ اینگلو امریکن جمہوریتوں میں غالب طبقات نے یورپی معاصروں کی نسبت کم خطرہ محسوس کیا لہٰذا انہوں نے متشدد اور سفلہ نسل پرستوں کو انقلابیوں کے خلاف گلی کوچوں میں عام لڑائی کی اجازت نہ دی اور نہ ہی دوسرے ملکوں پر حملے کر کے برائی کے اڈے ختم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ جب بات ہٹلر کی جنونی عسکریت پسندی تک پہنچی تو اینگلو امریکی لبرل فوراً کمیونسٹوں کے ساتھ مل گئے۔ ہٹلر سرمایہ داری کو انقلاب کے ذریعے نہیں بلکہ خونیں تباہی کے ذریعے ختم کرنا چاہتا تھا۔ بیسوی صدی کی سب سے بڑی لیکن قابل فہم ستم ظریفی یہ ہے کہ کمیونسٹ انقلاب کے نتیجے میں بننے والی سوویت ملٹری انڈسٹری نے سرمایہ دارانہ عالمی نظام کو بچایا۔

فاشزم اور کمیونزم انیسویں صدی کے نیشنل ازم اور سوشل ازم کے انقلابی اظہار ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف بے جگری سے لڑے اور کلرکوں، چھوٹے افسروں، دانش وروں، مزدوروں اور کسانوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دونوں تحریکوں نے اپنے پیروکاروں کو عزت و وقار، اختیارات اور پارٹی، بیوروکریسی اور فوج میں بڑے بڑے عہدوں کی پیش کش کی۔ دونوں تحریکیں پرانی اشرافیہ حکومتوں کی پابندیاں ختم کر کے اپنے اپنے تصور کے مطابق عام آدمی کی ترقی کے لیے سرگرم تھیں۔

یہ ایک پریشان کن حقیقت ہے کہ عام آدمی کے لیے عدل اور سیاسی حقوق کے جدید نظریات عملاً اور اصولاً دو متضاد چیزیں ہیں۔ سماجی مساوات اور انسانیت کے اتحاد کے طور پر عدل کو عموماً سوشل ازم کہا جاتا تھا۔ دراصل یہ روشن خیالی کا آدرش ہے جسے دانش وروں کی حمایت اور کشش حاصل ہے۔ لیکن سیاسی طور پر یہ پروگرام قائم رکھنا کبھی بھی آسان ثابت نہیں ہوا کیوں کہ یہ گروہی مرتبے، مقامیت، مذہب، نسل اور صنف کی نفی کرتا ہے۔ عملی طور پر عدل بعض گروہوں کو بعض گروہوں کے خلاف مضبوط کرتا ہے اور اس کا مخصوص اظہار قوم پرستی، جنسیت، نسل پرستی، مذہبی بنیاد پرستی وغیرہ کی سیاست میں ہوتا ہے۔ ان آدرشوں کی فکری روایت اس سے بھی خام اور بودی ہے۔ لیکن عوامی سیاست کے دور میں یہ موثر ثابت ہوئی ہیں۔ گذشتہ دو صدیوں میں قوم پرستی نے شدید ترین جذباتیت والی سیاسی تحریکات پیدا کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آج بھی قوم پرستی تمام سیاسی پروگراموں سے زیادہ موثر ہے۔

کمیونزم اور فاشزم ایک دوسرے کے حلیف نہ تھے۔ یہ دونوں نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے مخالف اور بدترین دشمن تھے اور ان کا اظہار بیسویں صدی کی سامراجی عسکری صنعتوں سے ہوا۔ اب کمیونزم اور فاشزم دونوں ہی اپنی پہلے والی شکلوں میں دوبارہ ظاہر نہیں ہو سکتے کیوں کہ ان کی جیوپولیٹیکل اور نظریاتی وجوہات ختم ہو چکی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مستقبل میں آنے والا بحران سیاسی مخالفین کے شدید جذبات کو برانگیختہ نہ کرے گا۔ بلکہ روایتی سیاست کمزور ہونے سے اس قسم کے معاندانہ ردعمل کے امکانات زیادہ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر میرے ساتھی اپنی پیش گوئیوں میں درست ہیں تو پھر ہم چند مزید پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں سرمایہ داری کا بحران بنیادی طور پر جیوپالیٹکس میں نہیں بلکہ عالمی معیشت میں ظاہر ہوگا۔ اس کے نتائج طبقاتی تنازعہ جیسے ہوں گے، ریاستوں کے بجائے تعلیم یافتہ ماہرین کے مابین جنگ ہوگی۔ مزید برآں، اصل لڑائیاں مرکزی سرمایہ دارانہ ریاستوں میں ہوں گی جہاں جمہوری سیاست کے ادارے مضبوط ہیں اور عوامی تحریکوں کی روایت بہت پرانی ہے۔ ریاستی فوجیں یا نظریاتی جنگ جو کنٹرول کرنے کے بجائے نجی اقتصادی کارپوریشن کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوششیں ہوں گی۔ عالمی طور پر طبقاتی تنازعات کی وجہ سے نسل پرستی، مذہب اور قومیت کی بنیاد پر لڑائیاں ہوں گی۔ متشدد قوم پرستی جدید ریاست کی طاقتوں کو حد سے زیادہ جبر اور کڑی نگرانی کے لیے استعمال کرے گی۔ یہ بہت بڑا خطرہ ہے۔ دوسری طرف ہم لبرل اور بائیں بازو کے گروہوں میں سیاسی اتحاد دیکھیں گے جو جدید دنیا میں روشن خیالی کے وقت سے عروج پا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ طبقات اور سماجی تحریکیں ریاستی جنگوں اور خانہ جنگی سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر جنگی ساز و سامان سے گریز کیا جا سکتا ہے تو اکیسویں صدی میں پرتشدد انقلاب اور آمریت دونوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اگر یہ تجزیہ درست ہے تو ۱۹۱۷ء کا بالشویک انقلاب سرمایہ داری کے خاتمے کی پیش گوئی میں زیادہ مدد نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں ۱۹۶۸ء کی پراگ بہار جیسی عوامی تحریکوں یا ۱۹۸۹ء کی سوویت تحریکوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ دونوں واقعات میں حکمران اشرافیہ نے فوری تشدد سے گریز کیا۔ لیکن پھر بھی باغیانہ تحریکیں شرم ناک حد تک حکمران طبقات کو منتشر کرنے میں ناکام رہیں۔ نتائج خوش کن نہ تھے۔ لہٰذا مستقبل کے بارے میں ہمت اور ذمہ داری سے سوچنے کا مطلب ہے کہ سیاسی اور اقتصادی پروگراموں کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ اتحاد اور اختلافات کن کن کے مابین ہوں گے۔ کمیونزم سے یہی مفید سبق سیکھا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔ اب سرمایہ داری کو کیا خطرات ہیں؟

کریگ کالہون

عظیم بحران کے بعد سرمایہ داری اب بدترین مالیاتی اور معاشی بحران سے گزر رہی ہے۔ اگرچہ بحران کے منفی اثرات شدید نہ تھے لیکن دنیا کے امیر ملکوں میں ترقی کی شرح صفر ہو گئی۔ موجودہ بحران فنانشلائزیشن، سماجی اداروں کی نیولبرل کمزوری اور بڑھتی ہوئی عدم مساویت کے فوراً بعد آیا ہے۔ اس سے مسائل میں اضافہ ہوتا ہے اور ان سے نبٹنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور عام لوگوں کے لیے معاشی بدحالی کے اثرات سے بچنے کے حفاظتی اقدامات کم ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ دار اب بھی پیسہ کما رہے ہیں، کوئی ریاست مکمل طور پر منہدم نہیں ہوئی۔ تاہم مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔

انہدام کی بحثیں سرمایہ دارانہ نظام کے مرکزی ملکوں کے نظریات کی جھلک ہیں کیوں کہ ان کی برتر اور منافع بخش حیثیت ختم ہو رہی ہے۔ ایشیا، افریقا اور لاطینی امریکا میں یہ نظریات مختلف ہیں۔ موجودہ بحران یورپ اور شمالی امریکا کی مرکزی معیشتوں کے معاشی تحرک کی نئے ترقی پذیر ملکوں میں منتقلی کا اظہار بھی ہے اور اس میں تیزی کی وجہ بھی۔ سرمایہ داری کے مستقبل کے لیے اہم سوال یہ ہے کہ آیا یہ تحرک قائم رہ سکتا ہے یا نہیں۔ مغرب سے مشرق کی طرف اور شمال سے جنوب کی طرف منتقلی میں سرمایہ داری تبدیل ہو رہی ہے، شاید اس سے سرمایہ داری کی قوت بحال ہو جائے۔ لیکن تیزی سے بڑھتی معیشتوں کو مسائل کا سامنا بھی ہے۔ پرانے مراکز میں نئی سرمایہ دارانہ ترقی کا انحصار تبدیلی پر ہے بالخصوص سرمایہ داری کے سیاسی طاقت اور سماجی اداروں سے تعلق میں تبدیلی بہت اہم ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ سرمایہ داری کو محض مارکیٹ کی تبدیلی، مالیات، خراب بینکوں سے ہی خطرہ نہیں بلکہ جنگیں، ماحولیاتی تباہی اور آب و ہوا کی تبدیلی، سماجی ربط اور بہبود کے بحرانوں سے بھی شدید خطرہ ہے۔

سرمایہ داری کا زوال، تجدید یا تشکیلِ نو کیسے ہو گی؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ سرمایہ داری مکمل طور پر خود کفیل نظام نہیں۔ آپ پیچیدہ تاریخی حالات سے خالص سرمایہ دارانہ نظام نکال کر دکھا سکتے ہیں لیکن سرمایہ داری کی زندہ حقیقت یہی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ سرمایہ داری ہمیشہ غیر سرمایہ دارانہ معاشی سرگرمیوں اور سیاسی، سماجی اور ثقافتی عوامل سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ قانونی اور اداراتی نظام کے ساتھ ساتھ اقتصادی نظام بھی ہے۔ اور آج سرمایہ داری کو جن شدید خطرات کا سامنا ہے وہ انہی غیر معاشی عوامل پر انحصار کی وجہ سے ہے۔

میں اس نقطہ نظر کے خلاف بات کروں گا کہ سرمایہ دارانہ انہدام نہایت واضح ہے اور اس کے برخلاف تجویز کروں گا کہ اگر سرمایہ داری عالمی اقتصادی معاملات میں غلبہ کھوتی ہے تو اس کی وجہ دیگر تبدیلیاں اور دیگر قسم کی معاشی تنظیموں کا عروج ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرمایہ داری ہمیشہ قائم رہے گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دیگر اقتصادی شعبوں کے ساتھ مالیات (فنانس) کے توازن اور نظاماتی خطرے کا مسئلہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ منافع کا انحصار اپنی سرگرمیوں کو دوسروں کے کھاتے میں ڈالنے پر ہوتا ہے۔ سرمایہ داری انسانی، ماحولیاتی اور مالیاتی نقصانات کی قیمت خود ادا نہیں کرتی۔ آلودگی یا بے روزگاری جیسے معاملات حکومتوں یا دیگر سماجی اداروں کی توجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس کام کے لیے سرمایہ داری کے پاس کوئی ادارہ نہیں۔

جہاں جہاں سرمایہ داری کا فروغ تیزی سے ہوا ہے وہاں سماجی ترقی معاشی ترقی سے پیچھے رہ گئی ہے اور نیولبرل ازم نے مغربی ملکوں کی اداراتی اہلیت کمزور کر دی ہے بلکہ سیاسی جواز کے لیے بھی خطرات پیدا کر دیے ہیں۔ تیسری چیز یہ ہے کہ سرمایہ داری کو محض اداراتی عوامل سے ہی خطرہ نہیں بلکہ خارجی عوامل مثلاً آب و ہوا کی تبدیلی اور جنگ وغیرہ سے بھی شدید خطرہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ماحولیاتی حدود کے اندر سرمایہ داری کس حد تک ترقی کر سکتی ہے اور غیر مساوی ترقی کی وجہ سے پیدا ہونے والے ممکنہ تنازعات سے کس حد تک نبٹ سکتی ہے۔

ان تمام شعبوں میں سرمایہ داری کے لیے خطرات اس کی تشکیل نو تو کر سکتے ہیں اسے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ خطرات ایسی دنیا پیدا کر رہے ہیں جس میں سرمایہ داری اہم رہتی ہے اور کسی حد تک دوبارہ بحال بھی ہو جاتی ہے لیکن عالمی نظام کے طور پر غالب آنے کے قابل نہیں رہتی۔

انہدام کیوں نہیں؟

یہ کہنا کہ سرمایہ داری منہدم ہو جائے گی جیسے سوویت یونین کا انہدام ہوا تھا، ذرا گم راہ کن بات ہے۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا راتوں رات یہ وجود سے عدم وجود میں بدل جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گی۔ سوویت یونین راتوں رات معدوم ہو گیا تھا کیوں کہ یہ ایک خاص اداراتی ڈھانچہ تھا، ایک ریاست تھی اور اس کی قانونی شکل تحلیل کی جا سکتی تھی۔ لیکن سرمایہ داری کا معاملہ ایسا نہیں۔

چوں کہ سوویت یونین ایک ریاست تھی اس لیے وہ ایک قسم کی کارپوریشن تھی اور یہی کارپوریشن ہی اصل میں تحلیل ہوئی۔ تاہم اس قانونی اور سیاسی ڈھانچے کی تحلیل کے عمل نے طاقت کے دیگر تعلقات اور عملی سرگرمیوں پر بھی دوررس اثرات مرتب کیے۔ ابھی تک بعض ادارے جو سوویت یونین کے ساتھ منسلک تھے، اس ریاست کی عدم موجودگی میں بھی موجود ہیں۔ ماسکو شہر کو سوویت یونین میں قانونی اور اداراتی مرتبہ حاصل تھا جو جمہوریہ روس میں اسے حاصل نہیں رہا۔ گزپرام اس سے بھی زیادہ تبدیل ہو گئی ہے۔ یہ ۱۹۸۹ء میں وجود میں آئی اور اس نے روسی گیس صنعت کی قانونی اور عملی حیثیت تبدیل کر دی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد ۱۹۹۲ء میں گزپرام کی نج کاری ہوئی اور تب سے یہ ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنی کے طور پر موجود ہے۔ نوے کی دہائی میں اس کے اثاثے لوٹ لیے گئے تھے پھر ۲۰۰۰ء میں اس کی دوبارہ تشکیل ہوئی اور اسے ریاستی کنٹرول میں لے لیا گیا۔ اسی طرح ہم تسلسل اور تبدیلیوں کی طویل فہرست بنا سکتے ہیں۔

درلوگاں نے بتایا ہے کہ سوویت یونین کو مستحکم اور تقریباً ابدی تصور کیا جا رہا تھا لیکن اس کے عروج کے دور میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ مستقبل کو خطی ارتقا کی صورت میں دیکھنا اور تبدیلیوں پر نظر نہ رکھنا غلطی ہے۔ درلوگاں ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کس طرح ایک نظام کے اندر دباؤ پیدا ہو کر اس کا استحکام اور تسلسل ناممکن بنا دیتا ہے اور چھوٹے چھوٹے واقعات و حالات کا بھی بہت زیادہ اثر ہوتا ہے کیوں کہ کُل کی وحدت غیر مستحکم ہوتی ہے۔ وہ ہمیں یہ بھی باور کراتا ہے کہ بعض اوقات بہت بڑا ڈھانچہ بظاہر بدیہی اور بنیادی سمجھ لیا جاتا ہے لیکن اس کی تہہ میں کئی تبدیلیاں کارفرما ہوتی ہیں۔ تاہم ہمیں جان لینا چاہیے کہ سوویت یونین سوشلزم کے مساوی نہیں تھا لہٰذا براہِ راست سرمایہ داری سے مماثل نہ تھا۔ یہ الگ قسم کا مخصوص اور مختلف نظام تھا۔

ہم سرمایہ داری کو ایسی سرگرمیوں کا مجموعہ سمجھیں جو سرمایہ دار کہیں بھی انجام دے سکتے ہیں یا ایسا معاشی نظام سمجھیں جو پوری دنیا میں کاروبار، مارکیٹ، سرمایہ کاری اور لیبر کو مربوط کرتا ہے، دونوں صورتوں میں کمیونزم اس سے مختلف تھا۔ سرمایہ داری ایک تاریخی تشکیل ہے جو بقول مائیکل مین طاقت کے نیٹ ورکس سے بنا ہے۔ یہ گزشتہ چار سو برسوں سے جدید عالمی نظام کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں موجود ہے اور اس کا تجزیہ عمانویل والرسٹائن نے کیا ہے۔

سرمایہ داری مراتبی اور غیر مساوی طور پر مربوط ایسی تنظیم ہے جس کی بنیادی اکائیاں قومی ریاستیں ہیں اور جس میں معاشی عامل سیاسی طاقت کے مہیا کردہ حالات و تعلقات کے محتاج ہوتے ہیں۔

قومی ریاست کا تصور ایک لحاظ سے ہیجان خیز ہے۔ سماجی و ثقافتی شناخت کبھی بھی حکومتی اداروں سے مکمل مطابقت نہیں رکھتی۔ جزوی طور پر افسانہ سہی لیکن عالمی معاملات میں شرکت کے لیے قومی ریاست اہم ترین اکائی ہے۔ بہت سی بین الاقوامی تنظیمیں اسی طرح بنی ہیں یعنی منظم قومی شرکت کے ذریعے۔ اور ریاستوں کی یہ تنظیم سرمایہ داری کے لیے اہم بنیادی فراہم کرتی ہے۔ قومی ریاستیں فرم اور مارکیٹ دونوں کے لیے قانونی اور زری بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔ یہ مختلف فرموں، صنعتوں اور شعبوں کو منظم کرتی ہیں یا ان کے منظم ہونے کے لیے سازگار حالات فراہم کرتی ہیں۔ سماجی اور ثقافتی تعلقات کو (نامکمل طور پر) منظم کر کے اور بعض اوقات مارکیٹ کی ریگولیشن کے ذریعے ریاستیں مزدوروں، صارفوں اور باہمی اعتماد کو منظم کرتی ہیں۔

قومی ریاست کا مطلب ہے سماجی و ثقافتی تعلقات کو منظم کرنے کی ریاستی کوشش کرنا۔ لیکن قومی ریاستوں کا دور اور سرمایہ داری کا دور ایک ہی ہے۔ درحقیقت کوئی سرمایہ داری ایسی نہیں جو سماجی و ثقافتی اور سیاسی و اقتصادی تنظیم کے تحت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ خوشحالی اور استحکام کا انحصار قومی ریاستوں اور ان کی اداراتی صلاحیتوں پر ہے۔ انہیں یا تو تبدیل کر دیا جائے یا بدل دیا جائے۔ گذشتہ چالیس برسوں سے او ای سی ڈی (اقتصادی تعاون و ترقی کی تنظیم) کے ممالک اس مقصد سے ہٹ گئے ہیں۔ اس کی بجائے انہوں نے ماضی کی فلاحی ریاست کے اداروں کو کھوکھلا کر دیا ہے، فوری مسابقت کی خاطر اپنی آبادیوں کی طویل المدت بہتری اور تحفظ اور اجتماعی سرمایہ کاری نظر انداز کر دی ہے جو مستقبل کی اقتصادی شراکت کی ضامن ہوتی ہے۔

اس کے باوجود یورپ یا یورپی آبادکاری کے پرانے سرمایہ دارانہ ممالک فوری انہدام کے مقام تک نہیں پہنچے۔ برطانیہ کا صحت عامہ کا قومی شعبہ ابھی تک کام کر رہا ہے اگرچہ اخراجات بڑھ رہے ہیں۔ امریکا نے بھی صحت عامہ کا شعبہ بہتر بنایا ہے۔ بہت کچھ ختم بھی ہوا ہے۔ قومی بجٹ کم ہیں اور تعمیر نو کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن ابھی پانی سر سے نہیں گزرا۔ ہمیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان یورپی معیشتوں سے عبرت پکڑنی چاہیے جو بجٹ خساروں کی وجہ سے عین اس لمحے اپنے شہریوں کی حمایت چھوڑ رہی ہیں جب انہیں اس کی سخت ضرورت ہے۔ اسپین، پرتگال، آئرلینڈ، یونان اور سائپرس انہدام کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں اور دوسرے پہنچنے والے ہیں۔ لیکن اس سے سرمایہ داری نہیں یورپی یونین کا وجود خطرے میں ہے۔

سرمایہ داری اپنے مقام توازن سے بہت دور جا سکتی ہے۔ اس سے اس مصنوعی نظام کی واپسی ناممکن ہو جائے گی یا ریگولیشن، کارپوریٹ حکمت عملی اور سرمایہ کارانہ عقلیت ناکام ہو سکتی ہے یا مختلف شعبوں کے مابین ادارتی ربط کمزور ہو سکتا ہے۔ اس سے پیداواریت میں اضافے کے لیے طلب پیدا کرنے کے لیے دولت کی تقسیم میں ناکامی ہو گی۔ کولنز کے مطابق ملازمتوں کی تخلیق میں زوال کا یہی نتیجہ ہے۔ خیر، وجہ کوئی بھی ہو، جب سرمایہ داری اپنے مستحکم توازن سے دور جاتی ہے تو اس کا شیرازہ اکٹھا رکھنے کی کوشش بہت مہنگی پڑتی ہے، سیاسی تناؤ بڑھ جاتے ہیں اور سماجی تناؤ پیدا ہوتے ہیں۔ اس قسم کا عدم توازن بحران کا مطلب سمجھا تا ہے۔ اور عدم توازن جتنا زیادہ ہو گا، توازن کی بحالی اتنی ہی مشکل اور مہنگی ہو گی۔

اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ سرمایہ داری منہدم نہیں ہو گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سماجی تبدیلی پر سے اس کی گرفت کمزور ہو جائے۔ یہ سماجی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو منظم کرنے کے قابل نہ رہے۔ لیکن انہدام کی تصویر گم راہ کن ہے۔ یہ کہنا کہ رومی سلطنت منہدم ہو گئی، بامعنی بات ہے لیکن یہ بھی تو دیکھا جائے کہ اسے منہدم ہونے میں دو سو برس لگے، صرف ایک بحران میں اس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ یہ کہنا کہ جاگیرداری منہدم ہو گئی اور اس نے سرمایہ داری کو جنم دیا (جیسا کہ کمیونسٹ مینی فیسٹو میں کہا گیا) ادھوری حقیقت ہے۔ ایک بات تو یہ کہ جاگیرداری جدید سرمایہ داری کی طرح کوئی نظام نہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ جاگیردارانہ تعلقات، یا متعلقہ اداروں کے انہدام کا کوئی متعین لمحہ نہیں تھا۔ جاگیردارانہ تعلقات میں طویل زوال تعمیر ریاست اور جنگوں، زرعی ایجادات، عالمی تجارت، مذہبی جذباتیت کے احیا اور ریفارمیشن کے دور میں ہوا، اور اس عمل میں تین سو سال لگے۔ یہ صرف سادہ انہدام نہ تھا۔ جاگیرداری کو زوال آیا تو اس دوران کیتھولک چرچ بہت زیادہ تبدیل ہو گیا اور بعد ازاں کبھی بھی اپنا کردار پہلے کی طرح ادا نہ کر سکا لیکن بہرحال باقی ضرور رہا۔ بہت سی بادشاہتیں غائب ہو گئیں اگرچہ سب نہیں، بعض اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے تبدیل ہو گئیں اور اب بھی کئی بادشاہتیں موجود ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالاں کہ یہ دور جاگیرداری کا نہیں۔

دورِ سرمایہ داری کا خاتمہ، اگر ہوا اور جب بھی ہوا تو، اس طرح ہو گا کہ اسے دورانِ عمل سمجھنا ممکن نہیں ہو گا۔ کچھ ادارے اس کے بقا کے ضامن ہوں گے جن میں کارپوریشن سرفہرست ہے۔ سرمایہ داری نہ بھی رہے تو کارپوریشن تجارت، پیداوار اور سٹہ بازی جاری رکھ سکتی ہے۔ سستا خریدنے اور مہنگا بیچنے کی کوشش سرمایہ داری سے پہلے بھی ہوتی تھی بعد میں بھی کی جاتی رہے گی۔

سرمایہ داری بالعموم اور مالیاتی سرمایہ داری بالخصوص

سرمایہ داری اپنے لیے، معاشرے کے لیے اور فطرت کے لیے کئی قسم کے مسائل پیدا کرتی ہے۔ لیکن یہ مسائل سرمایہ داری کے لیے مہلک ثابت نہیں ہوتے۔ حد سے زیادہ فنانشلائزیشن بھی اس قسم کا خطرہ پیدا نہیں کرتی۔

مالیات بلاشبہ سرمایہ داری کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ سرمایہ داری کو تحرک، وسعت کی صلاحیت اور اخراجات کم کرنے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ ٹیکنالوجی کے انقلابوں میں مالیات مرکزی عنصر رہا ہے۔ مزید برآں، یہ سرمایے کی اس بنیادی صلاحیت میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے مزید منافع کی توقع میں سرمایہ اپنی جگہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سرمایہ داری معاشی سرگرمیوں کا ایسا نظم ہے جس میں منافع کمانے کے لیے دولت (سرمایہ) کی مختلف کاروباروں میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ سرمایہ وہ دولت ہے جو سرمایہ کاری میں لگی ہو یا اسے سرمایہ کاری میں لگایا جا سکے۔ فنانس (مالیات) میں قرضے اور قابلِ تجارت سیکورٹیز بھی شامل ہیں اور یہ سرمایے کا اہم ترین حصہ ہے کیوں کہ سرمایے کی سیالیت، تحرک اور توسع فنانس کی وجہ سے ہی ہے۔ کاروباری تحرک کا انحصار مالیاتی پشت پناہی پر ہوتا ہے۔ لیکن ناہموار فنانشلائزیشن مختلف طریقوں سے خراب بھی ہو سکتی ہے۔ فنانشلائزیشن کی وجہ سے تمام بڑی سرمایہ دارانہ معیشتوں میں آمدنی میں عدم مساوات بڑھی ہے۔ اس کی وجہ سے پیداواری یا مفید شعبوں میں سرمایہ کاری کی شرح کم ہوئی ہے۔ اس نے اثاثوں کی قیمتوں میں افراط پیدا کیا اور گروی والے گھروں کی قیمتوں میں افراط نے ۲۰۰۸ء کا بحران جنم دیا۔ اس نے سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی کی۔

۲۰۰۸ء کے مارکیٹ بحران سے پہلے پرانے سرمایہ دارانہ ملکوں میں مالیاتی لین دین

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑھ گیا اور پیداواری منافع بہت کم ہو گیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں مالیاتی آلات کل سرمایہ جاتی اثاثوں کا محض ایک چوتھائی تھے لیکن ۲۰۰۸ء میں یہ تین چوتھائی ہو گئے۔ عالمی سطح پر مالیاتی اثاثے اصل سرمایے کا چار گنا اور کل جی ڈی پی کا دس گنا تھے۔

یہ ایک عالمی مظہر تھا جس کی تشکیل ستر کی دہائی سے مختلف عوامل کر رہے تھے۔ اپنی غیر مقبولیت کی وجہ سے امریکا نے ویت نام جنگ کے آخری برس قرض اٹھا کر لڑے۔ ستر کی دہائی میں اقتصادی مشکلات پر قابو پانے کی کوشش میں امریکا اور دوسرے مرکزی سرمایہ دار ملکوں نے بریٹن وڈز نظام ختم کر دیا اور قیمتی دھاتوں کے بجائے غیر مستحکم اور لامحدود اعتباری زر کی بنیاد پر کرنسی جاری کرنے لگے۔ ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد اوپیک (تیل پیدا اور درآمد کرنے والے ملک) ملکوں نے تیل کی فراہمی محدود کر دی اور تیل پر انحصار کرنے والی دنیا کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آمدن میں کئی گنا اضافہ کیا اور پھر یہی رقم حکومتی فنڈز میں لگائی۔ تاہم فنانشلائزیشن پوری شدت کے ساتھ مرکزی سرمایہ دارانہ معیشتوں (یا ان کی غلامی میں جکڑی ہوئی معیشتوں) میں ہوئی۔ پہلے یہ کام بڑے سرمایہ دار کر رہے تھے لیکن پھر اس میں عام شہری بھی شامل ہو گئے۔ عوام کی آمدن میں کوئی اضافہ نہ ہوا تھا لیکن وہ قرض لے کر زیادہ سے زیادہ خرچ کر رہے تھے۔ پیداواری صنعتی کاروبار اور مالیات میں توازن آج کی تیزی سے بڑھنے والی معیشتوں مثلاً چین اور انڈیا کے لیے فائدہ مند بات ہے۔ یہ دونوں ملک تیزی سے عالمی سرمایہ داری کے مرکز میں داخل ہو رہے ہیں۔

موجودہ مالیاتی بحران سرمایہ داری کی اہم اندرونی کمزوری ظاہر کرتا ہے۔ یہ نظاماتی خطرہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہ خطرہ جدید مالیاتی سرمایہ داری کے پیچیدہ تانے بانے میں موجود ہے۔ سرمایہ داری کا اندرونی تانا بانا اور بحران کی نوعیت سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ زیادہ پیداوار یا کم صارفیت والا قدیم سرمایہ دارانہ بحران نہ تھا۔ یہ ایک مالیاتی بحران تھا۔ اس سے پہلے والے برسوں میں ہونے والی مالیاتی ترقی نے اس بحران کا اثر بہت زیادہ کر دیا۔ مغربی ملکوں میں مالیاتی اثاثے دوسرے اثاثوں پر غالب آ رہے تھے۔ اس لیے بہت بڑے خطرات مول لیے گئے، ریگولیشن ختم ہو گئی اور نئے مالیاتی آلات کا جائز و ناجائز استعمال اس حد تک کیا گیا کہ وہ پہلے خطرناک اور پھر مہلک ثابت ہوئے۔ فنانشلائزیشن نے مالیاتی اثاثوں میں وسعت کر کے مالیاتی بحران گہرا کیا بلکہ اس نے سرمایہ دارانہ اداروں کا باہمی تعلق بھی مضبوط کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا جو مارکیٹوں سے تعلقات کے علاوہ مالیاتی تعلقات سے بھی جڑ گئے تھے۔ مالیاتی صنعت کے لیے یہ بات خاص طور پر سچ تھی۔ جب ۲۰۰۹ء میں کہا جا رہا تھا کہ بڑے بینک اتنے بڑے ہیں کہ ناکام نہیں ہو سکتے تو اصل میں یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ناکام نہیں ہوں گے۔ فنانشلائزین صرف مالیاتی شعبے کی فرموں کو متاثر نہیں کرتی بلکہ یہ پوری سرمایہ داری کی بنیاد بن گئی ہے۔ کار کمپنیاں آٹو فنانس کمپنیاں بن گئی ہیں اور کان کنی والی کمپنیاں شرح تبادلہ سے جڑ گئی ہیں۔

فنانشلائزیشن سرمایہ داری کے تحرک میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ سرمایہ داری کے ڈھانچوں کی تخلیقی تباہی میں سہولت دیتی ہے اور نئی ٹیکنالوجی، مصنوعات، پیداواری عوامل اور پیداواری مراکز کی ترقی کو بڑھاوا دیتی ہے۔ اپنی شدت میں یہ قلیل المدت منافعوں کی خاطر طویل المدتی ترقی کو نقصان پہنچاتی ہے اور سٹہ بازی کو عروج دیتی ہے۔ فرموں پر مارکیٹ پریشر بڑھ جاتا ہے کہ سرمایے کا منافع بڑھائیں اور پرانے منافع بخش کاروبار سے سرمایہ نکالیں۔ یوں فنانشلائزیشن اجرتوں اور صنعتی سرمایہ داری کے رجحان میں کمی کرتی ہے اور عدم مساوات میں اضافہ کرتی ہے۔

فنانشلائزیشن کی وجہ سے سرمایے پر منافع بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اس لیے ملازمتوں میں کمی ہوتی ہے۔ پیداکنندگان کی نسبت سوداگر زیادہ کماتے ہیں۔ تمام دوسرے کاروبار فنانشل خدمات کی زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ۲۰۱۰ء میں صرف نیویارک شہر میں فنانشل انڈسٹری کے ملازمین کا بونس اکیس بلین ڈالر تھا اور ۲۵ بڑے فنانشل مینجروں نے ۲۲٫۸ بلین ڈالر کمائے۔ بحران نے دکھا دیا کہ فنانشلائزیشن پوری معیشت کا یہی حشر کر رہی ہے۔

ٹیکنالوجی میں تبدیلی اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا دونوں سرمایہ دارانہ ترقی کی عمومی خصوصیات ہیں۔ فنانشلائزیشن انہیں بڑھاوا دیتی ہے۔ فنانشلائزیشن سرمایہ کاری کی پرانی سے نئی صنعتوں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقلی کی رفتار بڑھاتی ہے۔ اس کا نتیجہ صرف ٹیکنالوجیکل اور اقتصادی تبدیلی نہیں بلکہ انسانی بے قدری بھی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں تیز رفتاری سے شہروں کا بسنا اور پرانے بنیادی سرمایہ دارانہ ملکوں میں صنعتی شہروں کا گلنا سڑنا ایک ہی عمل کے دو رُخ ہیں۔ مینوفیکچرنگ میں منافع کم ہوا تو مختلف یورپی اور امریکی کمپنیوں نے مطالبہ کیا کہ مزدوروں کو اجرت کم ملے گی۔ انہوں نے نئی ٹیکنالوجی متعارف کروائی، حکومتوں پر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دباؤ ڈالا کہ ٹیکس معاف کریں یا سبسڈی دیں یا پھر مینوفیکچرنگ یونٹ دوسرے ملکوں میں منتقل کرنے دیں۔ بعض اوقات تو کمپنیوں نے ٹیکس چھوٹ اور سبسڈی سے فائدہ اٹھانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے مینوفیکچرنگ مرکز تبدیل کر لیا۔ نیولبرل حکومتوں نے ان تبدیلیوں کے خلاف مزاحمت کرنے والی مزدور انجمنوں کا زور توڑنے میں کارپوریشنوں کی مدد کی۔ اس سے اچھی بھلی ملازمتوں کا نقصان ہوا جسے کولنز طویل المدتی خطرے کے طور پر دیکھتا ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام وجوہات ٹیکنالوجی سے متعلق نہ تھیں۔ یہ باہمی ربط تھا جس نے نظاماتی خطرہ اور ۲۰۰۸ء کا بحران پیدا کیا۔

فنانشل سرمایہ کاری کی نئی ٹیکنالوجیز نے نظاماتی بحران میں شدت پیدا کی۔ قرض پر قرض مرکزی اقتصادی اہمیت کا حامل بن گیا اور اس پر قواعد وضوابط کا اطلاق بالکل بھی نہ کیا گیا۔ نئے مالیاتی آلات پیدا کیے گئے جنہوں نے مختلف معاشی عاملوں کو باہمی ذمہ داریوں کے جال میں پرو دیا۔ نئی سرمایہ کاریوں میں رقم کا بہاؤ بہت زیادہ ہوا اور یہ رقم ایسی سرگرمیوں میں لگائی جو عوام کی نظروں سے پوشیدہ تھیں۔ مقامی اثاثہ جات کو سیکورٹیز میں بدل کر عالمی سطح پر ان کا لین دین ہوا لیکن سرمایہ داران کا معیار جانچنے کے قابل نہ تھے۔ بہت سے آلات خطرات کم کرنے اور سرمایہ داری کی پیش گوئی کرنے کے لیے ایجاد کیے تھے لیکن ان کا استعمال سٹہ بازی میں ہوا۔ خطرہ زیادہ مرتکز اور شدید ہو گیا۔ خاص فرموں کے لیے یہ جاننا مشکل ہو گیا کہ وہ کون سے خطرے کا کس حد تک شکار ہیں۔

۱۹۹۰ء تک ان ''متبادل'' سرمایہ کاریوں کا سرمایہ پچاس ٹریلین سے بڑھ چکا تھا اور ۲۰۰۸ء کے بحران میں یہ ۶۰۰ ٹریلین تک پہنچ گیا۔ اس سے فنڈ منیجرز اور سرمایہ کاروں کو غلط فہمی ہوئی کہ خطرات پر قابو پا لیا گیا ہے لیکن سیالیت میں اچانک کمی اور سیاسی عوامل بہت بڑی ناکامیوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ آئی ایم ایف کے سابق چیف اکانومسٹ نے رگھورن راجن کے بقول مالیاتی فنڈ کسی بھی وقت دھوکا دے سکتا ہے اور خود کو محفوظ سمجھنے والے بہت بڑا نقصان اٹھا سکتے ہیں۔

ان مسائل کا مکمل خاتمہ اصل میں سرمایہ داری کا خاتمہ ہو گا۔ اگر سرمایہ کار بڑے بڑے منافعوں کی خاطر سرمایہ کاری کرتے ہوئے سرمایے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کریں اور سرمایے کی بڑھوتری کے لیے بار بار سرمایہ کاری نہ ہو تو سرمایہ داری باقی نہ رہے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری کی ریگولیشن سرمایہ داری کا تحرک اور تخلیق زر کا عمل ختم کر دے گی۔ اس کے برعکس بہت کم ریگولیشن اور منظم حکومتی خرچ اس کی بحالی کا باعث بن سکتا ہے۔ اور متنوع کاروبار والی معیشتیں ان معیشتوں سے بہتر ہوں گی جن پر مالیاتی سرمایے کا غلبہ ہے۔ بہر حال ہم کہہ سکتے ہیں کہ مالیاتی بحران کے بعد بھی ریگولیشن نہ ہونے کے برابر ہوئی ہے۔ نظاماتی خطرہ کم کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا گیا۔

بحران کی سوچ

مارچ ۲۰۰۸ء میں اسٹاک مارکیٹیں تیزی سے نیچے آئیں اور ریٹائرمنٹ بچتوں کا صفایا ہو گیا۔ بڑے بڑے بینک ناکام ہو گئے بالخصوص برطانیہ اور امریکا میں۔ دوسرے بینکوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ اتنے بڑے ہیں کہ ناکام نہیں ہو سکتے (حالاں کہ اصل میں ان کے آپس میں اور حکومتی اہل کاروں سے تعلقات بہت گہرے تھے)۔ ان کی بڑے پیمانے پر سرکاری مالی معاونت کی گئی، عوامی آمدن نہ صرف نجی نقصان کے ازالے میں استعمال ہوئی بلکہ نجی دولت کا براہ راست ذریعہ بنا دی گئی۔ کچھ صنعتی کمپنیوں کی بھی مالی معاونت کی گئی لیکن زیادہ تر معاونت فنانس انڈسٹری کی ہوئی جہاں ملازمتیں پیدا کیے بغیر اور گھروں کے مالکان کے نقصان کا ازالہ کیے بغیر اسے سرمایے میں تبدیل کر دیا گیا۔ اگر حکومتیں مدد فراہم نہ کرتیں تو ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ مالیاتی مارکیٹیں مزید مشکلات کا شکار ہوتیں اور عالمی سرمایہ داری کو زیادہ بڑا نقصان ہوتا۔

امریکا نے انفراسٹرکچر اور مالیاتی انڈسٹری کو رعایت دینے میں بہت زیادہ سرمایہ کاری کی۔ برطانیہ نے مالیاتی پابندیوں کا پروگرام اختیار کیا لیکن کریڈٹ مارکیٹ کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اور جرمنی نے اپنے جنوب میں پابندیاں لگائیں جس سے یورپی یونین ٹوٹنے کے قریب پہنچ گئی۔

یورپی ریاستوں کا خیال تھا کہ وہ بحران سے نکل آئی ہیں لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا کیوں کہ بہت سے یورپی یونین رکن ممالک میں سرکاری مالیات منہدم ہونے لگی۔ بینکوں کی مالی معاونت نے نجی کاروبار برائے منافع کا بحران ریاستی مالیاتی بحران میں تبدیل کر دیا۔ یونان، آئرلینڈ، پرتگال اور اسپین دیوالیہ ہونے لگے۔ مالیاتی بحران نے یورپی یونین کی تشکیل اور یوروزون کی کمزوریاں نمایاں کر دیں۔ عالمی مسابقت میں شدت نے چین اور امریکا کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ بڑے یورپ کی ضرورت پیدا کر دی، اسی لیے Citigroup اور رائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بینک آف سکاٹ لینڈ نے وسعت کی کوششیں شروع کر دیں۔ یورپ میں مشترکہ کرنسی کی خواہش نے یورپ کو مالیاتی سرمایہ داری میں داخل کیا لیکن اس کے لیے مناسب اداراتی اور سیاسی پشت پناہی کا بندوبست نہ کیا گیا۔ یورپی مرکزی بینک کے بورڈ آف گورنرز میں مختلف قومی حکومتوں کے لوگ شامل تھے اور ہر ایک اپنا مفاد دیکھ رہا تھا۔ مختلف ملکوں نے مختلف مالیاتی پالیسیاں اور پروگرام اختیار کیے۔ اور جب یورپی یونین اپنی مرکزی ریاستوں سے باہر پھیلی تو اس میں کئی غیر متعلقہ معیشتیں بھی شامل ہو گئیں۔ ترقی کے دور میں تقسیم نو کی جو حکمت عملیاں بہ خوشی برداشت کی جا رہی تھیں، بحران کے دور میں وہی باعثِ نزاع بن گئیں۔

یورو اور یوروزون کے مستقبل غیر یقینی ہیں۔ اسپین اور پرتگال نے بہت تھوڑا استحکام حاصل کیا ہے جب کہ اٹلی اور سائپرس ابھی اس چکر سے باہر نہیں نکلے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یورپی بحران کتنا پھیلے گا۔ سخت پابندیوں کے پروگراموں کے ذریعے خدمات اور سکیورٹی دوبارہ ریاست کے سپرد کی جا رہی ہیں۔ مارکیٹ کے دباؤ کے ردِعمل میں قومی سطح پر ریاستوں نے خود اپنے اوپر پابندیاں لگا لی ہیں۔ ریاستیں سرمایہ کاروں کو خسارے اور عالمی مارکیٹوں کو بحران سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ سرمایہ کاروں اور مالیاتی صنعت نے بڑے بڑے منافع کمائے اور پھر حکومت کی مدد بھی حاصل کی لیکن بحران اور اس کے حل کے لیے اقدامات کو قومی ریاستوں کے تناظر میں دیکھا جا رہا ہے۔ یہ چیز فنانشلائزیشن کا اصل کردار چھپا کر قوم پرستی اور نسلی خوف بالخصوص اسلام سے خوف کو تقویت دیتی ہے۔ فنانشل اداروں سے ہونے والے منافع نے یورپی یونین کی حوصلہ افزائی کی کہ اپنی رکن ریاستوں کے مالیاتی مسائل سے آنکھ بند کر لے۔ اب یورپی یونین کی رکن ریاستوں کے شہری جن کے ملک مضبوط بینکوں اور زیادہ اثاثوں کے مالک ہیں، یہ شکایت کر رہے ہیں کہ دوسری قوموں کی مالی معاونت کیوں کی گئی۔ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس مالی معاونت کا فائدہ تو مالیاتی صنعت اور سرمایہ دارانہ اثاثوں والے ملکوں کو ہوا ہے۔

ٹیکس دہندگان کی رقم ہڑپ کرنے کے باوجود بھی یورپی اور امریکی مالیاتی ادارے متزلزل ہیں۔ تقریباً سبھی ادارے اپنی اپنی بیلنس شیٹ مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن اسٹاک مارکیٹیں فعال ہو کر نئی بلندیوں تک پہنچ گئی ہیں۔ سرمایہ کار بینکوں اور فرموں نے بونس دینا شروع کر دیا ہے، اس طرح غیر محفوظ سرمایہ کاری کی پھر سے حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ کمپنیاں ملازمین کی تعداد میں کمی کر رہی ہیں اور کساد بازاری واپس آنے کا خوف ابھی تک موجود ہے۔ بینکوں کی ملکیت میں پہلے سے زیادہ ارتکاز ہے۔ گھروں کی قیمتیں کم ہیں۔ قرض کا لین دین جاری ہے۔ شرح سود کم ہے لیکن اس میں اضافے کا خوف بھی ہے۔

حقیقی معیشت ابھی تک بحرانی کیفیت میں ہے۔ جی ڈی پی کی شرح نمو کم ہے، بے روزگاری زیادہ ہے اور نئی ملازمتیں پیدا نہیں ہو رہیں۔ تاہم افراطِ زر اور حکومتی قرض کی وجہ سے کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ مالیاتی پابندیوں کی خاطر ترقی کا عمل نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ طویل مدت میں کئی امریکی ریاستوں کا مستقبل تاریک ہے، وفاقی حکومت کے پاس جو مالیاتی آلات ہیں وہ ریاستوں کے پاس نہیں لیکن وفاق بجٹ خسارے میں پھنسا ہوا ہے۔ سیاسی اختلاف کی بنیادی وجہ اقتصادی اختلاف ہے۔ عوام بدعنوان، خودغرض اور نااہل حکومتوں پر غصہ ہو رہے ہیں۔ سیاسی جواز کی کمزوری سرمایہ داری کے تسلسل کے لیے بڑا چیلنج ہے۔

یورپ نہ تو منہدم ہو گا نہ یہاں انقلاب آئے گا بلکہ اس پر جمود طاری ہو گا۔ یورپ میں شرح بڑھوتری کی کمی ہے لیکن معیارِ زندگی بلند ہے اور معاشی نظام فعال ہے۔ دکانوں میں مال ہے اگرچہ زیادہ سے زیادہ دکانیں بند ہو رہی ہیں۔ زیادہ تر حکومتیں اپنے واجبات ادا کر رہی ہیں اگرچہ عوامی اخراجات میں کمی ہو رہی ہے۔ ریاستی کھاتوں میں خسارے پر قابو پانے کی پالیسیاں چلائی جا رہی ہیں۔ سیاست دان شرح بڑھوتری بڑھانے کی فکر میں ہیں لیکن فی الحال انہیں کوئی طریقہ نظر نہیں آ رہا۔

یورپ بہ طور یونین اپنے مالیاتی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اب قومی ساختیاتی مالی بحرانوں کا سامنا کر رہا ہے۔ تاہم یورپ کی سیاسی اور اقتصادی طاقت اتنی ہے کہ بینکوں اور مالیاتی اداروں کی مالی معاونت کر سکے۔ عوام میں ناراضی کی لہر ضرور ہے لیکن ابھی تک کوئی عوامی تحریک سیاسی عمل کی مخالفت میں سامنے نہیں آئی۔ مظاہرے اور جلوس نکل رہے ہیں لیکن یہ ناخوش گوار حالات والی پرانی سیاست پر تنقید کر رہے ہیں کوئی نئی سیاست پیدا نہیں ہو رہی۔ یورپ میں بایاں بازو سوائے فرانس کے کہیں نظر نہیں آتا۔ سیاست مخالف تحریکیں ظاہر ہوئی ہیں اور عوام حکومت اور سیاست دانوں کے خلاف ووٹ دے رہے ہیں، موثر حکومت نہیں مانگ رہے۔ اقتصادی بحران اور کمزور سیاسی جواز کا ردِعمل دائیں بازو کی شمولیت اور نسل پرستانہ خوف کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکا نے شرح بڑھوتری میں اضافہ کرنے والی پالیسیاں اختیار کیں اور یہاں اقتصادی بہتری ہوئی ہے۔ اس کی شرح بڑھوتری دو فی صد ہے جو کہ زیادہ خوش آئند نہیں۔ امریکی معیشت میں بہتری توانائی کے نئے وسائل کی بدولت ہوئی ہے۔ لیکن سیاسی بحران نے ملکی تحرک ختم کر دیا ہے۔ ٹی پارٹی بہ ظاہر انتخابی تحریک ہے لیکن اصل میں یہ نیا ست مخالف ہے۔ اوباما انتظامیہ بنیادی طور پر ٹیکنوکریٹ پسند ہے اور چند لبرل ایشوز پر پالیسی سازی کر رہی ہے لیکن بحران سے نبٹنے کے لیے کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں کی کر سکی۔ مالیات میں وہی تنظیمیں غالب ہیں جو بحران سے پہلے غالب تھیں۔ امریکی معیشت کو سب سے بڑا خطرہ خسارہ زدہ ریاستوں اور میونسپل حکومتوں سے ہے۔ اس سطح پر اخراجات میں کمی وفاقی حکومت کا اثر کم کر رہی ہے اور ریاست اور مقامی حکومتیں طویل المدتی مسائل کا سامنا کر رہی ہیں۔

اگرچہ ۲۰۰۸ء کے بحران کی جڑیں امریکا اور یورپی یونین میں پیوست تھیں لیکن اس کے اثرات عالمی تھے۔ عالمی سرمایہ داری میں باہمی رابطوں اور تیز ترین بہاؤ اور عالمی میڈیا نے فوراً واضح کر دیا کہ بحران عالمی ہے۔ اس میں آدھی سچائی اور آدھا فریب تھا۔ سرمایے کی مارکیٹ میں بحران کے اثرات دوررَس تھے۔ اثاثوں کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ نے ابوظہبی میں ریاستی دولت کو نقصان پہنچایا اور دبئی کو تقریباً دیوالیہ کر دیا۔ نوجوانوں میں بے روزگاری نام نہاد عرب بہار کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن اقتصادی وجوہات پوری کہانی کا محض ایک حصہ ہیں۔ شنگھائی، ٹوکیو، جوہانس برگ، نیویارک اور لندن کی اسٹاک مارکیٹیں بیٹھ گئیں لیکن جلد ہی بحال بھی ہو گئیں۔ چین اور ویت نام میں کارخانوں کے مزدوروں کو فارغ کیا جا رہا ہے لیکن چینی اور ویت نامی معیشتیں متزلزل ہونے کے بعد بھی سنبھل گئی ہیں۔ توانائی اور دیگر قدرتی وسائل کی قیمتیں غیر مستحکم ہو گئی ہیں۔ پہلے یہ قیمتیں کم ہوئیں پھر چین کی وجہ سے ان میں اضافہ ہوا لیکن چینی معیشت پر بھی بحران کا اثر ہوا تو قیمتیں دوبارہ کم ہو گئیں۔

امریکا نے بحران کے دوسرے جھٹکے سے بچنے کی کوشش کی اور یورپ اپنی رکن ریاستوں کے حکومتی قرضوں میں الجھا رہا لیکن چین، انڈیا اور کئی دیگر ترقی پذیر ریاستوں نے تیز رفتار شرح بڑھوتری برقرار رکھی۔ ۲۰۱۱ء میں چینی پالیسی سازوں کا مسئلہ اقتصادی شعبے میں بڑھوتری تھی اور ان کی پالیسیوں کی بدولت خام مال، لیبر اور دیگر عوامل کی قلت ہو گئی۔ چین، امریکا کو سب سے زیادہ قرض دینے والا ملک ہے اس لیے اسے اپنے ڈالری اثاثوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برآمداتی مارکیٹ کے متعلق خدشات تھے۔ فی الحال چینی شرح بڑھوتری یورپیوں کے نزدیک بہت زیادہ ہے لیکن چین بھی عالمی بحران سے محفوظ نہیں۔ فنانشل مارکیٹوں کا خطرہ موجود ہے۔ بیجنگ اور شنگھائی میں ہزاروں اپارٹمنٹ خالی پڑے ہیں جنہیں سٹہ بازوں نے بہت جلد فروخت کرنے کی امید میں خرید لیا تھا۔ اگر شرح بڑھوتری پانچ فی صد سے کم ہوئی تو رئیل اسٹیٹ شعبے میں بحران آجائے گا۔ یہ نظاماتی خطرے کی مقامی مثال ہے لیکن مالیاتی مارکیٹیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چینی لیڈروں کو اندرونی اختلافات کا خوف ہے۔

انڈیا میں سرمایہ داری جان دار ہے اور مرکزی حکومت سے نسبتاً آزاد ہے اور یہ خوش آیند بات ہے کیوں کہ مرکزی حکومت کم زور اور کم موثر ہے۔ انڈیا میں غربت بہت زیادہ اور انفراسٹرکچر کی کمی ہے۔ لیکن اس کی ترقی شان دار ہے اور اسے سٹہ بازی سے زیادہ خطرہ نہیں۔ چین کی طرح کرپشن عام ہے اس لیے اس کی اقتصادی اور سیاسی کارکردگی کم زور ہے۔ اور چین کی طرح اسے ماحولیاتی مسائل کا بھی سامنا ہے۔ انڈیا میں خود مختار ادارے زیادہ ہیں اس لیے غربت کم کرنے کے لیے انسانی ہم دردی کی کوششیں وسیع پیمانے پر ہو رہی ہیں۔ لیکن عدم مساوات بہت زیادہ ہے اور شہری آبادکاری نئی مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ مارکیٹ کی وجہ سے مسائل کا شکار ہونے والوں کی مدد کے لیے ریاستی ادارے ناکافی ہیں۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ افریقا اور ایشیا اور لاطینی امریکا کی مارکیٹوں میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ یورپی یونین سے دبا رہنے کے بعد اب ترکی میں بڑھوتری کی شرح یورپ کے لیے قابل رشک ہے لیکن عوام خوش نہیں۔ تاہم پوری دنیا میں کئی معیشتیں غیر مستحکم ہیں اس لیے سرمایہ داری کی عالمی توسیع رک گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برازیل، روس، چین اور انڈیا کی سرمایہ دارانہ توسیع میں رکاوٹیں آئیں گی۔ دوسرے ملکوں میں بحران مقامی نہیں بلکہ عالمی تھا۔ یہ عالمی اس لیے تھا کہ سرمایہ داری کی گلوبلائزیشن ہو چکی ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ بحران کی شدت ہر جگہ یکساں نہیں تھی۔ بحران نے عالمی طاقت کی چین منتقلی کا عمل تیز کر دیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس عمل نے امیر اور غریب ملکوں کے درمیان فرق کم کر دیا ہے۔

بہر حال، بنیادی بات یہ ہے کہ محض اقتصادی بحران کی وجہ سے سرمایہ داری ختم نہیں ہوگی۔ اس کے خاتمے کے لیے اقتصادی بحران کے ساتھ ساتھ سیاسی بحران بھی ضروری ہے یا پھر وہ سودے بازی ختم ہو جائے جس میں لوگ ترقی کی خواہش میں سماج یا ماحول کو نقصان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنچانا گوارا کر لیتے ہیں۔ یورپ میں بغیر بڑھوتری سرمایہ داری کا امکان ہے (جو کہ ناممکن ہے) لیکن یہ واضح نہیں کہ ایسا کیسے ہوگا۔ ایشیا میں بڑھوتری ہوگی لیکن سیاست غیر مستحکم ہوگی۔ سیاسی بے چینی بار بار پیدا ہو رہی ہے کیوں کہ ترقی کی توقعات رکھنے والے مایوس ہو رہے ہیں اور منتخب نمایندے عوامی آزادیاں گھٹانے اور عوامی رضامندی نظر انداز کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔

اگرچہ سرمایہ دارانہ دور کی تشکیل اس تصور پہ ہوئی ہے کہ مفروضہ خالص معیشت کو ریاست اور سول سوسائٹی سے الگ کیا جا سکتا ہے لیکن سرمایہ داری ہمیشہ ان عوامل اور تنظیموں میں پیدا ہوئی اور پھیلی پھولی جو معیشت، سول سوسائٹی اور ریاست سے ماورا ہیں۔ ریاستوں اور اقتصادی سرگرمی میں تشکیلی تعلق ہے حادثاتی نہیں۔ سرمایہ داری کا انحصار صرف مارکیٹ پر نہیں بلکہ سماجی اور ثقافتی تعمیر مثلاً کارپوریشن وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ کارپوریشن محض قانونی شخص نہیں ہوتا بلکہ کام کی تنظیم بھی ہوتی ہے۔ سرمایہ داری کا پھیلاؤ صرف ریاستوں اور سماجوں پر منحصر نہیں بلکہ فطرت کے استحصال پر بھی ہے۔ ہر معاملے میں سرمایہ داری انہی حالات کے لیے تباہ کن ہوتی ہے جن پر انحصار کرتی ہے اور فنانشلائزیشن اور نیولبرل ازم اس رجحان میں شدت پیدا کر رہے ہیں۔ مستقبل میں سرمایہ داری کا بقا اس پر منحصر ہے کہ اس تباہی کو کم کرنے کے طریقے تلاش ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

ادارتی خسارے

ایشیا، افریقا اور لاطینی امریکا میں تبدیلی کا عمل صاف نظر آ رہا ہے۔ بڑھوتری کی شرح میں اضافے کی وجہ سے سرمایہ دارانہ مستقبل کے لیے پُر امید فضا بن رہی ہے اور حکومتیں سبز انقلاب اور سماجی تعاون کے پروگراموں کا اعلان کر رہی ہیں۔ اس کے برعکس یورپ سخت پالیسیاں اپنا رہا ہے اور امریکا سیاسی جمود کا شکار ہے۔ تاہم بہ ظاہر اختلافات کے باوجود کچھ اہم مشابہتیں بھی ہیں۔

سرمایہ دارانہ ترقی نے آلودگی، سماجی ابتری اور عدم مساوات کی صورت میں شدید نقصان پہنچایا ہے۔ سرمایہ دارانہ ایلیٹ نے دولت کی نامساوی تقسیم کی ہے اگرچہ دوسروں کو بھی ترقی میں سے اتنا حصہ ملتا رہا کہ وہ خاموش رہے اور احتجاج نہ کیا۔ عدم مساوات کے ساتھ ساتھ کرپشن بھی بہت بڑا چیلنج ہے۔ مزید برآں، انفراسٹرکچر اور وسائل میں بڑی بڑی سرمایہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاری کا مطالبہ کیا جا رہا ہے تاکہ صنعت پھیلے اور شہروں میں آنے والی آبادی کو بسایا جا سکے۔ یہ اخراجات بالعموم دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ نئی دولت انہی کے حصے میں آتی ہے جو سرمایہ دارانہ کاروبار کے مالک ہوتے ہیں یا اس سے تنخواہیں یا ٹیکس وصول کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کارپوریشن کی بیلنس شیٹ میں ماحولیاتی اور سماجی قیمتوں کا اندراج نہیں ہوتا اور انفراسٹرکچر حکومتیں تیار کر کے دیتی ہیں۔

تو کیا سرمایہ داری کا کام تمام ہو گیا؟ جب تک سرمایہ دارانہ ترقی کے نقصانات ریاستیں، ادارے اور خاندان برداشت کرتے رہیں گے سرمایہ داری موجود رہے گی کیوں کہ سرمایہ دارانہ منافع اسی طرح کمایا جاتا ہے۔ فرم جس سرکاری شے سے فائدہ اٹھاتی ہے اس کی پوری قیمت کبھی بھی ادا نہیں کرتی مثلاً اس کے مزدور سرکاری علاج کرواتے ہیں، سرکاری تعلیم حاصل کرتے ہیں، فرمیں ریلوے اور روڈ استعمال کرتی ہیں، آلودگی اور فضلات پیدا کرتی ہیں لیکن اس کی مالیاتی، انسانی یا فطرتی قیمت ادا نہیں کرتیں۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری بے حد دولت پیدا کرتی ہے لیکن اس دولت کے ساتھ ساتھ کوڑا بھی لازماً پیدا ہوتا ہے۔ جب تک کوڑا برداشت کیا جاتا رہے گا سرمایہ داری دولت پیدا کرتی رہے گی۔ ریاستیں قیمت وصول کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن سرمایہ داری سے پوری قیمت وصول کرنے سے اس کی عالمی مسابقت کم ہو جائے گی اور پھر دولت پیدا کرنے کی اہل نہیں رہے گی۔

سرمایہ دارانہ کاروبار اور بھی کئی قسم کے فائدے ریاستوں سے اٹھاتا ہے مثلاً اپنی پراپرٹی کا تحفظ اور سرکاری تحقیق کے نتائج کا نجی اور تجارتی استعمال وغیرہ۔ کرنسی سے سڑکوں اور سیکورٹی تک ریاستیں تمام ضروری چیزیں فراہم کرتی ہیں۔ سرمایہ داری کو سماجی ربط اور سماجی اداروں مثلاً اسکول اور ہسپتال وغیرہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں منافع کمانے کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ خدمات خود کارپوریشن کی طرف سے فراہم ہونی چاہئیں۔

بلاشبہ کارپوریشن بھی مکمل طور پر سرمایہ داری کے دائرے میں نہیں اور نہ ہی بہ طور معاشی نظام اس کے کنٹرول میں ہے۔ کارپوریشن قانونی تشکیل ہے (یعنی ریاستی قانون اس کا محافظ ہے)، سیاست سے جڑی ہوئی ہے اور اپنے مالکان کے لیے منافع کے علاوہ اپنے کارکنان کے لیے بھی کام کرتی ہے۔ کارپوریشن کی ملازمت ویلفیئر فوائد کا بڑا ذریعہ رہی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس میں پنشن اور صحت کی انشورنس بھی شامل ہیں، مگر فنانشلائزیشن کے دور میں ان میں کمی آ گئی ہے کیوں کہ کارپوریشن فوری منافع کمانے اور فنانشل مارکیٹ کو خوش کرنے کے لیے طویل مدتی منصوبہ بندی کی صلاحیت کھو چکی ہے۔

بوڑھوں اور بے روزگاروں کے لیے تعلیم اور صحت حکومتی ادارے فراہم کر رہے ہیں (اور یہ سہولتیں حاصل کرنے والوں میں سرمایہ داری پیدا کرنے والے اور اس میں شدت پیدا کرنے والے بھی شامل ہیں)۔ یہ حکومتی ادارے بھی فنانشلائزیشن کے دباؤ میں ہیں۔ قدیم ادارے مثلاً خاندان، کمیونٹی اور مذہبی تنظیمیں، یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اپنی مدد آپ کے تحت یا چندے کی بنیاد پر بھی کچھ ادارے بن گئے ہیں۔ جن کے پاس سرمایہ ہے ان کے لیے بچاؤ کے کئی راستے کھلے ہیں۔

سرمایہ داری چوں کہ ایک معاشی نظام ہے اور یہ نظام عدم استحکام اور خطرات پیدا کرتا ہے اس لیے سرمایہ داری ایسے معاون اداروں کا سہارا لیتی ہے جن کے ذریعے عام لوگ اپنے مسائل کم کر سکیں۔ پرانی سرمایہ دارانہ معیشتوں میں خطرات کی منظم سماجی تخفیف پہلے ہی کم ہو گئی ہے اور نئی سرمایہ دارانہ معیشتوں میں اس مقصد کے لیے نئے اداروں کا ظہور نسبتاً سست ہے۔ اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سرمایہ داری اور اس کی حامی و سرپرست حکومتوں کا کوئی سیاسی جواز رہ گیا ہے؟

سرمایہ داری جن اداروں اور سماجی تعلقات کی بنیاد پر پھیلی پھولی اور وسیع تر جواز حاصل کیا، حالیہ دور میں انہیں تباہ کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ داری کی تجدید ان اداروں اور سماجی تعلقات کی تجدید ہونے سے ہو گی۔ یہ کام سیاسی جواز، سماجی اتحاد اور سماجی تعاون فراہم کرنے سے ہو گا۔ یہ معاملہ بھی زیر غور لانا پڑے گا کہ سرمایہ دارانہ ترقی شہروں کی آبادکاری، وسائل کی کھپت، ماحول کی تباہی، نقل مکانی اور دیگر نقصانات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ سرمایہ کاری کی، چیزیں بنائیں اور نفع کما لیا۔ یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں۔ ان مسائل سے نبٹنے کی صلاحیت صرف مارکیٹ سے نہیں بلکہ حکومتوں اور کئی قسم کے سماجی اداروں سے آئے گی۔ کارل پولینی نے بیسویں صدی کے بحران اور جنگ میں ماضی و مستقبل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ بے لگام سرمایہ دارانہ ترقی ہمیشہ ان سماجی حالات کو تباہ کرتی ہے جو اس کے بقا کے ضامن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔ نئی ادارتی حمایت پیدا کرنے کی کوششیں سرمایہ دارانہ نظام مستحکم کرنے اور سرمایہ دارانہ ترقی میں موثر شراکت کا باعث بن سکتی ہیں۔

خاموش سماجی معاہدہ نہ صرف سرمایہ دارانہ کاروبار کا جواز فراہم کرتا ہے بلکہ ان ریاستوں کا جواز بھی دیتا ہے جو اس کے تسلسل کے لیے مواقع فراہم کرتی ہیں یعنی شہری عدم مساوات برداشت کرتے ہیں اور ترقی کی خاطر طویل المدتی قیمت چکاتے ہیں۔ آج ایشیا، لاطینی امریکا اور افریقا کے بلند شرح بڑھوتری والے تمام ملک ترقی اور قومی اتحاد میں توازن قائم رکھنے کے لیے بہت سے چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ ممالک موجودہ شرح بڑھوتری قائم رکھنے میں ناکام ہو جائیں گے۔ کیوں کہ عالمی معیشت میں بڑھوتری نہیں ہوگی اور جب ملکی بڑھوتری کم ہوگی تو سٹہ بازی کا عروج ہوگا اور عوام غیر مطمئن ہوں گے۔

یورپ اور امریکا بھی اسی قسم کے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں اور یہاں بڑھوتری کا امکان بھی نہیں۔ اقتصادی بڑھوتری نہ ہونے اور اس مسئلے سے نبٹنے کی سیاسی اہلیت نہ ہونے سے پریشانیاں بڑھ رہی ہیں لیکن ابھی تک ردِعمل میں کوئی سماجی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ اقتصادی بحران اور سیاسی جمود کا عوامی ردِعمل دائیں بازو اور نسل پرستانہ شورشوں کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یورپ میں ریاستی مالیاتی توازن بحال کرنے اور بحران کے ذمہ داروں کا سرمایہ بچانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ امریکا نے بڑھوتری میں اضافہ کی کوشش کی ہے لیکن یہاں سیاسی جمود ہے اور عزم یہ ہے کہ بحران کے ذمہ دار مالیاتی اداروں اور سرمایہ کاروں کی بجائے عوام اس کی قیمت ادا کریں۔

نمایاں اور مستحکم ترقی کے ادوار میں سرمایہ داری نے روزگار اور بہتر اجرت پیدا کی۔ اس کے ساتھ اقتصادی ترقی نے صحت عامہ، تعلیم اور ٹرانسپورٹ اور دیگر فوائد کی توسیع کی اور شہریوں نے ٹیکس ادا کر کے ان سہولتوں سے فائدہ اٹھایا۔ اب عوام کو شبہ ہے کہ ان کے بچوں کو یہ سہولتیں میسر نہ ہوں گی۔ امیر ملکوں میں شہریوں کی خواہش ہے کہ وہ زیادہ امیر بنیں لیکن ملکی ضرورت یہ ہے کہ ریاست عالمی مقابلے میں شامل رہے۔

ٹھوس وجوہات کی بنا پر توقع کی جا سکتی ہے کہ مرکزی سرمایہ دارانہ ملکوں میں قومی شرح بڑھوتری عالمی شرح بڑھوتری سے کم رہے گی۔ اس طرح اگرچہ وہ امیر رہیں گے لیکن ساختیاتی اصلاحات کے لیے کوئی پیش رفت نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جن ادارتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈھانچوں نے سرمایہ داری کا مجموعی جواز فراہم کیا تھا وہ ادارے ختم ہو چکے ہیں۔

نیولبرل ازم کی اصطلاح سے مراد وہ پالیسیاں ہیں جن میں سرکاری اخراجات، اقتصادی سرگرمیوں میں حکومتی شراکت اور سرمایہ دارانہ مارکیٹوں پر حکومتی پابندیاں کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ۱۹۷۰ء کے بعد کا لبرل ازم ہے اور انیسویں صدی کے لبرل ازم کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ نیولبرل ازم نے بالغ سرمایہ داری کی نشانی کے طور پر سماجی حفاظتیں اور اقتصادی انتظامات ختم کر دیے۔ اس کا ہدف ان ادارتی پابندیوں کا خاتمہ تھا جو عظیم بحران کے بعد نافذ کی گئی تھیں۔ لبرل ازم اور نیولبرل ازم کا خاص تعلق یہ واضح کرتا ہے کہ لامحدود سرمایہ دارانہ بڑھوتری اور سرمایہ داری کو محدود کرنے کی کش مکش بہت پرانی ہے۔ انیسویں صدی میں لبرل حضرات نے وہ تمام روایتی ادارے ختم کرنے کا تہیہ کر لیا جو سرمایہ دارانہ منافع کی راہ میں رکاوٹ بنتے تھے اور نئے اداروں کو بھی محدود رکھا۔ یہی مسئلہ آج کی پوری ترقی پذیر دنیا میں ہے۔

مثال کے طور پر چین میں انتہائی متحرک سرمایہ داری اور مقامی اجتماعی ڈھانچوں کے مابین شدید کش مکش جاری ہے۔ نئی ملازمتیں حاصل کرنے والے مزدور خاص طور پر وہ جو شہری علاقوں میں روزگار حاصل کرتے ہیں، اپنی مقامی اجتماعیت میں موجود سماجی سرمایے کی پرانی شکلوں اور کمیونسٹ دور کے حصار دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ شہروں میں آ کر وہ نیا طرز زندگی اختیار کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ پرانی اشیا کے متبادلات مارکیٹ سے خریدنے کے لیے کافی رقم کما سکیں۔ اور جب انہیں اس میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ اور زیادہ محنت کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنے لیے نئے سماجی ادارے تشکیل دیتے ہیں۔ مثلاً ایک نسل قبل شنگھائی وغیرہ میں نقل مکانی کرنے والوں نے مقامی رنگ ڈھنگ اور قبائلی تعلقات تخلیق کیے۔ ان میں سے اکثریت انتہائی غربت زدہ رہتی ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ پیچھے اپنے خاندان کی کفالت کے لیے یا اسے اپنے پاس بلانے کے لیے رقم بچا لیں۔ حکومت اس عمل کی نگرانی کرتی ہے مثلاً ہجرت کر کے آنے والوں کو شہری اداروں مثلاً اسکول تک رسائی دینے میں سختی برتی جاتی ہے۔ یہ پابندی اور سخت ادارتی خسارے کی علامت بھی ہے اور سماجی کنٹرول کا ذریعہ بھی۔

جیسے جیسے چین سرمایہ داری کے راستے پر مزید آگے جائے گا اسے زیادہ مضبوط اداروں کی ضرورت ہوگی۔ حکومت تعلیم عام کر رہی ہے اور صحت عامہ کی تشکیل نو کر رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پریشانی یہ ہے کہ تیزی سے بوڑھے ہوتے معاشرے میں بوڑھوں کی دیکھ بھال کون کرے گا کیوں کہ رویوں کی تبدیلی، مزدوری کے لیے نقل مکانی اور فی خاندان ایک بچے کی پالیسی کی وجہ سے خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ بے روزگاری سے تحفظ کون دے گا اور سماجی خدمت کون کرے گا۔ نئے ادارے خیراتی نوعیت یا باہمی مفاد کی بنیاد پر بن سکتے ہیں لیکن ابھی تک حکومت نے ان دو قسم کے اداروں کو خود مختار ہونے کی اجازت بھی نہیں دی۔ یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ چین سرمایہ داری کی راہ پر چل رہا ہے لیکن یہ واضح نہیں کہ چین کس حد تک مغربی اداروں کی نقالی کرے گا؛ آیا مغربی نیولبرل ازم اختیار کیا جائے گا یا چینی سرمایہ داری ہو گی؟

گذشتہ ساڑھے چار سو برسوں میں ریاستی سرمایہ داری ایک استثنا ہے لیکن سرمایہ داری کی ایک ممکنہ تشکیل نو یہ ہو گی کہ اسے عام کر دیا جائے گا۔ سوویت کمیونزم پہلے ہی ریاستی سرمایہ داری کی ایک شکل تھا اور فاشزم تو یقیناً ریاستی سرمایہ داری تھی۔ جہاں آج حکومتیں اپنے جواز کے لیے قوم پرستی کا سہارا لے رہی ہیں وہاں ریاستی سرمایہ داری کے امکان زیادہ ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ مستقبل کی سرمایہ داری کے لیے لبرل ازم کی توسیع ہونا ضروری نہیں (مغربی تاریخ کی پچھلی دو صدیوں میں لبرل سرمایہ داری ہی غالب رہی ہے)۔ سرمایہ داری اور لبرل ڈیموکریسی کے مابین واضح تعلق یہی ہے کہ سرمایہ داری کو سیاست سے جوڑا گیا اور اس کے لیے خاص تاریخی حالات میں جدوجہد کی گئی۔

مقامی نیولبرل ازم کا آزاد تجارت کے عالمی فروغ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ٹیرف اور تجارتی پابندیوں میں کمی دراصل ویسی ہی کوشش ہے جس میں سرمایہ کی اندرونِ ملک نقل و حرکت اور مارکیٹ پر حکومتی پابندیوں میں کمی کی جاتی ہے۔ فوجی تحفظ اور سماجی تحفظ کی فراہمی ریاستی سرمایہ داری کے لیے مفید خیال کیے جاتے ہیں اور اسے عالمی مارکیٹ سے محفوظ رہنے کا معقول ماڈل سمجھا جاتا ہے۔ یہ لبرل ڈیموکریسی کا تھوڑا تجربہ رکھنے والے ملکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلاشبہ مغربی ریاستوں نے کاروباری گٹھ جوڑ کیا ہے لیکن اس کا مقصد مارکیٹ کی ناکامیوں کا ازالہ کرنے کے لیے سرمایہ جمع کرنا نہیں ہوتا تھا۔ نیولبرل ازم کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے ان اداروں کی نج کاری کا مطالبہ کیا اور پرانی سرمایہ دارانہ معیشتوں اور ترقی پذیر ملکوں بالخصوص لاطینی امریکا میں نج کاری کا عمل وسیع پیمانے پر ہوا۔ اس سوال کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا کہ سرمایہ داری کے اداراتی ڈھانچے کی اگلی شکل میں حکومت، کاروبار اور سول سوسائٹی میں واضح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرق ہوگا یا نہیں۔

قلیل وسائل اور مسخ شدہ فطرت

سرمایے کی مسلسل بڑھوتری دو چیزوں سے محدود ہوتی ہے:

۱۔ سرمایہ داری اپنے معاون سماجی اور سیاسی نظاموں کی پیداوار میں مسائل اور اندرونی اقتصادی مشکلات کا شکار رہتی ہے۔

۲۔ سرمایہ داری قدرتی ماحول تباہ کر دیتی ہے۔

سرمایہ داری کا انحصار خام مال، خوش حال آبادیوں اور کارپوریٹ اداروں کی طرف سے ماحول کی تباہی برداشت کرنے پر راضی ہونے والے مختلف منظم معاشروں پر ہوتا ہے۔ اس سے انسانی مصائب میں اضافہ ہوتا ہے۔

فطرت کی تفہیم کے لیے جو انداز اختیار کیا جاتا ہے اس سے ماحولیاتی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ فطرت کو انسانی معاشرے سے مختلف سمجھا گیا اور یہ بات مغرب کے ساتھ مخصوص نہیں اگرچہ مغرب نے اس معاملے میں زیادہ شدت اختیار کی۔ فطرت کو ایسی رکاوٹ خیال کیا گیا جسے دور کرنا ضروری ہے۔ اس طرح یہ بات بھلا دی گئی کہ انسان بھی فطری مخلوق اور فطرت کا حصہ ہے۔ سرمایہ داری کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے فطرت کو وسائل کے معنوں میں لیا۔ سرمایہ داری کہتی ہے کہ فطرت کا وجود ہی استعمال اور استحصال کے لیے ہے۔ جنگلات سے پانی تک بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تازہ پانی کے استعمال میں تین گنا اضافہ ہوا جب کہ آبادی دو گنا ہوئی تھی۔ ٹیکنالوجی نے کسانوں اور دیگر صارفین کو اس قابل بنایا کہ زیادہ گہرائی سے پانی نکالیں جس سے آبی ذخیرے خشک اور پانی کی سطح کم ہو گئی۔ ڈیم تعمیر کر کے بجلی پیدا کی گئی اور بعض اوقات سیلابوں کو بھی روکا گیا لیکن اس سے لوگ بے گھر ہوئے، کھیتوں میں پانی کا استعمال بڑھا اور مچھلیاں مر گئیں۔ دریا خشک ہو رہے ہیں اور جھیلیں غائب ہو گئی ہیں۔ قیمتوں کا حساب کتاب یہی بتاتا ہے کہ موجودہ استعمال کی قیمت اگلی نسل چکائے گی۔

چوں کہ فطرت کے وسائل ہمیشہ محدود ہوتے ہیں اور سرمایہ داری مسلسل وسعت پذیر نظام ہے اس لیے سرمایہ داری فطرت کی حدود و قیود سے ماورا ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ جدید سائنس کے کاروبار سے گٹھ جوڑ اور اس کی حکومتی سرپرستی کی وجہ سے نت نئی ٹیکنالوجی ایجاد کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سہولت ہوئی ہے۔ اس میں قدرتی وسائل کو بڑھانے کے لیے مصنوعی ذرائع پیدا کرنا بھی شامل ہے مثلاً زراعت میں بہتری، نئے مادوں اور توانائی حاصل کرنے کے نئے طریقے وغیرہ۔ اس لیے سرمایہ داری نے بنیادی طور پر انسانی زندگی کو سہارا دینے کے لیے اپنی اہلیت میں اضافہ کیا ہے۔ کھادوں، مشینوں، آب پاشی اور نئی فصلوں کی بنیاد پر زراعت میں بہتری لائی گئی ہے۔ اس نے سائنسی طریقوں پر تیار ہونے والی طبی ادویات اور جدید ساز وسامان سے لیس ہسپتال پیدا کیے ہیں۔ اس سے ''فطری'' انسانی زندگی بڑھائی گئی ہے اور زیادہ لوگ اپنی طبعی عمر جیتے ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی اور پیداوار کے نئے طریقے مزدوری کا کردار بہت محدود کر دیتے ہیں۔ ذرائع نقل وحمل اور ذرائع ابلاغ کی ٹیکنالوجی فاصلے اور جغرافیے کی رکاوٹیں دور کرتے ہیں اور انفراسٹرکچر کی ٹیکنالوجی شہروں کے پھیلاؤ اور نئے شہر بسانا ممکن بناتی ہے۔ انفراسٹرکچر میں سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ انسانی آبادی اور اس کی جغرافیائی نقل وحرکت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

لیکن سماجی زندگی کی نئی تنظیم نے توانائی خاص طور پر کوئلہ اور پٹرول اور نیوکلیائی توانائی کی طلب میں کئی گنا اضافہ کیا ہے۔ نئی ٹیکنالوجی نے معدنیات کی طلب میں بھی اضافہ کیا ہے۔ انسانی زندگی میں یہ توسیع نہ صرف قلیل وسائل پر منحصر ہے بلکہ اس کی وجہ سے ماحولیاتی نقصان کی بھاری قیمت بھی چکانی پڑتی ہے جس میں آب وہوا کی مہلک تبدیلی بھی شامل ہے۔ نئے پیدا کیے جانے والے حیاتیاتی مادے ماحول دوست نہیں۔ یہی اصل وجہ ہے کہ پوری دنیا میں آب وہوا کی تبدیلی پر کوئی سنجیدہ اقدام کرنے پر عالمی اتفاقِ رائے پیدا نہیں ہوسکا۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ فنانشلائزیشن کے دور میں ماحولیاتی تباہی سے بچنے کی کوششیں بذاتِ خود کاروبار بن گئی ہیں۔ کاربن کا اخراج کم کرنے کی تجاویز پر ہونے والا کاروبار اس کی نمایاں مثال ہے۔ اس قسم کی اسکیموں کا مطلب یہ ہے کہ اخراج کی ایک حد مقرر کر دی جائے لیکن وہ لوگ جو اس حد سے زیادہ آلودگی نہیں پھیلا رہے انہیں اس کام کی اجازت دی جائے کہ وہ آلودگی پھیلانے والوں کو اپنی اشیا بیچتے رہیں تاکہ وہ مزید آلودگی پھیلائیں۔ یہ اسکیمیں اس لیے چل رہی ہیں کہ سرمایہ کاری کرنے والے بینک انہیں آلودگی پھیلانے کے حقوق کے طور پر بیچ رہے ہیں۔

فطرت کا حد سے زیادہ استعمال اور استحصال سرمایہ داری اور زندگی کے مستقبل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے مسئلہ بن چکا ہے۔ یہ مسئلہ اقتصادی تجزیوں کے دائرے سے باہر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرتی وسائل کی قیمت کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔ فطرت کو وسائل کے معنوں میں سمجھنے سے فطرت میں انسانی شرکت اور اس پر انسان کا انحصار درست انداز میں نہیں سمجھا جا سکتا۔

فطرت کو بہ طور وسائل سمجھنے کی وجہ سے فطرت سرمایہ دارانہ تنظیموں اور ان کی سرپرست ریاستوں کے مابین مقابلے کا میدان بن گئی ہے۔ پچھلے سو سال سے پٹرولیم کی سیاست اور معیشت اس کی واضح مثال ہے۔ لیکن قلیل وسائل کے لیے ہونے والے نئے مقابلے مستقبل میں سرمایے اور انسانی معاشروں پر سوالیہ نشان لگا دیں گے۔ توانائی بنیادی چیز ہے۔ نئی ٹیکنالوجی کے لیے معدنیات ضروری ہیں۔ پانی کی رسد غیر یقینی اور کم ہے اور پھر پانی آلود بھی ہے۔ یہاں تک کہ قابل کاشت زمین کے لیے بھی مقابلہ ہو رہا ہے مثلاً بارانی سعودی عرب اور گنجان آباد چین زرخیز افریقا میں کاشت کارانہ حقوق حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔

وسائل کے لیے جدوجہد جغرافیائی تنازعات میں اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ محدود پیمانے پر عسکری لڑائیاں پہلے ہی جاری ہیں اور خانہ جنگی، ریاستی جنگوں اور مجرمانہ سرگرمیوں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ چین کی ترقی کے لیے قدرتی وسائل (تیل اور معدنیات) حاصل کرنا مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اور ان وسائل کو حاصل کرنے کی کوشش میں چین دور افتادہ ملکوں مثلاً سوڈان کے ساتھ تعلقات بنا رہا ہے۔ دونوں سوڈان اپنا زیادہ تر تیل چین کو بیچ رہے ہیں (۲۰۱۱ء میں جنوبی سوڈان اور شمالی سوڈان الگ ہو گئے: مترجم)۔ روس اور کچھ سابق سوویت ریاستوں کے لیے قدرتی وسائل بیچنا بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ اپنی زیادہ تر درآمدات روس سے کرتا ہے اور ان درآمدات کی وجہ سے پہلے ہی کئی تنازعات میں ملوث ہو چکا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں ایران بے اعتبار طاقت ہے اور مسلمان آبادیوں میں اس کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔ اس خطے کی سیکورٹی کے معاملے میں خلیجی ریاستیں بین الاقوامی سرمایہ کاروں کا مقام رکھتی ہیں۔ اگر یہ ریاستیں غیر مستحکم ہوئیں تو حالات بہت خراب ہوں گے۔ وسائل کے معاملے میں نائیجیریا بدقسمت رہا ہے لیکن اب اس نے بھی ترقی کے راستے پر قدم قدم چلنا شروع کر دیا ہے۔ کئی لاطینی ملک تیل کے نمایاں برآمد کنندگان ہیں اور برازیل جیسے ملک ابھرتی ہوئی طاقت ہیں۔ امریکا نے توانائی کے عالمی وسائل پر انحصار کم کر لیا ہے اور اس کی وجہ مالیاتی بحران کے دوران سرمایہ کاری اور نئی ہائیڈرالک ٹیکنالوجی ہے۔ مستقبل میں ارتکازِ سرمایہ کے لیے تیل اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیس نکالنے کے لیے نئی ٹیکنالوجی فیصلہ کن ثابت ہوگی کیوں کہ نام نہاد سبز ٹیکنالوجی توانائی کی طلب پوری نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ ٹیکنالوجی ماحولیاتی تباہی میں اضافہ کرے گی اور سرمایہ داری عالمی توانائی اور وسائل کی سیاست میں الجھ کر رہ جائے گی۔ اس الجھن کا شکار ہونے والے طاقت ور ملکوں کی فہرست طویل ہو سکتی ہے۔ مشرقی ایشیا میں زمینی جھگڑے توانائی اور نظریاتی خودمختاری کے نظریات سے جڑ گئے ہیں۔ یہی حال مشرقی ایشیا اور ارجنٹائن کا ہے۔

توانائی کے وسائل شاید پرتشدد تنازعات کا نمایاں ترین عنصر بن چکے ہیں۔ پانی اور قابل کاشت زمین کی قلت ہے۔ اور توانائی سے ہٹ کر مذہب، نقل مکانی، سرحدوں اور علاقائی وسعت کی سامراجی خواہشات کی بنیاد پر بھی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ بعض جگہوں پر کشیدگی محض اس بنا پر بڑھ رہی ہے کہ ہمسایہ ملک نے ہتھیاروں کے انبار لگا لیے ہیں یا نیوکلیائی صلاحیت کر چکا ہے۔ مختلف قسم کے آمر حکمران اور غیر ریاستی عناصر بھی عدم استحکام اور تنازعات کی وجوہات بن رہے ہیں۔ اور گذشتہ عشرے کے اصل تنازعات (عراق پر حملہ اور افغانستان کی اصل جنگ) نے کشیدگی میں بھی اضافہ کیا ہے اور امریکا کی استعماری صلاحیتیں بھی کم زور کر دی ہیں۔ اس سے لگتا ہے کہ مستقبل میں جنگ کے امکان زیادہ ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جھگڑے بہت بڑے جھگڑوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ سرد جنگ کے پینتالیس سال جغرافیائی وسیاسی تنازعات کی طویل تاریخ میں محض ایک وقفہ ہیں۔

غیر رسمی شعبہ اور ناجائز سرمایہ داری

فنانشلائزیشن اور نیولبرل ازم نے مل کر امیر مغربی ملکوں میں سرمایہ داری کے استحکام کا باعث بننے والے اہم ادارے کمزور کر دیے ہیں۔ ان اداروں میں ریگولیشن (قواعد و ضوابط) کے ریاستی ادارے، ٹریڈ یونین اور کارپوریشن بھی شامل ہے۔ کاروباری کارپوریشن جو انفرادی کیریئر کے لیے مستحکم فریم ورک سمجھی جاتی تھی، اس نے صحت، پنشن اور روزگار کا تحفظ دینا بند کر دیا ہے۔ بہت سی کارپوریشنیں ختم ہو گئیں کیوں کہ ان کے اثاثے سرمایے کی مارکیٹ میں بیچ دیے گئے۔ ان کارپوریشنوں کے ملازمین، کمیونٹی یا کاروباری ساتھیوں کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہ کی گئی۔ اقتصادی بنیادوں کی تباہی اور آبادی کی تحریکوں کے ذریعے اجتماعیتوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ رسمی تنظیموں نے عام شہریوں کو محفوظ راستہ دیا نہ کوئی موقع۔ یہ تبدیلی اتنی صدماتی تو نہ تھی جتنی کہ سوویت یونین کے انہدام پر اداراتی بحران سے آئی تھی لیکن اس کا رخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دہی تھا۔ مذہبی تنظیمیں نہ صرف خیرات بانٹنے بلکہ روزگار سے کونسلنگ تک کئی اداراتی خدمات دینے کے لیے میدان میں اتریں۔ تمام او ای سی ڈی ملکوں میں مقامی نیٹ ورک بنے اور کرنسی کے بغیر لین دین کو رواج دیا۔

رسمی اداروں کی کمزوری کی وجہ غیر رسمی اداروں کی نمو ہے۔ غیر رسمی داروں کی اصطلاح تیسری دنیا کے لیے استعمال کی جاتی ہے جہاں ادارے قومی سطح پر تشکیل نہیں پا سکے اس لیے کرنسی والی معیشت پوری معیشت کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ باقی تمام معیشت جو پوری کی پوری آبادی کو زندہ رکھے ہوئے ہے، روایتی سماجی تعلقات پر قائم ہے۔ لوگ نئے حالات میں رسمی مارکیٹ کے متبادل بغیر کرنسی کے لین دین کرتے ہیں؛ بالمشافہ ملتے ہیں اور قانون یا ٹیکس کے بغیر سودے طے کرتے ہیں۔ بہت سی غیر رسمی سرگرمیاں مجرمانہ اور بہت سی غیر مجرمانہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ غیر رسمی شعبہ کی اصطلاح تیسری دنیا کے مطالعہ میں استعمال ہوتی ہے لیکن یہ واضح ہے کہ غیر رسمی شعبہ ہمیشہ سے سرمایہ داری کے ساتھ موجود رہا ہے اور قومی ریاستیں اس شعبے کو قانونی دائرے میں قید کرنے یا ختم کرنے کی کوششیں کرتی رہی ہیں۔

گزشتہ چالیس برسوں کے دوران غیر رسمی شعبہ ڈرامائی طور پر وسیع ہوا ہے۔ یہ امیر اور غریب ملکوں میں ایک اہم معاشی پہلو ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ قومی یا سرکاری اداروں کی خراب کارکردگی (جیسا کہ کمیونزم کے آخری سالوں میں اور منصوبہ بند معیشتوں میں) کے حالات میں کیسے گزارہ کیا ہے۔ خاص طور پر یہ ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں نے سرکاری اشیا کی عدم فراہمی (سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ دونوں ریاستوں) میں کیا کیا ہے۔ اس طرح کا بہت سا کام کمیونٹی کی سطح پر منظم ہوتا ہے مثلاً چھوٹے پیمانے پر کرنسی کے بغیر اشیا کا تبادلہ، باہمی تعاون کی انجمنیں اور ٹیکس اور فنانشل انڈسٹری (بینکوں) سے بچتے ہوئے کرنسی کا استعمال وغیرہ۔ غیر رسمی شعبہ محض سماجی مسائل کے حل کی جگہ نہیں، یہ تخلیقیت کا ماحول بھی ہے۔ سلیکان ویلی بنانے والے موجدوں اور کاروباریوں نے غیر رسمی طور پر گیراجوں میں کام شروع کیا تھا۔ بالکل یہی کام آج انڈیا اور نائیجیریا میں ہو رہا ہے۔ فلم ساز اور فن کار بھی اسی طرح کام کرتے ہیں۔ غیر رسمی شعبہ بعض اوقات بالکل خانہ بدوشوں کی طرح اور بعض اوقات مڈل کلاس کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے فعال اور پرکشش کاروبار ٹیکس دے بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی دیتے، اسی طرح ان کے مزدوروں کو بعض اوقات پنشن وغیرہ مل بھی جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں بھی ملتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر رسمی شعبہ محض کمیونٹی نیٹ ورک نہیں جو رسمی مارکیٹ اور رسمی اداروں کے متبادل لوگوں کے براہ راست میل جول سے بن رہا ہے۔ یہ ماورائے قومیت سرمایہ دارانہ ساختوں کا وسیع تر پہلو بھی رکھتا ہے جو ریاستی اداروں اور قوانین سے باہر رہتے ہوئے کام کرتی ہیں۔ اس میں منی لانڈرنگ، بینکنگ اور جبری اور معاہداتی سرمایہ کاریاں شامل ہیں۔ ان میں ٹیکس نہ دینا، سمگلنگ اور ناجائز لین دین (معدنیات سے ہتھیاروں تک، منشیات سے انسانوں تک کی سمگلنگ، بندوقوں سے لے کر ٹینک، جہازوں اور طیارہ شکن توپوں اور میزائلوں تک کی سمگلنگ) شامل ہے۔ یہ ناجائز سرمایہ داری اکثر اوقات زیادہ رسمی ہوتی ہے اور اس میں کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری اور آمدن ہوتی ہے (جس کا درست اندازہ بہر حال نہیں لگایا جا سکتا)۔

روس میں سرمایہ داری نے جس انداز میں کمیونزم کی جگہ لی، اس سے ٹیکس چوری اور ناجائز سرمایہ کاری عروج پر پہنچ گئی۔ سابق ریاستی اہل کاروں نے ریاستی اثاثے چوری کیے اور ان سے سرمایہ دارانہ کاروبار یا منظم جرم شروع کیا۔ اس سے وسیع پیمانے پر ناجائز تجارت کا فروغ ہوا اور پہلے سے موجود ناجائز مارکیٹوں کے عالمی نیٹ ورک میں بڑی بڑی رقموں کا اضافہ ہوا۔

تقریباً ایک ٹریلین ڈالر سرمایہ غیر قانونی طور پر روس جیسے ملکوں سے سائپرس اور کیمن جزائر میں منتقل ہوا اور پھر یہی سرمایہ واپس روس اور باقی دنیا میں قانونی اور غیر قانونی کاروبار میں لگایا گیا۔

مقامی غیر رسمی شعبے اور وسیع پیمانے پر ہونے والی ناجائز سرمایہ داری دونوں کی سرگرمیاں رسمی سرمایہ دارانہ بڑھوتری کی کم زوری ظاہر کرتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رسمی سرمایہ دارانہ بڑھوتری سماجی زندگی اور پیداوار قائم رکھنے کے لیے ضروری تقسیم دولت کا کام انجام دینے میں ناکام رہتی ہے۔ بہت سے معاشروں میں زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے رسمی سرمایہ داری اصل میں غیر رسمی شعبے پر انحصار کرتی ہے تاکہ جائز مارکیٹوں کی بنیاد پر بننے والے معاشروں کی خوش حالی کے لیے ضروری معاشرتی امن قائم رہے۔ یہ بات بالخصوص سرمایہ دارانہ معاشروں کے ان حصوں کے لیے درست ہے جو رسمی مارکیٹ کی ناکامیوں سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں مثال کے طور پر گندی بستیاں جہاں کے رہائشی ایک دوسرے پر انحصار کرنے کے لیے اور چھوٹے پیمانے کے کاروبار پر مجبور ہیں کیوں کہ بڑے پیمانے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری اور ریاست دونوں یہاں غیر موثر اور غیر فعال ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ بات عمومی طور پر بھی درست ہے۔ کرپشن نہ صرف انفرادی لالچ بلکہ ادارتی کمزوری کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ناجائز عالمی تجارت میں لگنے والے سرمایے کی بڑی رقمیں بالواسطہ طور پر رسمی شعبہ سے ٹیکس وصول کرتی ہیں اور مارکیٹ اور خطرات کا صحیح اندازہ نہیں ہونے دیتیں۔ بلاشبہ ناجائز قبضے کا سرمایہ جائز سرمایہ دارانہ مارکیٹوں اور براہِ راست جائز کاروبار میں بھی لگتا ہے (ناجائز حربوں کے ساتھ یا ان کے بغیر)۔ غیر رسمیت اور کرپشن ریاستی قواعد و ضوابط (ریگولیشن) کی ضرورت ختم کر دیتے ہیں اور جائز کاروبار کو براہِ راست یا بالواسطہ ناجائز کاروبار (مثلاً منشیات اور جنس فروشی) سے جوڑ دیتے ہیں۔

عالمی سیاسی معیشت کا زیادہ تر حصہ ان طریقوں پر مشتمل ہے جو قومی ریاستوں اور سرمایہ داری کے عالمی نظام میں سرکاری طور پر تسلیم شدہ نہیں۔ ریاستوں اور کارپوریشنوں میں ٹکراؤ، منظم جرائم، جنگی سرداروں اور جتھوں کی سیاسی طاقت اور ریاست کے نیم خودمختار شعبوں کی اقتصادی طاقت بہ شمول افواج، یہ سب پیچیدہ تر دنیا دکھاتے ہیں جو سرمایہ داری کے لیے خطرناک ہے۔ اسی طرح سائبر سکیورٹی کے خطرات بھی ہیں؛ وکی لیکس سے ہیکنگ اور وائرسز تک بہت سے ایسے حربے ہیں جو بعض اوقات ریاستی پشت پناہی سے اور بعض اوقات رضا کارانہ طور پر کبھی ریاستوں کے خلاف اور کبھی کارپوریشنوں کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ سب سرمایہ داری کی تشکیل نو کا حصہ ہے جس کی تاریخی مثال تو دی جا سکتی ہے لیکن مستقبل کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

نتیجہ

اگرچہ سرمایہ داری اگلے ہی ہفتے ختم ہوتی دکھائی نہیں دیتی مگر یہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ مستقبل کو خطی تسلسل کے طور پر دیکھنا عقل مندی نہیں۔

سرمایہ داری کا انہدام اندرونی تضادات کی وجہ سے ہو سکتا ہے جس میں اس کا بحرانوں کی طرف عمومی رجحان اور فنانشلائزیشن کی وجہ سے خطرات میں اضافہ شامل ہیں۔

حیران کن طور پر ۲۰۰۸ء کے بحران کے بعد سے مارکیٹ قواعد و ضوابط یا مارکیٹ میں بہتری لانے کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہی لوگ وہی ادارے ویسے ہی چلا رہے ہیں۔ اس لیے وہی خطرات ابھی تک موجود ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح خارجی شورشیں بھی مساوی طور پر اہم ہیں خواہ ماحولیاتی آفات ہوں یا بیماریاں، جنگیں ہوں یا بغاوتیں۔ سرمایہ داری جس انفراسٹرکچر پر کھڑی ہے مثلاً ابلاغیاتی نیٹ ورک اور توانائی فراہم کرنے والے شعبے، یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے سیاسی لوگ ہی ایسا کر دیں۔ ان سب وجوہات کی بنا پر عالمی ارتباط کا پیچیدہ عمل الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ ان خطرات سے نبٹنے کے لیے مختلف بنیادوں والے نظاموں سے جڑنا پڑے گا۔

سادہ طریقہ ہے کہ اقتصادی تنظیم کی بجائے متبادل طریقوں سے منظم ہوا جائے تو سرمایہ داری منہدم ہوئے بغیر زوال کا شکار ہو سکتی ہے۔ بڑھوتری کا عمل سست ہو سکتا ہے۔ یہ کام عالمی سطح پر بھی ہو سکتا ہے یا شاید ملکی اور علاقائی سطح پر زیادہ ہو۔ اگر مختلف حالات میں مختلف بنیادوں پر تنظیم سازی ہوئی تو عالمی مارکیٹوں کا اتحاد جو سرمایہ داری نے قائم کیا ہے، ست یا الٹ ہو سکتا ہے۔ بعض جگہوں پر سرمایہ داری زیادہ مرتکز اور بعض جگہوں پر غیر اہم ہو جائے گی۔ کاروباری فرمیں جو حکومتوں سے مل کر کام کر رہی ہیں وہ اپنے اقتصادی تعلقات زیادہ منظم کر سکتی ہیں، اس طرح آزاد مارکیٹ ختم ہو جائے گی۔ یہ فرمیں سرمایے کی بڑھوتری کے علاوہ کسی اور ہدف کی بنیاد پر منظم ہو سکتی ہیں۔ معاشرتی اور سیاسی ادارے سرمایہ داری کی کم زور یا مضبوط مخالفت کر سکتے ہیں؛ ناجائز سرمایہ داری بہت بڑی یا بہت چھوٹی ہو سکتی ہے۔ اس طرح عالمی سیاسی معیشت میں سرمایہ داری اہم جزو رہے گی لیکن اس کا غلبہ نہیں ہو گا۔ یا پھر بالکل نیا اقتصادی ڈھانچہ تشکیل پا سکتا ہے۔

موجودہ بحران کوئی پہلا بحران نہیں جس میں سے سرمایہ داری ریاستی مدد سے نکلی ہے۔ ریاستیں ہمیشہ مداخلت اور سرمایہ دارانہ فراوانی کی بہت بھاری قیمت چکانے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ جن شہریوں کے کھاتے میں یہ قیمت ڈالی جاتی ہے وہ خوش نہیں ہوتے۔ لیکن اگر ریاستیں فرموں کے کاموں کی قیمت شہریوں کے کھاتے میں ڈال کر سرمایہ داری کی مدد کرتی ہیں تو شہریوں کو بے روزگاری اور بیماری سے تحفظ بھی دیتی ہیں۔ ابھی تک کوئی ایسی سماجی تحریک ظاہر نہیں ہوئی جو سرمایہ دارانہ مالیاتی اداروں کا دفاع کرنے والی ریاستوں کا خاتمہ کر سکیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سرمایہ داری سیاسی، معاشرتی اور ماحولیاتی تباہیوں کی وجہ سے خود ہی ختم ہو گی۔

ادارتی خساروں سے نبٹنا بنیادی مسئلہ ہے۔ بلاشبہ ریاستیں یا غیر ریاستی عناصر دونوں یہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں مگر یہ کام سرمایہ دارانہ فرمیں خود بھی کر سکتی ہیں۔ جہاں یہ فرمیں مستحکم ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہاں سماجی اداروں کے طور پر کام کریں اور اپنے کارکنوں کا آسرا بنیں۔ موجودہ عالمی سرمایہ داری اس لیے بھی بچی ہوئی ہے کہ غیر رسمی شعبہ غریب آبادیوں کو پال رہا ہے کیوں کہ موجودہ ادارے ان کے لیے کچھ نہیں کر رہے۔ لیکن اس سے کرپشن کا پھیلاؤ بھی ہوتا ہے۔ بہت بڑا غیر رسمی شعبہ ٹیکس چوری اور جرائم کو فروغ دیتا ہے۔ غیر رسمی اور ناجائز شعبے دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں، اسی طرح ان دونوں اور رسمی سرمایہ داری میں بھی باہمی انحصار ہے۔ تاہم غیر رسمی ادارے ریاستوں اور ریاستی اداروں کی اہمیت کم کر دیتے ہیں۔

کیا ریاستیں سرمایہ دارانہ ترقی کے لیے سازگار حالات کی مسلسل فراہمی کے قابل رہیں گی؟ یورپ اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے لیے یہ سوال یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ بجٹ کا بحران سیکورٹی چیلنج کا تتمہ ہے۔ انفراسٹرکچر اور بڑھوتری والی سرمایہ داری کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ عالمی فنانس کو پابند کرنے اور ماحولیاتی مسائل کو حل کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر ماورائے قومیت حکومتی ڈھانچوں کی ضرورت ہے لیکن ایسی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی۔ عالمی نظام عالم کو قائم رکھنے کے لیے سامراج اور رکن ممالک کی کاوشوں کی ضرورت ہے۔ امریکا یہ بوجھ اکیلا اٹھانے کے لیے راضی نہیں لیکن اس کی جگہ لینے لیے کوئی متبادل بھی کھڑا نہیں ہوا۔ ایک امکان یہ ہے کہ عالمی نظام علاقائی مسابقتوں کی وجہ سے بکھر جائے گا اور سرمایہ داری چند جگہوں پر باقی رہے گی۔

سرمایہ داری بذات خود ایسے خارجی خطرات میں حصہ ڈالتی ہے جو اس کی بڑھوتری کے لیے چیلنج بن سکتے ہیں جن میں ماحولیاتی تباہی اور آب و ہوا کی تبدیلی قابل ذکر ہیں۔ سبز بڑھوتری کے امکانات ہو سکتے ہیں جو سرمایہ داری قائم رکھنے کے لیے ماحولیاتی چیلنج سے نبٹنے میں مدد دے سکتی ہے۔ یا پھر بڑھوتری محدود ہو کر سرمایہ داری کے لیے مسئلہ بن سکتی ہے کیوں کہ سرمایہ داری بڑھوتری ہی کا دوسرا نام ہے۔

ہر قسم کے خطرے کے لیے کچھ ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جو یک طرفہ سرمایہ دارانہ ترقی کے نقصانات کا ازالہ کریں۔ یہ اقدامات برائے منافع اور بغیر منافع کاروبار اور حکومتوں کی طرف سے بھی کیے جا سکتے ہیں۔ سماجی تحریکیں بھی یہ اقدامات کر سکتی ہیں اگرچہ ابھی تک کوئی بھی تحریک عالمی مسائل کے حل کے لیے نمودار نہیں ہوئی۔ بہر حال، اگر اداروں کی تشکیل نو نہ کی گئی، روزگار بحال نہ کیا گیا اور ماحولیاتی تباہی، صحت اور دیگر چیلنجز کی طرف توجہ نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی گئی تو سرمایہ داری جاری نہیں رہے گی۔

سرمایہ دارانہ مارکیٹوں کا بہ یک وقت بڑے پیمانے پر انہدام بہت بڑی آفت ہوگی، نہ صرف معاشی بدحالی آئے گی بلکہ سیاسی اور سماجی ادارے بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ کام نظاماتی بحران یا ماحولیاتی تبدیلی یا تشدد سے بھی ہو سکتا ہے۔ ماحول اور سماجی اداروں کے استحکام کو نقصان پہنچنے سے سرمایہ داری کے لیے خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن تسلسل منقطع کرنے والی تبدیلیاں اچانک نہیں آتیں۔

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا تھا، کئی نسلوں بعد سرمایہ داری اس حد تک بدل جائے گی اس کی شناخت ناممکن ہو جائے گی۔ جاگیردارانہ یورپ میں طاقت ور ریاستیں، بہتر زرعی پیداوار اور مذہبی عقیدے کی تجدید نو مسائل کے حل کے لیے تھے۔ انہوں نے یورپ کو تبدیل کیا اور نئے دور کا باعث بنے۔ بیسویں صدی کے سرمایہ دارانہ مسائل کا حل ریاستی انتظام اور اقتصادی سہولت اور سرمایہ دارانہ کارپوریشن نے پیش کیا۔ یہ سب تبدیلیاں تبدیلی لانے والی تھیں اگرچہ سرمایہ داری کے اندر تھیں۔

سرمایہ دارانہ نظام بہت وسیع اور پیچیدہ نظام ہے۔ گذشتہ چالیس برس کے واقعات نے سرمایہ داری کو منظم رکھنے والے ادارے منتشر کر دیے ہیں۔ ان اداروں کو بحال یا تبدیل کرنے کی کوشش میں نظام تبدیل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ سرمایہ داری کی کامیاب تجدید نو بھی اس کی ہیئت بدل دے گی اور چار سو سال سے اسے چلانے والا جدید عالمی نظام بھی بدل جائے گا۔ اگر اور کچھ نہ ہوا تو سرمایہ داری اس حد تک ضرور بدل جائے گی کہ بڑھوتری کا عمل مغربی ملکوں سے باہر منتقل ہو جائے گا اور سرمایہ داری مختلف تاریخوں، ثقافتوں اور سماجی اداروں سے جڑ جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ آیا اتنی تبدیلی آئے گی کہ نظاماتی خطرے اور خارجی خطرات سے بچاؤ ہو سکے؟ اور اگر ایسا نہ ہوا تو کیا نئے نظام کے ظہور سے پہلے وسیع تباہی ہوگی؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماحصل: مشترکہ اختتامی باب

آخر میں، ہم کہاں کہاں متفق ہیں اور کہاں کہاں اختلاف کرتے ہیں؟ ہم موجودہ عالمی صورت حال کے جائزے میں متفق ہیں (جس میں اس کی فکری اور سیاسی روش کا تجزیہ بھی شامل ہے)۔ ہمیں کچھ تاریک مقامات نظر آ رہے ہیں لہٰذا ہم مستقبل میں خطرات دیکھ رہے ہیں۔ مشترکہ اختتامی کلمات میں یہ ہمارا متفقہ بیان ہے۔ لیکن ہم دنیا کو دیکھنے اور اس کے مستقبل کے امکانات کا جائزہ لینے میں اپنے نظریاتی اختلاف چھپا نہیں رہے۔ اس کتاب کو مل کر لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ہمارا اتفاق اور ہمارے اختلافات متنوع وژن اور مثبت بحث پیش کریں۔ اس سے بڑھ کر ہمیں یہ امید تھی کہ اگر ہم کافی قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے کوئی مختلف کام کر دکھایا۔

ہم متفق ہیں کہ دنیا تاریخی طور پر ایک طوفانی اور تاریک دور میں داخل ہو چکی ہے جو اگلے کئی عشروں تک جاری رہے گا۔ بڑی تاریخی ساختیاتی تبدیلیاں ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے۔ حالیہ عظیم کساد بازاری ہمیں دنیا کے امکانات کے بارے میں زیادہ گہرائی سے سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ مرکزی سوال صرف امریکی اقتصادی غلبے کے تسلسل اور جغرافیائی استعماریت کے امکانات کا نہیں، نہ ہی سوال یہ ہے کہ غلبہ کہاں منتقل ہو گا بلکہ سوال یہ ہے کہ کوئی بڑی ساختیاتی تبدیلی آ رہی ہے یا نہیں۔ اگرچہ ہم صورت حال کی تشخیص میں اختلافات رکھتے ہیں لیکن ہمارا سماجی طاقت اور تنازعات کے ڈھانچوں پر توجہ کرنے والی مارکسی اور ویبرین روایات کے تناظر میں ماضی و حال کا تقابلی معاشریاتی جائزہ بہت حد تک مشترکہ ہے۔ ہم وجوہات کے مختلف پہلوؤں کو دیکھ رہے ہیں اور سرمایہ داری، ریاستی سیاست، عسکری جیوپالیٹکس اور نظریات کے کام کرنے کے انداز پر متفق ہوتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے اختلافات اصل میں وجوہات کے مختلف انداز میں ملنے پر ہیں یعنی کیا کوئی مخصوص متحرک شعبہ اتنا طاقت ور ہو سکتا ہے کہ دوسرے شعبوں پر غالب آ جائے یا کیا دنیا ہمیشہ ایسے ہی پیچیدہ انداز میں چلتی ہے کہ اس کی پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ہوتا یا کوئی ایسا جامع تناظر ہے جس میں نظاماتی جائزہ اپنی پوری تاریخی ترتیب میں ظاہر ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس اختتامی باب میں ہم پہلے حالیہ گلوبلائزیشن، اس کا آغاز اور ممکنہ مستقبل بیان کرنے کے کلی سماجیاتی طریقے کا خاکہ بیان کریں گے۔ ہمارے نتیجے کا باقی حصہ زیادہ تر اس بات سے متعلق ہے کہ اس وقت سوشل سائنس تعطل کی حالت میں ہے اور مستقبل قریب میں اس کے کارآمد ہونے کی صلاحیت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہاں اس چیز کا خاکہ پیش کرنے جا رہے ہیں جو ہمارے خیال میں دنیا کو دیکھنے اور اس پر بات کرنے کی زیادہ حقیقی تصویر پیش کرتی ہے۔

ہمارے حال کی تشکیل

ابھی تک کی مغربی عظیم کساد بازاری چالیس برس قبل شروع ہونے والے اوسط مدتی تاریخی مرحلے کا اختتام ہے۔ یہ حالیہ دور بہت الجھن والا تھا جس کا اظہار کئی غلط ناموں سے ہوا مثلاً نیولبرل ازم، پوسٹ انڈسٹریل ازم، پوسٹ فورڈازم، پوسٹ کولڈ وار، پوسٹ ماڈرن ازم، پوسٹ کنزیومرازم وغیرہ۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے موجودہ دنیا کی صورت حال بیان کرنے کے لیے گلوبلائزیشن کی اصطلاح فیشن بن چکی ہے۔ یہ سب نام (اصطلاحات) مسئلہ پیدا کرنے والے ہیں۔ گلوبلائزیشن اصل میں ۱۹۷۰ء کے بحران کے جغرافیائی اور اقتصادیاتی نتائج اور اس کے بعد پیداواری طریقوں کی عالمی تقسیم نو کا نام ہے جسے عام معنوں میں Outsourcing (بیرونی ذرائع سے ٹھیکے پر اشیا و خدمات حاصل کرنا) کہا جاتا ہے۔ ناموں کی یہ الجھن اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ حالیہ مرحلہ سرمایہ داری کے تاریخی تسلسل میں انتشار والا یا اصل معنوں میں انوکھا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ بہ قول رنڈل کولنز، انٹرنیٹ کی ایجاد نے بھی وہی الجھن پیدا کی ہے جو مشینوں نے انسانی محنت اور روزگار کی جگہ لے کر کی تھی۔

۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۰ء کے دوران نئی ساختیاتی طاقتوں کا ظہور نہیں ہوا بلکہ سابقہ قوتیں بھی ناکارہ ہوگئیں۔ ہماری مراد تینوں پرانی بائیں بازو کی لہروں کا خاتمہ ہے جن میں بنیادی مغربی ریاستوں کی پہلی دنیا میں سوشل ڈیموکریٹ اور لبرل ریفارم ازم؛ دوسری دنیا میں تیزی سے صنعتی ترقی کرنے والی کمیونسٹ انقلابی آمرانہ حکومتیں؛ اور تیسری دنیا میں قومی عوامی تحریکیں شامل ہیں۔

پرانے بائیں بازو کی فتوحات براہ راست بیسویں صدی کے جیو پولیٹیکل برے حالات کی وجہ سے تھیں نہ کہ طبقاتی شعور کی ترقی یا بڑھوتری کی وجہ سے۔ عالمی جنگوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھیانک تجربات اور سرحدی پیش رفتوں نے سفید اور غیر سفید قوموں کے مرد وخواتین دونوں کو مواقع فراہم کر دیے تھے۔ اس کتاب میں عمانویل والرسٹائن اور مائیکل مین نے اپنے اپنے انداز میں سرمایہ داری کے اندر اس تبدیلی کے عمومی خطوط بیان کیے ہیں جب کہ جارجی درلوگاں نے زیادہ تفصیل سے بتایا ہے کہ کمیونسٹ ریاستیں کیوں کر قائم ہوئیں اور کن عوامل اور قوتوں نے ان کے مختلف نتائج پیدا کیے۔ دو عالمی جنگوں نے طویل المدتی رجحان میں شدت پیدا کرتے ہوئے قومی ریاستوں کا نظام زیادہ وسیع کر دیا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد بہت سے ملکوں میں بائیں بازو کی قوتیں اچانک اس پوزیشن میں آگئیں کہ جنگ زدہ ریاستی مشینری پر قبضہ کر کے اسے صنعتی ترقی اور سماجی تقسیم کے لیے استعمال کریں۔ ۱۹۳۰ء کے عظیم بحران نے بائیں بازو اور فاشسٹوں کے لیے سیاسی مواقع پیدا کر دیے کیوں کہ باقی ماندہ آمرانہ بادشاہتیں اور لبرل حکومتیں اور ان کی کالونیل ریاستیں کم زور ہو چکی تھیں۔ ۱۹۴۵ء کے بعد سرد جنگ نے ان تاریخی تبدیلیوں کے نتائج آنے والے کئی عشروں تک مستحکم کر دیے۔ سرد جنگ (ایک اور غلط نام۔ اس کا اصل نام کئی صلح ناموں اور سفارتی افہام وتفہیم سے تشکیل پانے والا ''سرد امن'' ہے) نے مغربی جمہوریتوں میں اندرونی سمجھوتے اور ویلفیئر کی فراہمی کو اداراتی شکل دی، اس طرح مغرب پر مدت سے چھایا ہوا انقلاب کا خوف کم ہو گیا۔ اسی سرد جنگ نے سوویت بلاک کے ساتھ پر امن بقائے باہمی یقینی بنائی، اس طرح مغرب پر چھایا ہوا جنگ کا خطرہ بھی ٹل گیا۔ سرد جنگ کے عالمی نظام نے سابقہ کالونیوں تک بین الاقوامی سیاسی سرپرستی اور معاشی امداد کی توسیع کرتے ہوئے کالونیل عوام کے سفید فام قوموں کے خلاف بغاوت کے خطرے کو عالم گیر جدیدیت کی باہمی توقعات میں تبدیل کر دیا۔ جنگ کی قربانیوں اور تجربات کی فیاضانہ قیمت ادا کرنے کے لیے وہ زمانہ اچھا تھا۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں یہ اچھا دور اچانک ختم ہو گیا۔ کریگ کلھون ہمیں یاد دلاتا ہے کہ باغی بائیں بازو کی طرف سے کسی دوسری سیاسی تبدیلی کا عمل شروع نہ ہوا بلکہ نئے بائیں بازو کے نوجوانوں نے سرد جنگ کے سمجھوتوں کو چیلنج کیا اور سرکاری منافقت اور ہٹ دھرم بیوروکریسی کے بغیر اچھے وقت کا مطالبہ کیا۔ یہ سچ ہے کہ مغرب، مشرق اور جنوب میں بیمار بیوروکریسی اور منافقانہ ہٹ دھرمی صاف ظاہر تھی۔ اہم بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں پرانی سیاست پر ماڈرنائزیشن، سوشل ریفارم ازم، اینٹی کالونیل ازم یا انقلابات غالب آگئے۔ بلند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بانگ نظریاتی اختلافات کے باوجود ریاستیں بڑی حکومت، بڑی یونین اور بڑے کاروبار پر یا سوویت صنعتی ریاستوں اور قومی جمہوریتوں کے فعال متبادلات پر انحصار کرتی رہیں۔ ان سب سیاسی اور معاشی ڈھانچوں نے اپنی طاقت اور جواز جدید تعلیم، ہاؤسنگ، صحت اور فلاحی خدمات کی فراہمی اور خوش حال مڈل کلاس کی بیوروکریسی، فوجی اور پیشہ وارانہ تنظیموں میں ملازمتوں کی بنیاد پر حاصل کیا۔

مختلف ملکوں میں بہت سے کم زور سماجی گروہوں اور قوموں نے محسوس کیا کہ انہیں منظم نوکرشاہی کی خوش حالی سے نکال باہر کیا گیا ہے۔ ان میں ترقی پذیر ملکوں کی نسلی، مذہبی، مہاجری اور صنعتی اقلیتیں؛ سوویت جمہوریتوں میں غیر روسی اور غیر پرولتاری عوام؛ اور تیسری دنیا کے تیزی سے پھیلتے ہوئے غلیظ قصبات میں آنے والی دیہی آبادی شامل ہیں۔ لیکن یہ کم زور گروہ سیاسی آواز بلند کر سکتے تھے۔ تاہم اصل تبدیلی ۱۹۶۰ء کی دہائی میں آئی جب سرگرم طلبہ کارکنوں اور ناراض دانش وروں نے ''نظام'' کے خلاف بغاوت کے دل کش نعروں اور نظریات کے ساتھ ساتھ تنظیمی طریقے بھی عام کیے۔

نئے بائیں بازو کی نظام مخالف تحریکوں نے جہاں تک ممکن ہوا کئی عوامل سے پیدا ہونے والے سماجی تناؤ کی بنا پر مقبولیت حاصل کی جن میں صنعتی کساد بازاری، آبادیاتی تبدیلی، شہری مضافات کا بدلتا ہوا سماجی جغرافیہ، نسلی مظالم، مذہبی جنونیوں کی فرقہ واریت، جدید قصبات، ریاستوں اور صنعتوں کی منصوبہ بندی سے ناراض ایلیٹ شامل ہیں۔ ان تھارٹی مخالف باغیوں نے انقلابات کا تاریخی انداز تبدیل کر دیا؛ یہ باغی اپنے ترجیحی حربوں میں غیر متشدد تھے، نوکرشاہی کی صفوں سے زیادہ خود مختاری کا مطالبہ کر رہے تھے اور بہت سے اسٹیٹس گروپس کے لیے شناخت مانگ رہے تھے جسے اب شناخت کی سیاست کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ معاشی طبقات کی وہ مارکسی گروہ بندیاں ترک کر دی گئیں جنہیں معاشرتی جدوجہد کی بنیاد بنایا جاتا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں مختلف احتجاجی گروہوں میں یہ بات عالمی طور پر مشترک تھی کہ ان میں نوکرشاہی اسٹیبلشمنٹ شامل تھی جسے بعض اوقات بڑے آقاؤں کی سرپرستی حاصل تھی۔ مختصر مدت کے لیے یہ حالات ''ہم بہ مقابلہ وہ'' کی محاذ آرائی کے لیے سازگار ثابت ہوئے جس کا عوامی اور بڑے پیمانے پر شان دار اظہار کیا گیا۔ اس سلسلے میں آپ مغرب میں ۱۹۶۸ء کے واقعات، ۱۹۷۹ء میں ایران میں شاہ مخالف جلوس، ۱۹۸۰ء میں پولینڈ کی ہڑتالیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ۱۹۸۹ء میں پورے سوویت بلاک میں نکلنے والی ریلیوں اور اسی تسلسل میں مصر میں بگ باس کے خلاف ۲۰۱۱ء کی عرب بہار کے واقعات اپنے ذہن میں تازہ کر سکتے ہیں۔

ان واقعات میں شرکت کرنے والوں، ان پر تبصرہ اور ان کی تحقیق کرنے والوں نے ساری توجہ اس بات پر مرکوز کی کہ کون سا فریق زیادہ طاقت ور اور امید افزا ہے۔ باغیوں کی طرف سے ہونے والے اکثر تجزیات میں یہ بات نظر انداز کر دی گئی کہ حکمران کیا کر رہے ہیں یا اصل میں کیا نہیں کر رہے۔ اکثر واقعات میں بیوروکریسی اسٹیبلشمنٹ نے مکمل جابرانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے میں ہچکچاہٹ دکھائی۔ یہ بات بہت حیران کن ہے کیوں کہ "سرمایہ دار سؤروں" اور "کمیونسٹ ظالموں" دونوں کے پاس بدتمیز شہریوں کو سبق سکھانے کے وسیع ذرائع اور افراد موجود تھے۔ ہمیں یورپی فاشزم کا مختصر عروج نہیں بھولنا چاہیے جو اسپین، یونان اور ترکی؛ لاطینی امریکی آمریتوں؛ جنوبی افریقہ میں سیاسی وسماج کی امتیازی پالیسی؛ عرب ملکوں میں فوجی بغاوتوں اور فوجی ایمرجنسیوں؛ مشرقی ایشیا کی کمیونسٹ اور کمیونسٹ مخالف ریاستوں کے اندرونی تشدد میں جاری رہا۔ طلبہ تحریکوں کے خلاف فوری ریاستی تشدد کا استعمال مقامی اور مخصوص تھا۔ تاہم ان تمام علاقوں میں عوام کو دبانا مشترک تھا جہاں ریاست کم زور یا نئی قائم ہوئی تھی۔

احتجاج کے لیے ریاستوں کے ردِ عمل میں فرق ایک اہم تھیوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مغرب اور سوویت بلاک میں ۱۹۷۰ء کے بعد سیاسی نظام مکمل طور پر بیوروکریسی والا ہو گیا تھا۔ ان ملکوں کے ادارے اور حکمران بیسویں صدی کے جنگی حالات دیکھ چکے تھے اور سرد جنگ کے توازن نے انہیں سدھا دیا تھا۔ ان کے سینئر ارکان اجتماعی طور پر فاشزم، سٹالن ازم اور امریکی نسلی ولیبر مظالم سے گزر چکے تھے۔ شاید یہ نئے بائیں بازو کے پر امن حربے تھے جنھوں نے ریاست کے سیکورٹی اداروں کو پر تشدد راستہ اختیار کرنے سے روکا۔ یا شاید ادارتی ماحول میں رہنے والے بیوروکریٹس اور سیاست دانوں کے مزاج میں احتیاط کا عنصر شامل ہو گیا تھا اور وہ کھلے عام تنازعات سے گریز کرنے لگے تھے۔ مابعد مکیاولی حکمرانوں کی اس نسل نے بیوروکریسی کے حربے اختیار کیے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید بیوروکریٹک معاشروں میں پر تشدد عمل اور اس سے گریز کے حالات کا مطالعہ سوشل سائنس کی ترجیح ہونی چاہیے کہ بحران یا انقلاب کی پیش گوئی کی جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ستر اور اسّی کے عشروں میں بھڑ جانے اور حیلے بہانے کی اسٹیبلشمنٹ سیاست نے جو الجھن پیدا کی وہ ابھی تک برقرار رہی ہے۔ نیو لیفٹ تحریکیں شعلے کی طرح بھڑکیں اور ختم ہو گئیں۔ لیکن نقصان بہت زیادہ تھا، خاص طور پر جب طویل المدتی تناظر میں دیکھا جائے۔ مسترد اور عارضی طور پر منتشر حکمرانوں نے صنعتی جدیدیت، مکمل روزگار اور بہبود کے وعدے پورے کرنے شروع کر دیے۔ مغرب کے سیاسی نظاموں میں اتنے وسائل اور طاقت تھی کہ یہ کام قابو میں رکھ کر کیا جاتا۔ اسے پوسٹ انڈسٹریل ازم، لچک اور گلوبلائزیشن کا نیا دور کہا گیا۔ سوویت بلاک میں یہ عمل قابو سے باہر ہو گیا اور سیاسی و صنعتی اشرافیہ مصیبت میں پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ کمیونزم کی معدومی پر منحرف نیو لیفٹ کی فتح ہوئی۔ لیکن پرانے لیفٹ کی طرح نیو لیفٹ منظم نہیں تھا اس لیے جو طاقت اس کے قدموں میں گری تھی اسے سنبھالنے اور ادارتی شکل دینے میں ناکام رہا۔ مزید برآں، جب صنعت کاری کا عمل الٹ ہوا، اعلیٰ تعلیم، ثقافتی اداروں اور عام بہبود کے لیے بجٹ کی کمی ہوئی تو عوامی اعتماد ختم ہو گیا اور اس نظام مخالف بغاوت کی بنیاد ختم ہو گئی۔

اسی دوران دائیں بازو میں مختلف قسم کی عوامی تحریکیں اٹھنا شروع ہوئیں۔ نئے دائیں بازو نے بہت سے حربے اور افراد مایوس بائیں بازو سے چھینے۔ دائیں بازو کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ تھا کہ طبقاتی سیاست، اس کی معروف علامات، حربوں اور سودے بازی کے آزمودہ طریقوں کا خاتمہ ہو گیا۔ سیاسی عمل نے شناخت کے رنگ چھینکے جس نے سیاست میں واہیات جذباتیت پیدا کی کیوں کہ شناخت کے معاملات پر عموماً کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ نیا دایاں بازو دو شکلوں میں آیا اگرچہ عملی شکل اکثر ایک ہی رہی۔ ایک گروہ نسلی یا مذہبی محبت والی بنیاد پرستی والا اور دوسرا گروہ آزاد مارکیٹ کی بنیاد پرستی والا تھا۔ دونوں گروہوں نے عقیدے کے بنیادی معاملات (یا ان کے معاشروں میں جو بھی کچھ بنیادی شناخت کا حامل سمجھا جاتا تھا) کے عسکری دفاع پر زور دیا۔ خاص بات یہ ہے کہ دونوں قسم کی بنیاد پرستی نے ریاستی بیوروکریسی کو ہدفِ تنقید بنایا کہ بہت زیادہ سیکولر، آزاد خیال، گناہ گار اور ٹیکس لگانے والی ہے۔ یہ چیز ہمیں عیسائی، مسلم، یہودی، بدھسٹ، ہندو اور دیگر بنیاد پرستیوں کے بارے میں اہم بات بتاتی ہے کہ تقریباً ہر جگہ انہوں نے شکوک اور خوف کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے کاروبار، چھوٹے شہروں اور پدرسری خاندان کے فوائد کی تعریف کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بایاں بازو واضح طور پر شکست کھا رہا تھا اور عوام سوچ رہے تھے کہ اس کی جگہ بنیاد پرست یا نسل پرست لیں گے۔ عوامی سیاست کی اس تبدیلی نے مغربی سرمایہ دارانہ اشرافیہ کے لیے سنہری مواقع پیدا کیے۔ نیولبرل ازم اصل میں جدید سرمایہ داروں کے اس نظریاتی عقیدے سے فروغ پاتا ہے کہ ہر کسی کو اپنے طریقے سے منافع کمانے کی اجازت دی جائے تو بالآخر ہر ایک کو فائدہ ہوگا۔ عالمی ترقی، انسانی فطرت کے مسخ شدہ قوانین اور عقلیت پسندی اس عقیدے کی فکری حمایت کے سوا کچھ نہیں۔ نیولبرل تحریکوں کی بنیاد پرستی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ ان تحریکوں نے سرمایہ داری کو خالص آزاد مارکیٹوں کے سوا کچھ ماننے سے سخت انکار کیا جس طرح مذہبی بنیاد پرست کہتے ہیں کہ صرف ان کا انقلابی فرقہ ہی اصل مذہب ہے۔ تاہم تاریخ سے واضح ہے کہ آزاد مارکیٹوں کی آئیڈیل شکل عملی حالت میں کبھی نہیں دیکھی جا سکتی، یہ ایک نظریاتی خواب ہے۔ فرنانڈ براڈل (Braudel Fernand) اور جوزف شومپٹر (Joseph Schumpeter) کی پیروی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مستقل منافع ہمیشہ ریاستی تحفظ اور مارکیٹ اجارہ داری کا متقاضی ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز سے استعماری اجارہ داری نے امریکی طاقت اور فنانس کو بڑھاوا دیا۔ مائیکل مین اور عمانویل والرسٹائن نے امریکی عالمی سلطنت کی کھلے عام مخالفت کی اور دونوں نے اس کے ناقابل عمل ہونے کی تفصیلی وجوہات پیش کیں۔ اب اس بات کے عملی ثبوت موجود ہیں کہ یہ پیش گوئیاں حقیقت پر مبنی تھیں۔

اب ختم ہونے والا چالیس سالہ دور تقریباً دو برابر حصوں میں منقسم ہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء تک بیسویں صدی کے بائیں بازو کا بحران اور انہدام ہوا، اور قومی ترقی پسندی کے ریاستی سیاسی اور اقتصادی ڈھانچے ختم بھی ختم ہوئے۔ اگلے بیس برسوں (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۸ء) میں امریکی طاقت سرد جنگ کے بیرونی دباؤ اور سماجی سمجھوتوں کی اندرونی پابندیوں سے آزاد ہو گئی۔ نیوکنزرویٹو مبصرین کا پروپیگنڈا عروج پر تھا جنہوں نے گلوبلائزیشن دور کا چرچا کرتے ہوئے سرمایہ داری کے پرانے دور میں واپس پلٹنے کا اندھا عقیدہ پورے زور سے پیش کیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ۱۹۱۴ء سے پہلے والی سرمایہ داری اختیار کی جائے۔ ماضی میں بائیں بازو کی تحریکوں اور غیر مغربی اقوام پر غالب آنے کی وجہ سے سرمایہ دار اپنے مقاصد حاصل کرنے میں آزاد تھے، نہ قومی حکومتیں ان پر پابندیاں لگا سکتی تھیں اور نہ وہ کسی سماجی پالیسی کو مانتے تھے۔ اصل میں یہی گلوبلائزیشن کا دور تھا جو ٹرانسپورٹ کی نئی ٹیکنالوجی اور کالونیل غلبے کی سیاسی و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عسکری فتوحات سے تشکیل پایا تھا۔

اکیسویں صدی میں گلوبلائزیشن کے حامیوں نے روشن تر امکانات دیکھے۔ امریکی استعمار اپنے حریفوں کو قابو کیے ہوئے تھا اس لیے وہ ۱۹۱۴ء کی طرح گلوبلائزیشن ختم نہیں کر سکتے تھے۔ سستے علاقوں کی مزدوری حاصل کرنے سے ان علاقوں میں قومی لیبر اور ماحولیاتی معاملات نظرانداز کیے گئے اور حکومتیں اور شہری دونوں عالمی مقابلے میں شامل ہونے پر مجبور ہو گئے۔ حکومتی پابندیوں کی عدم موجودگی میں بڑے سرمایہ دارانہ گروہ عالمی فنانس کے پیچیدہ شیطانی کھیل کے ذریعے سپر پرافٹ کمانے لگے۔ یہاں تک کہ مشہور انقلابات بھی لبرل ہو گئے اور سرمایہ داری کو فروغِ جمہوریت کی شکل میں اختیار کر لیا۔ این جی اوز نے خود کو عالمی مشنری سمجھا اور سرمایہ دارانہ جمہوری عمل کے فروغ میں عالمی سطح پر سہولیات فراہم کیں۔ ماضی کے سیاسی اور مالیاتی طور پر بوجھل کالونیل ازم کی جگہ گلوبلائزیشن کا نیا دور آ گیا جس میں قرض کے طاقت ور اداروں اور امریکی فوجی اڈوں کے عالمی نیٹ ورک کے ذریعے بالواسطہ کنٹرول کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مشاورت، عالمی میڈیا اور امریکی یونی ورسٹیز سے فارغ التحصیل کاروباری اور حکومتی انتظامیہ کی نرم طاقت بھی استعمال کی گئی۔ ان نے تصرفانہ اداروں کی فہرست میں منی لانڈرنگ کے ناجائز مواقع پیدا کرنے والے ادارے بھی شامل ہیں۔ باقی بچ جانے والی ضدی اور انکاری دنیا کو ''بدمعاش ریاستوں'' کا نام دے کر بدی کے محور میں دھکیل دیا گیا اور انہیں خطرناک دشمن کے طور پر پیش کر کے نظریاتی مفادات حاصل کیے گئے۔

یہ تمام شان دار ڈیزائن عالمی نظام کی ساختیاتی حقیقتیں ہیں۔ اس میں ۱۹۱۴ء سے پہلے والی سامراجی دنیا میں پلٹنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ جدید دور میں کسی ایک سپر پاور میں فوجی ارتکاز بھی سامراجی اہداف حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے اپنے زمانے میں گذشتہ سلطنتوں کے جابرانہ طریقے ناکام ہو گئے تھے۔ عراقی جیل ابوغریب میں امریکی جیلروں کے پاس گسٹاپو یا صدام کے تشدد والے طریقے نہیں تھے۔ اس کے باوجود ان شرم ناک تصویروں نے پورے مشرق وسطیٰ میں قوم پرستانہ نفرت کا طوفان کھڑا کر دیا اور مغرب میں سخت برگشتگی پیدا کی۔ اس قسم کے واقعات نے تشدد کے استعمال پر سیاسی تحدیدات نافذ کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فوجی نقل و حرکت کے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور غیر ملکی نگرانی کرنے کی امریکی مہمات انتہائی مہنگی اور سیاسی طور پر ناممکن ہو گئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمانویل والرسٹائن نے امریکی استعمار کے لیے ایک مختلف تحدید کی شناخت کی ہے۔ ٹیکسوں اور حکومتی افراد میں کمی کے دعووں کے باوجود اصل میں ٹیکس بہت زیادہ رہے ہیں۔ بجٹ کے بحران، سرکاری روزگار اور پنشن میں کمی، تعلیم اور سماجی خدمات کے لیے سرمایے کی ناکافی فراہمی الگ کہانی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ریاست نے سرمایہ دارانہ منافعوں کی تقسیم جاری رکھی۔ ان منافعوں کی تقسیم اوپر کی طرف تھی یعنی طاقت ور ریاستوں کے لوگ اور سیاسی و اقتصادی فیصلے کرنے والی ایلیٹ یہ منافع جات حاصل کر رہی تھی۔ نتیجتاً دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوئی اور وہی لوگ اب حکمران ہیں۔ انہوں نے یہ کیسے کیا؟ یہ دیکھنا بہت آسان ہے۔ صنعتی ترقی اور روزگار کی فراہمی کی پالیسیوں نے ریاستی مشینری کے ذریعے دولت مالیاتی اشرافیہ کے پاس منتقل کر دی۔ بڑی بڑی کارپوریشنز جن کی ناکامی محال تصور کی جاتی ہے، انہیں وسیع پیمانے پر مالی معاونت فراہم کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ تاہم اس کی زیادہ بھیانک شکل ہے قرض کی لامحدود تخلیق ہے جس کے ذریعے ریاستیں اور خاندان اپنے بجٹ خسارے پورے کرتے ہیں۔

یہ ہے اصل مسئلہ۔ حکومتوں اور خاندانوں کو بہت بڑے قرض جاری کرنا انتہائی مذموم (جی ہاں، کیوں کہ یہ لالچ اور غلامی ہے) بھی ہے اور سرمایہ داری کی جان بھی۔ ماضی بعید میں سرمایہ داری اشرافیہ کا کام تھا جو اعلیٰ طبقات کی فضول خرچیوں اور ریاستی جنگوں کی وجہ سے بڑے بڑے منافع سمیٹتے تھے۔ بیسویں صدی کی سرمایہ داری میں وسیع پیمانے پر مارکیٹ کی طلب اور سیاسی جواز کی خاطر عوامی صارفیت پر بھروسا کیا گیا۔ مزید برآں، بیسویں صدی کے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ عوام کی سیاست میں شرکت اور ریاست پر انحصار انسانی بدحالی پیدا کرتا ہے اور اس سے نکلنے کی راہ بھی نہیں ملتی۔ جدید معاشروں میں ریاست کے بڑھتے ہوئے وظائف کے تاریخی رجحان میں اس چیز کو ''مضبوط گرفت کا اثر'' کہتے ہیں۔

گذشتہ دو صدیوں میں فروغِ جمہوریت حقیقی واقعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ لوگوں کی بڑی تعداد (جس میں موجود نظام کے وفادار بھی شامل تھے) نے توقع کی کہ انہیں اپنی زندگیوں میں تین چیزیں مل جائیں گی: کئی برسوں تک مفت تعلیم، مستحکم اور معقول اجرت والا روزگار اور آخیر عمر میں پنشن۔ توقعات کی اس فہرست میں گھر بھی شامل کیا جا سکتا ہے اور گھروں کی فراہمی کی بھی وسیع کوششیں ہوئی ہیں۔ ہاؤسنگ کی نج کاری نے مالیاتی بوجھ انفرادی مالکان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کندھوں پر ڈال دیا اور انہیں چھوٹے سرمایہ داروں میں تبدیل کر دیا اور وہ بھی بخوشی بن گئے۔ لیکن اس تبدیلی سے گردی کا عروج ہوا اور آنے والی نوجوان نسل کے لیے گھروں کی ملکیت کا امکان مسترد ہو گیا۔ ۲۰۰۸ء کے بحران نے یہی تضاد واضح کیا تھا۔

دوسری طرف ریاستوں کو ہنرمند اور صحت مند مزدوروں، خاموشی سے ٹیکس ادا کرنے والوں اور محب وطن فوجی رنگروٹوں کی ضرورت تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان تاریخی رجحانات نے نجی منافعوں پر دباؤ بڑھا دیا۔ مغربی سرمایہ داروں نے اس دباؤ کے ردعمل میں بغاوت کر دی۔ انہوں نے نئی مارکیٹ کی قدامت پسندی بطور نظریہ اور مارکیٹ گلوبلائزیشن بطور حکمت عملی اختیار کی۔ نئے دائیں بازو کا سیاسی و اقتصادی نظریہ یہ تھا کہ سرمایہ دار معاشی بحرانات سے اپنے اپنے طریقوں کے مطابق نبٹیں۔ گلوبلائزیشن کا اولین مطلب یہ ہے کہ سرمایہ قومی ریاستوں کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو گیا۔ سرمایے کی پرواز اور ٹیکس آمدن کے دباؤ نے حکومتوں کے لیے تین امکان چھوڑے: کرنسی چھاپنا، قرض لینا، اور براہ راست پولیس تشدد اور آہستہ آہستہ معاشی پھانسی کے ذریعے عوام پر ظلم ڈھانا۔ ہر امکان اختیار کرنے میں مختلف الجھنیں تھیں۔ غریب اور مفلوک الحال باغی عوام کو دبانے کے لیے بھی بہت زیادہ پیسے کی ضرورت تھی تاکہ اس جبر پر اخلاقی طور پر تیار ہونے والوں اور عملاً یہ جبر کرنے والوں کی وفاداری خریدی جا سکے۔ لیکن حکومتیں اتنی بڑی رقم کہاں سے حاصل کرتیں کیوں کہ ان کے مالیاتی بہاؤ تو پہلے ہی اشرافیہ کے مفادات کے لیے تھے۔

حالیہ عشروں میں یہی بڑے سیاسی اور اقتصادی پیمانے تھے۔ اگر کچھ ہوا تو یہی ہو گا کہ یہ الجھنیں بدتر ہو جائیں گی۔ لہٰذا والرسٹائن اور مائیکل مین کے مفروضات ایک دوسرے کے متوازی ہیں۔ اگر منظم اور موثر مخالف نہ کی جائے تو مالیاتی وسائل کا ارتکاز سوچ سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔ لیکن جس طرح امریکا کی عسکری اجارہ داری سامراجی اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہی اسی طرح مالیاتی اجارہ داری بھی تارِ عنکبوت ثابت ہوئی۔ بڑی بڑی رقموں کے ذخیرے جب پیداواری استعمال میں نہ آ سکے اور دھرے کے دھرے رہ گئے تو افسانوی ثابت ہوئے۔

یہ بڑی تصویر زیادہ تر مغرب اور سابق سوویت بلاک سے متعلق ہے۔ اگر ہم باقی دنیا بھی شامل کریں تو کیا یہ تصویر بدل جائے گی؟ بلاشبہ ہر جگہ چین کی ترقی کا چرچا ہے۔ تاہم ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے کچھ اتنے بوڑھے ہیں کہ ہمیں وہ وقت یاد ہے جب معاشی ترقی کے ماہرین کہتے تھے کہ مشرقی ایشیا میں ترقی کا امکان نہیں۔ ان کے چمکتے ستارے فلپائن، ایران یا نائیجیریا اور سینیگال تھے جن میں مغربی ادارے، جدید انفراسٹرکچر، مقامی مارکیٹیں، تعلیم یافتہ ٹیکنوکریٹ اور مڈل کلاس تھی۔ اس کے برعکس جنوبی کوریا اور تائیوان کی جنگ زدہ لڑاکا ریاستوں یا فرانس کی سابق کالونیوں سنگاپور اور ہانگ کانگ میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا، نہ قومی خود مختاری، نہ مڈل کلاس، نہ قدرتی وسائل، نہ جدید تعلیم۔ یہ ماہرین کہتے تھے کہ مشرقی ایشیا کی ریاستوں میں آبادی کا بوجھ زیادہ ہے، پناہ گزین مفلوک الحال ہیں، اقربا نوازی اور کرپشن عام ہے، اور دیگر جامد کرنے والی ایشیائی روایات ہیں اس لیے یہ ریاستیں ترقی نہیں کرسکتیں۔ کمیونسٹ چین کو ماؤ کے پاگل کرنے والے تجربات اور جنوبی گوریلا صفوں کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا جس طرح اب شمالی کوریا کو کیا جا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ انہی عوامل کو مشرقی ایشیا کی کامیابی کی وجہ قرار دیا جا رہا ہے کہ اس میں سستی مزدوری وافر ہے، مقامی مارکیٹوں میں پھیلاؤ کی صلاحیت ہے اور تیل جیسے وسائل کی لعنت سے خوش قسمتی سے محروم ہیں؛ اور نظم و ضبط، سخت محنت، تعاون و حمایت کے نیٹ ورک اور اتھارٹی کی اطاعت کی وہی ایشیائی اقدار ترقی کے پیمانے قرار دی جا رہی ہیں۔ ان ریاستوں کی آمریت پسندی مستحکم ہوئی اور کرپشن نسبتاً کم رہی اور انہوں نے خود کو نئے حالات کے مطابق ڈھال لیا۔

رنڈل کولنز نے اپنی ایک تحقیق میں مشرقی ایشیا میں سرمایہ داری کے مقامی آغاز میں بدھ ازم کی تنظیمی معیشتوں کو بنیادی وجہ قرار دیا ہے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مشرقی ایشیا ایک ہزار سال تک اپنی نوعیت کا عالمی نظام رہا ہے جس کی متحرک اور وسیع مارکیٹیں بے مثال تھیں۔ مشرقی ایشیا میں وراثتی مہارتوں، اثاثوں اور سماجی نیٹ ورکس کا احیا بیسویں صدی کے حادثاتی حالات میں پرتشدد انداز میں ہوا۔ ۱۹۴۵ء سے پہلے جاپانی سامراجیت کی توسیع اور بعد میں کمیونزم کو روکنے کے لیے لڑی جانے والی امریکی جنگوں نے ترقی پسندانہ آمریتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جارجی درلوگاں نے دکھایا ہے کہ چین بالآخر برآمداتی سرمایہ دار ہو گیا اور اس کی وجہ بین الاقوامی اور مقامی سیاسی واقعات تھے۔

فری مارکیٹ کے نظریات مشرقی ایشیا کی موجودہ ریاستوں کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آزاد مارکیٹ کی وجہ سے کاروبار میں شان دار پھیلاؤ آتا ہے۔ اس قسم کے دعوے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخی تجزیے اور ٹھوس شواہد کے بغیر ہیں۔ مشرقی ایشیا قواعد وضوابط کی پابند کارپوریشن ریاستوں کی نمایاں مثال رہا ہے۔ اگر نیولبرل آزاد مارکیٹ کی پالیسیوں کا مشرقی ایشیا کے عروج سے کوئی تعلق ہے تو وہ یہ کہ مغرب میں پیداواری سرگرمیاں ختم ہوگئیں اور انہیں سستی مزدوری والے علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرمایہ کاری کی نئی جگہوں پر لیبر قواعد وضوابط کی پابند نہ تھی۔ بہت سے ایسے ملک ہیں جہاں کی غریب آبادی زیادہ گھنٹوں تک کم اجرت پر کام کرنے کو تیار ہے۔ لیکن لیبر سے کام لینے کے لیے پہلے اسے منظم کرنا اور سدھانا ضروری ہوتا ہے۔ مقامی اشرافیہ کے مقاصد اور لالچ کو بھی منظم کرنا اور سدھانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے رسمی ریاستی اداروں اور غیر رسمی انفراسٹرکچر سے مدد لی جاتی ہے۔ کارپوریشن ریاست میں کرپشن اہم عنصر ہے۔ ایسی ریاستوں میں کاروبار سے بے دخلی ریاستی اہل کاروں کی کمائی کا بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ تاہم ریاست اپنے اہل کار کارکردگی، وفاداری اور ایمان داری کی بنیاد پر منتخب کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس سے وہ ادارتی ماحول پیدا ہوتا ہے جو سرمایہ داروں کے لیے پرکشش ہوتا ہے۔

مشرقی ایشیا کی ثقافتی اور اقتصادی وراثت منفرد تو ہے لیکن مکمل طور پر منفرد نہیں۔ جب تک نئی پیداواری جگہوں کی تلاش میں عالمی سرمایے کا بہاؤ ان ریاستوں میں ہوتا رہے گا تب تک کرشماتی اقتصادی ترقی کی توقع کی جاتی رہے گی۔ انڈیا اور ترکی ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ایشیا کا اقتصادی جغرافیہ چین تک محدود نہ تھا۔ لاطینی امریکا میں مختلف امکانات ظاہر ہو رہے ہیں جہاں برازیل آگے جا رہا ہے۔ سوشلسٹ، قوم پرست یا مقامی تحریکوں کے نظریاتی دعوے اور حربے خواہ کچھ بھی ہوں، اصل میں یہ روایتی لاطینی امریکا کی سیاست تبدیل کر رہے ہیں۔ اپنے تمام مخاصمانہ اور غیر ہم وار عمل کے ساتھ پورا براعظم اصل میں قومی ریاستیں تشکیل دے رہا ہے۔ جب سماجی تحریکوں کے رہ نما ریاستی طاقت حاصل کرتے ہیں تو وہ مقامی معززین کی طاقت کم کر کے اپنا اقتدار قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ افواج اور پولیس پر جمہوری شہری نگرانی مسلط کر دی جاتی ہے۔ نئی جمہوریتوں کی تشکیل کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شہریوں کو ہیومن رائٹس، سماجی بہبود اور نوکریوں کے مرکزی اداروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ شاید یہ سوشل ازم نہیں بلکہ سرمایہ داری کا نیا اور بہتر ورژن ہے۔ اکیسویں صدی میں لاطینی امریکا سوشل ڈیموکریٹ اور کارپوریشن ریاستوں کے مغربی انداز اختیار کرے گا اس طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں بھی صنعتی ترقی کی بنیاد پڑے گی۔

مغرب، جاپان اور سوویت بلاک میں طویل مدتی بحران (اگر حالات واقعی بہت خراب نہ ہوئے تو) تیسری دنیا میں صنعتی عروج کا باعث بن سکتا ہے۔ ماضی میں غریب ریاستوں نے مرکزی سرمایہ دارانہ ریاستوں کے مصائب سے فائدہ اٹھایا کیوں کہ بحران میں ٹیکنالوجی درآمد کرنا آسان ہوتا ہے، عالمی مارکیٹ پر سیاسی تصرف کم ہو جاتا ہے اور کم اجرت والے نئے منافع بخش شعبے وجود میں آتے ہیں۔

ہم پانچوں کا خیال ہے کہ عالمی عدم مساوات میں کمی آئے گی۔ والرسٹائن کے بقول اس سے قلیل مدت میں تکالیف کم ہوں گی اور طویل مدت میں دنیا کی بہتر تشکیل کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ مائیکل مین کہتا ہے کہ مارکیٹ زندہ رہے گی اور یورپ میں سوشل ڈیموکریسی کے عروج سے مماثل خوش حال سرمایہ داری کی بنیاد پڑے گی۔ یہ اچھا امکان لگتا ہے لیکن کیا یہ سرمایہ داری کی معیشت سے ہم آہنگ ہے جس میں واحد پیمانہ نجی منافع ہوتا ہے؟ والرسٹائن اور کولنز سرمایہ داری کی ممکنہ موت کے حوالے سے ''دوسروں کی ترقی'' کو اپنے مفروضے سے متناقض نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس نئے سرمایہ دارانہ کھلاڑیوں کی عالمی مارکیٹ میں آمد سرمایہ داری کی الجھنوں میں اضافہ کرے گی۔

یہاں تک ہم نے ماضی قریب کی مدد سے مستقبل قریب کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ سرمایہ داری یا سیارے کی حیاتیات میں ہونے والی بڑی ساختیاتی تبدیلیوں کے متعلق ہم کیا کہیں گے؟

نظاماتی حدود بمقابلہ لامحدود ارتکاز

مائیکل مین سرمایہ داری کا امید افزا لیکن ماحولیاتی بحران کا مایوس کن منظرنامہ پیش کرتا ہے۔ باقی دنیا کا عروج سرمایہ داری کے لامحدود مواقع فراہم کرے گا۔ عالمی آبادیاتی جغرافیہ اور عالمی سیاست و معیشت غریب ملکوں میں ترقی اور شہروں کی آبادکاری سے متاثر ہو رہے ہیں۔ مائیکل مین نظاماتی چکروں کی موجودگی پر شک کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بجائے وہ کہتا ہے کہ سماجی طاقت کے چار نیٹ ورک (نظریاتی، معاشی، عسکری اور سیاسی) ایک دوسرے سے ملتے ہوئے تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں۔ اصولی طور پر وہ اپنی نظاماتی تشخیص میں کوئی حتمی رائے نہیں دیتا اس لیے وہ کوئی مخصوص پیش گوئی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ سرمایہ داری موجود رہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گی بالخصوص اگر اسے مساوات پسندانہ لبرل پالیسیوں کی مدد سے چلایا گیا۔

مائیکل مین اپنے تجزیے کی بنیاد میکس ویبر کو بناتا ہے اور چہار سمتی طاقت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب طاقت کے چاروں ذرائع مل جاتے ہیں تو واقعات فیصلہ کن بن جاتے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عالمی جنگ اور سرمایہ دارانہ بحران کی تشکیل نظریات اور سیاست نے کی تھی۔ اکیسویں صدی میں کم سرمایہ دارانہ بڑھوتری تکثیری سیاست اور قومی خودپسندی سے مل کر ماحولیاتی بحران کا باعث بنے گی۔ حادثاتی واقعات ہوں گے لیکن طاقت کے چاروں ذرائع کے اندر سے جنم لیں گے۔ غیر متوقع واقعات ہوتے رہتے ہیں اس لیے پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ یہاں پر مائیکل مین سرمایہ داری کے اداروں میں بحران کی اہمیت پر کولنز اور والرسٹائن سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے بجائے وہ کہتا ہے کہ ماحولیاتی تباہی اصل وجہ بنے گی۔ اس لیے مائیکل مین ماحولیاتی اور سیاسی دائروں میں اختلاط کی اہمیت واضح کرتا ہے۔

کریگ کلہون اس بات پر مائیکل مین سے متفق ہے کہ خارجی بالخصوص ماحولیاتی خطرات سرمایہ داری کے لیے خطرہ بنیں گے۔ ہم سب کی طرح کلہون بھی یہی کہتا ہے کہ مستقبل مکمل طور پر حال پر منحصر نہیں ہوتا اس لیے سیاسی عمل کا امکان موجود رہتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ سرمایہ داری کے اندرونی نظاماتی خطرات سرمایہ داری کے لیے زیادہ بڑے مسئلے ہیں اس لیے سرمایہ داری کے تسلسل کے لیے ضروری ہے کہ سماجی اداروں کا احیا کیا جائے جو ایک طرف تو سرمایہ داری کے سہولت کار بنیں اور دوسری طرف معاشرے کو اس کے اثرات سے بچائیں۔ یہاں پر والرسٹائن اور کولنز سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا سرمایہ داری عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی سماجی و ماحولیاتی قیمتیں ادا کرسکتی ہے؟ سوشل سائنس دانوں کو دیکھنا چاہیے کہ کیا سرمایہ داری کی تحرکاتی اہلیت نئی دولت کی تخلیق کے ساتھ ساتھ قیمت بھی ادا کررہی ہے یا نہیں۔

مائیکل مین اور کلہون دونوں کہتے ہیں کہ گہرا ماحولیاتی بحران بہت جلد آسکتا ہے جو ابھی تک چلنے والی سرمایہ داری کے مصیبت بن جائے گا۔ کولنز اور والرسٹائن کہتے ہیں کہ ماحولیاتی بحران بعد میں اور سرمایہ دارانہ بحران پہلے آئے گا۔ کولنز ماحولیاتی جائزوں کی سائنسی تحقیقات پر انحصار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بڑا ماحولیاتی بحران ۲۱۰۰ء میں آئے گا۔ مائیکل مین کہتا ہے کہ سنجیدہ ماحولیاتی خطرہ ۲۰۳۰ء سے ۲۰۵۰ء تک کئی ملکوں کے لیے خطرہ بن جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

اس کے برعکس کولنز اور والرسٹائن ۲۰۴۰ء تک مکمل سرمایہ دارانہ بحران کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ بحران کے بعد ہمیں ماحولیاتی بحران کا سامنا ہوگا۔ اگر کولنز اور والرسٹائن کے موقف پر چلا جائے تو اندازہ ہے کہ سرمایہ دارانہ بحران کا سوشلسٹ حل سیاسی ڈھانچوں کو اس طرح تبدیل کر دے گا کہ ماحولیاتی بحران سے نبٹا جا سکے۔ مائیکل مین کی رائے مختلف ہے۔کوئی بھی بڑا سرمایہ دارانہ بحران جی ڈی پی کی شرح کم کر دے گا لہٰذا ماحولیاتی بحران کا خطرہ کم ہو جائے گا۔ اس کے خیال میں تین بدمعاش ماحولیاتی تباہی کا باعث بن رہے ہیں: سرمایہ داری، قومی ریاستیں اور فضول خرچ عام شہری۔ بحران کا حل یہ ہے کہ ان تینوں کو لگام دی جائے۔ بحران سے سرمایہ داری نکلے یا سوشلزم یا کچھ اور، اسے بالکل مختلف ہونا ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مائیکل مین اور کلہون دونوں سرمایہ دارانہ تحرک کو مغرب سے باہر دیکھ رہے ہیں۔ مائیکل مین کے نزدیک یہ سرمایہ داری کا خاتمہ نہیں بلکہ اس سے ماحولیاتی بحران عالمی ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب امریکا اور یورپ میں سرمایہ داری اور سیاسی وجغرافیائی استعماریت پر زوال آئے گا تو عالمی قیادت مشرقی ایشیا یا برازیل، روس، انڈیا، چین اور جنوبی افریقہ کے اتحاد کے پاس چلی جائے گی۔ ماحولیاتی سائنس دانوں کے مطابق بدترین ماحولیاتی بحران چین، جنوبی ایشیا اور افریقہ میں آئے گا۔ اس سے یہ امکان کم زور ہو جاتا ہے کہ مغرب کے متبادل عالمی قیادت کھڑی ہو گی۔ مائیکل مین کہتا ہے کہ ماحولیاتی تباہی سب کا خاتمہ کر دے گی۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں دو نہیں بلکہ تین متبادلات سوچنے چاہئیں: سرمایہ داری کا بطور نظام عالم حتمی خاتمہ؛ پرانے سرمایہ دارانہ استعماری ملکوں کا زوال اور ابھرتے سرمایہ دارانہ استعماری ملکوں کا عروج؛ عالمی سطح کا ماحولیاتی بحران۔ کولنز اور والرسٹائن پہلے امکان کے حق میں ہیں اور مائیکل مین تیسرے کے حق میں ہے۔

عمانویل والرسٹائن اور رنڈل کولنز تصویر کو مختلف لیکن ہم آہنگ انداز میں دیکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں سرمایہ داری ایک عالمی نظام ہے۔ کسی بھی پیچیدہ نظام کی طرح اس کے متعلقہ ڈھانچے ہیں لہٰذا اس کی آخری حدیں بھی ہیں۔ اگرچہ نظاماتی حدوں میں وسعت پیدا کی جا سکتی ہے لیکن ان سے مکمل طور پر جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ سرمایہ داری کے بعد آنے والی دنیا کے اداروں اور معیارات کی نشان دہی کوئی نہیں کر سکتا۔ یہاں کریگ کلہون ہمیں یاد دلاتا ہے کہ عالمی تبدیلیوں پر سیاسی اعمال اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ تاہم کولنز اور والرسٹائن کا اصرار ہے کہ

www.KitaboSunnat.com
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری اپنی حدود تک پہنچ گئی ہے اور وہ ایک بڑی پیش گوئی کرتے ہیں کہ عالمی تبدیلی آئے گی۔ وہ واضح طور پر بتاتے ہیں کون سے ساختیاتی عوامل متوقع تبدیلی کی طرف لے جارہے ہیں۔ ان کے مفروضے پر تنقید یا اس کی تجربی تصدیق کرنا ممکن ہے۔ جارجی درلوگاں سوویت مثال دے کر بتاتا ہے کہ کولنز اور والرسٹائن کی پچھلی پیش گوئیوں میں سے کیا سچ ثابت ہوا اور کیا نہیں۔ سوویت بلاک کی مثال واضح کرتی ہے کہ کس طرح ایک نظاماتی اکائی اپنی کامیابی کی حدود تک پہنچ کر ساختیاتی بوجھ اور حادثاتی عوامل کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

مائیکل مین، کولنز اور والرسٹائن کی پیش گوئیوں میں اختلافات اصل میں انسانی معاشروں کے اس ماڈل کے دو پہلو ہیں جو ارتقائی ماہرین بشریات نے تیار کیا ہے۔ تکنیکی اصطلاحات میں یہ انسانی ماحول کی صلاحیتِ سہار (CapacityBearing) اور پیداواری شدت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس ماڈل کے مطابق اب تک کے تمام انسانی معاشروں نے اپنے ماحول کو سیر شدہ بنایا۔ حدود کے اس بحران نے ہر معاشرے کے سامنے تین امکانات رکھے۔ پہلا تھا موت۔ پوری انسانی تاریخ میں بار بار یہی ہوا ہے کہ انسانی گروہ قحط، وباؤں یا نسل کشی کے نتیجے میں مکمل یا جزوی طور پر معدوم ہو گئے۔ یہ مالتھوسی آبادیاتی چکر ہے جس میں ماحول انسانوں کی تعداد سے متوازن ہوتا ہے۔ آبادی کم ہوئی تو باقی ماندہ لوگوں نے پھر سے وہی پیداواری سرگرمیاں شروع کر دیں یہاں تک کہ ماحول پھر سیر شدہ ہو گیا اور پھر سے سخت حالات آ گئے۔ دوسرا امکان تنوع ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے دریافتیں کیں اور نئے علاقوں میں آبادکاری کی۔ شمالی ٹنڈرا سے گرم خطوں تک جزیروں، میدانوں، صحراؤں، پہاڑوں، جنگلوں پر قبضہ جمایا یہاں تک کہ تمام روئے زمین انسانی چہروں سے ڈھک گیا۔ اور تیسرے امکان کو عام طور پر ترقی کہا جاتا ہے جس میں انسان اپنے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتے ہیں۔ انسانی معاشروں میں یہ تیسرا امکان ارتقائی اختراعیت کی بنیادی وجہ رہا ہے۔

چھوٹے پیچیدہ معاشرے اور اولین ریاستیں ان پیداواری علاقوں میں قائم ہوئیں جنہیں چھوڑنا نہایت آسان تھا مثلاً دریائی وادیاں جو صحراؤں اور پہاڑوں سے محصور تھیں۔ ''محصوری کا اثر'' اصل میں مائیکل مین نے ہی ایجاد کیا تھا جب اس نے قدیم سلطنتوں، مارکیٹوں اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علاقہ چھوڑنا ناممکن ہو گیا۔ تاریخی طور

www.KitaboSunnat.com

پر ایسے حالات میں انسانوں نے زیادہ بہتر سماجی تنظیم تشکیل دی جس کی بدولت ان مقبوضہ علاقوں سے مزید فوائد حاصل کرنا ممکن ہو گیا۔ لوگ اپنی مرضی سے غلام، مزارع یا خراج دینے والے نہیں بنے بلکہ محصوری کے اثر نے انہیں مجبور کر دیا کیوں کہ وہ کہیں فرار نہ ہو سکتے تھے۔ ماضی میں جب بھی پیداواری طریقوں نے سیری پیدا کی تو سیاسی اور نظریاتی تشکیلِ نو ضرور ہوئی۔ یہ تبدیلیاں تنازعات کا باعث بھی بنیں۔

اس کتاب میں مائیکل مین یہ موقف اپناتا ہے کہ سرمایہ داری باقی رہے گی۔ کلھون بھی اس سے متفق ہے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے لیے سرمایہ داری کو اپنے طریقے تبدیل کرنے پڑیں گے۔ کلھون عمومی سرمایہ داری اور فنانشل سرمایہ داری میں بھی فرق کرتا ہے۔ مائیکل مین کے مطابق سرمایہ داری کے پاس بے شمار ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعے وہ سیر شدگی کی حالت سے نکل کر کنزیومر مارکیٹ مزید گہری کر سکتی ہے۔ سرمایہ داری کو اگر کوئی چیز ختم کر سکتی ہے تو وہ ہے تباہ کن جنگ یا ماحول کی عالمی تباہی۔ جنگ کا عمل سرمایہ داری سے آزادانہ ہوتا ہے اس لیے حادثاتی اور خارجی ہے (یعنی سرمایہ داری کے اندرونی تجزیے میں شامل نہیں)۔ اصل میں یہی چیز مائیکل مین اور کلھون کو والرسٹائن اور کولنز سے مختلف کرتی ہے۔ ماحولیاتی بحران بھی تو سرمایہ دارانہ ترقی کا نتیجہ ہے جو سیاسی اور ثقافتی عوامل سے جڑا ہوا ہے۔ لہٰذا دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری خود اپنی تباہی کا سامان کرے گی۔

رنڈل کولنز اور عمانویل والرسٹائن کہتے ہیں کہ سرمایہ داری اپنی ساختیاتی حدوں کے قریب پہنچ رہی ہے۔ دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ سرمایہ داری اپنی معیشت میں توسیع کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔ سرمایہ داری نے پہلا عالمی نظام پیدا کیا ہے جو پورے کرہ ارض پر غالب ہے اور تمام آبادیاں اپنے تمام وسائل کے ساتھ اس میں شریک ہیں۔ انیسویں صدی میں مشینری نے زرعی اور صنعتی نوکریوں کی جگہ لے کر مغرب میں غربت اور انقلاب پیدا نہ کیا جیسا کہ کارل مارکس نے پیش گوئی کی تھی کیوں کہ جدید انتظامی، پیشہ ورانہ اور کلرکی کی نوکریوں نے ماڈرن مڈل کلاس کو پر سکون کر دیا۔ اکیسویں صدی میں یہ علاقائی اور اندرونی خلا پُر ہو جائیں گے۔ سرمایہ داری کا حتمی بحران اصل میں کئی مزید بحرانوں کا باعث بنے گا۔

ہم سب متفق ہیں کہ مائیکل مین ہمیں تین چیزوں پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ آب وہوا کی تبدیلی، وبائیں، نیوکلیائی جنگ۔ یہ اس لیے قابل غور نہیں کہ انسانیت کے لیے خطرہ ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ ان پر اس لیے غور کیا جائے کہ یہ کس وقت آ رہے ہیں۔ ہم سب ان کے بارے میں وسیع علم رکھتے ہیں لیکن ان کا مطالعہ کرنے والوں میں بہت سے اختلاف ہیں اس لیے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہوگا۔ آب و ہوا کی تبدیلی ناقابل تردید حقیقت ہے سوائے ان لوگوں کے جو اس حقیقت کو سیاسی یا نظریاتی وجوہات کی بنا پر مسترد کرتے ہیں۔ مزید برآں، آب و ہوا کی تبدیلی کا باعث بننے والی ہر شے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امیر اور غریب ملکوں میں آب و ہوا کی تبدیلی کے مسئلے کے حل پر کوئی اتفاقِ رائے نہیں۔

تاہم زمین کا ماحولیاتی نظام بہت پیچیدہ ہے اور تبدیلیاں بڑی وسیع ہیں اس لیے ہم نہیں جانتے کہ کون سی مطابقتیں پیدا ہوں گی۔ یہ واضح ہے کہ پانی کی سطح بلند ہوگی جس سے زمین کا بہت بڑا حصہ ڈوب جائے گا۔ یہ بھی واضح ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اوسط درجہ حرارت تبدیل ہوگا اور ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زرعی پیداوار اور وسائل ایک خطے سے دوسرے خطوں میں منتقل ہو جائیں۔

یہی بات وباؤں کے لیے بھی ہے۔ گزشتہ سو برسوں میں عالمی میڈیسن نے ترقی کر کے کئی بیماریوں پر قابو پا لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ صورت حال بھی پیدا ہوئی ہے کہ انسانیت کے دشمن جراثیم نے نئی شکلوں میں زندہ رہنا سیکھ لیا ہے۔ ہمارا علم بہت وسیع نظر آتا تھا لیکن جب سب کچھ ہو گیا تو محسوس ہوا کہ ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ وقت کے ساتھ دوڑتے ہوئے ہم کتنی جلدی سیکھ لیں گے؟ اور زندہ رہنے کے لیے ہمیں کس قدر سیکھنا چاہیے؟

نیوکلیائی جنگوں سے مٹ جانے کا خوف بھی ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے نیوکلیائی ہتھیاروں کا پھیلاؤ ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ریاستوں کے مابین جنگ نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ہو۔ نیوکلیائی ہتھیار اصل میں دفاعی ہتھیار ہیں اس لیے بین الریاستی جنگوں کا خطرہ کم کرتے ہیں۔ تاہم کچھ چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ غیر ریاستی اداکاروں کے مقاصد وہ نہیں جو ذمہ داری ریاستی اہل کاروں کے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ نیوکلیائی، کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے حصول کی کوشش میں ہیں تاکہ انہیں استعمال کر سکیں۔ کچھ ریاستیں ان ہتھیاروں کا تحفظ نہیں کر سکتیں اس لیے خطرہ ہے کہ غیر ریاستی اداکار انہیں چوری کر کے یا خرید کر حاصل کر لیں گے۔ اور بدمعاش ریاستی ایجنٹ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ عین ممکن ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی تباہی نہ آئے لیکن دنیا تبدیل ضرور ہو گی۔ یا دنیا تبدیل ہو جائے اور پھر بھی تباہی آئے۔ اس کا انحصار نئی سیاست پر ہے۔ ایسی سیاست جو عالمی خطرات کم یا ختم کر سکے۔ واضح رہے کہ یہ سب قدرتی آفات نہیں۔ قحط، اخلاقی گراوٹ اور نیوکلیائی دہشت گردی یہ سب انسانیت کے لیے سیاسی چیلنج ہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ان پر غور ہونا چاہیے۔ ان کے حل کے بارے میں سوچنے کا مطلب ہے کہ سیاسی فیصلے کیے جائیں۔ عام طور پر لوگ ان خطرات سے اس طرح نبٹتے ہیں کہ بس اپنا تحفظ کرتے ہیں اور دوسروں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ یہ رجحان پہلے ہی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جمہوری اور مساوات پسندانہ نظام وضع کرنے والوں کو اس رجحان کا خاتمہ کرنے والی سیاسی حکمت عملیاں وضع کرنے میں زیادہ محنت درکار ہو گی۔

تبدیلیاں •

ایک اہم بات جس پر ہم سب متفق ہیں وہ یہ ہے کہ آنے والے وقت میں عالمی سیاست بہت بدل جائے گی۔ سیاست دان، سماجی تحریکیں اور میڈیا مبصرین پرانی عقل و بصیرت کی مدد سے آگے دیکھنے کے قابل نہ رہیں گے۔ حکومتوں اور کاروباری کارپوریشنوں کی طاقت کم زور ہو جائے گی۔ ان کے آزمودہ ہتھکنڈے اور نظریاتی وار بے کار ہو جائیں گے۔ احتجاج کرنے والے غضب ناک ہوں گے۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ احتجاج کس کے خلاف کریں، کس سے مطالبہ کریں، کس طرح منظم ہوں اور کس سے ملیں۔ ہم ماضی کی تبدیلیوں کے علم کی بنا پر نقصان دہ نصیحت نہیں کرنا چاہتے۔ آنے والے دور میں ہمارے مفروضات غلط ثابت ہوں گے (یہی تو سائنسی علم کی فطرت ہے، ہے نا؟)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے مسائل اور امکانات تاریخ میں پہلی بار آتے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ بڑی تاریخی تبدیلیاں مختلف سطحوں پر ایک ساتھ ہوتی ہیں۔ تبدیلی کے دور میں کاروبار ناممکن ہو جاتا ہے۔ امریکی سامراجی استعمار واضح طور پر ختم ہو رہا ہے۔ اس کی پیداواریت، مالیات اور چین اور یورپ کی سیاسی اطاعت ختم ہو رہی ہے۔ بڑا سوال یہ ہے کہ مغرب کا زوال کس رفتار سے ہو گا؟ ہماری بہترین امید ہے کہ مغرب طاقت اور دولت پر دوسری دنیا کے ساتھ شراکت کرے گا۔

اتفاق کا اہم نکتہ یہ ہے کہ مستقبل کی تفصیل کسی کے پاس نہیں۔ سیاسی جدوجہد اجتماعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منزل کا تعین کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ مزید برآں، آنے والے دور میں سوشل سائنس کچھ مختلف کام کرسکتی ہے۔ کلیاتی تاریخیت کے مفروضے مستقبل کے تباہ کن امکانات کے خلاف خبردار کررہے ہیں۔ درمیانی راستہ انتشار اور کمی کا ہے۔ یہاں سوویت یونین کا انجام قریب ترین مثال ہے۔ ایک دوسرا امکان فاشسٹ طرز کی آمریت کا ہے جسے مظلوم لوگوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ بدقسمتی سے بیسویں صدی کے فاشزم کا ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ فاشزم کچھ عشروں تک قابل عمل معیشت چلاسکتا ہے جس میں لوگوں کے بڑے گروہ دوسرے گروہوں کو دبا کر منافع حاصل کرتے ہیں۔ بدترین جرمن نازی اقتدار بیرونی جنگ سے ختم ہوا تھا، اندرونی سیاسی تبدیلیوں یا انقلاب سے نہیں۔

تاہم یہی مفروضات بدحال دنوں کے بعد اچھے وقتوں کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ ہماری امیدیں اس مشاہدے سے ماخوذ ہیں کہ ماضی میں بڑے ساختیاتی بحرانات میں لوگوں نے معیاری طور پر نئی اور وسیع اجتماعی طاقتیں تشکیل دیں۔ یہ رجحان بار بار آنے والے بحرانات اور انسانی اختراعیت سے تشکیل پایا ہے جو بالآخر استحکام اور خوش حالی کے دور میں بدل سکتا ہے۔

پوری نسل انسانی اس وقت ایک دوسرے تسلسل کا سامنا کر رہی ہے۔ ہمارے آنجہانی دوست اور رفیق کار گیاونی اریغی (Giovanni Arrighi) کہا کرتے تھے کہ نظاماتی مسئلے نظاماتی حل کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اس کے تفصیلی ماڈل میں بتایا گیا ہے کہ تاریخی سرمایہ داری مکانی وسعتوں اور تبدیلیوں کے کئی مراحل سے گزری ہے۔ یورپی سرمایہ داروں نے اپنے آپ کو اور اپنے کاروبار کو قومی ریاستیں بنا کر تحفظ دیا تھا (ان ریاستوں میں افواج، بحریہ اور ٹیکس کا نظام معاونین کے طور پر تھے)۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری نے اپنی تاریخی کامیابی تحفظ کی قیمتوں کو اپنے اندر سمو کر کی۔ اگلے مرحلے میں سرمایہ داری نے کالونیل وسعت کی بنیاد پر پیداواری قیمتوں کو بھی اپنے اندر سمولیا جسے عام طور پر برطانیہ کا صنعتی انقلاب کہا جاتا ہے۔ لیکن اس دور نے کئی بحران بھی پیدا کیے جو انقلابی اور ریفارم تحریکوں کی اداراتی صف بندی اور صنعتی سامراجیت کی مسابقت سے پیدا ہوئے اور انہوں نے ۱۹۱۴ء میں سرمایہ داری کا تقریباً خاتمہ کر دیا تھا۔ امریکی استعمار نے بیسویں صدی میں ان بحرانوں پر قابو پانے کے لیے پیچیدگی کی ایک مزید تہہ کا اضافہ کیا اور لین دین کی قیمتوں کو بھی سرمایہ داری کے اندر شامل کر دیا۔ سرمایہ دارانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام کو کئی خطرات سے محفوظ بنا کر مستحکم کرنے کی کوشش میں ۱۹۴۵ء کے بعد جدید حکومتوں، معاشی کارپوریشنوں اور بین الاقوامی تنظیموں کا وسیع نظام مسلط کیا گیا۔

منطقی طور پر اکیسویں صدی کے لیے یہ کام رہ گیا کہ سماجی اور ماحولیاتی قیمتوں کو بھی سرمایہ داری کے اندر داخل کرے۔ یہ حقیقت اتنی بڑی ہے کہ پالیسی مباحث کا حصہ نہیں بنی۔ پچھلے دس ہزار سال سے انسانوں کی اکثریت دیہات میں رہی ہے۔ دیہی کمیونٹی کی ایجاد نے اجتماعی انسانی صلاحیتوں کی تنظیم نو میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تنظیم نے زرعی معاشرے ممکن بنائے۔ دیہی زندگی نے غیر رشتہ داروں کے اوسط گروہوں کو اپنے مشترکہ معاملات جامع انداز میں منظم کرنے کی اجازت دی۔ اس نے سماجی پیداوار سے متعلق ہر شے کی دیکھ بھال کی جس میں تقسیم محنت، وسائل کی روایتی تقسیم، روزمرہ کے جھگڑے اور مسائل، ثقافت اور مہارتوں کی ترسیل، گروہی اتحاد کے کائناتی اور نظریاتی رسوم ورواج، صوفیانہ وجد سے لے کر عام دیہی رقص تک سب شامل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دیہی کمیونٹی نے پیدائش سے لے کر موت تک انسانی زندگی کے عملی اور جذباتی پہلوؤں کو منظم کیا۔ یہ خود تنظیمی دیہات بعض میں آنے والے پیچیدہ سماج کی بنیاد بنے اور قبائلی سرداریوں سے شہری ریاستوں اور سلطنتوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

پہلے پہل سرمایہ داری جس دنیا میں شروع ہوئی وہ دیہات کی دنیا تھی۔ مارکیٹ اور سرمایہ داری کے جیو پولیٹیکل تحرک نے دیہی اجتماعیتوں کو ختم کرنا شروع کر دیا کیوں کہ دیہاتیوں کی بطور مزدور، آبادکار اور فوجی کہیں اور ضرورت تھی۔ دوسری طرف دیہاتیوں کے لیے بھی غربت زدہ اور محدود ماحول میں رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ دیہات کی معدومی کے کئی نام ہیں مثلاً جدیدیت کاری، شہری آبادکاری، صنعت کاری، زرعی آبادی میں حد سے زیادہ اضافہ، خواندگی میں اضافہ یا سامراجیت اور فوجی انقلاب وغیرہ۔ حتمی نتیجہ ہر جگہ ایک ہی نکلا (پہلے مغرب میں پھر جاپان، سوویت بلاک اور اب ہر جگہ) کہ دیہی علاقے اپنے کثیر باشندوں سے خالی ہو گئے۔ دیہات شہر بن گئے یا گندی بستیاں۔

دیہات سے قصباتی زندگی میں تبدیلی کا عمل الٹ ہونا شاید ناممکن ہے۔ یہی چیز ہم پر واضح کرتی ہے کہ سرمایہ داری کا بحران حل کرنا اتنا مشکل کیوں ہے۔ کوئی ایسی چیز ہو جو انسانیت کے نئے جتھوں کو جامع طور پر معیاری اصول، سماجی ضابطہ، روزمرہ تحفظ اور بہبود فراہم کرے۔ مزید برآں، یہ کام بڑے پیمانے پر دیہی طرز سے بہتر انداز میں ہونے چاہئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیہات میں تحفظ تھا لیکن ہر فرد کی نگرانی اتنی سخت تھی کہ افراد سماجی پنجرے میں بند تھے۔ روایات کی حفاظتی دیوار، پدرسری خاندانوں میں عمر اور جنس کی ناہمواریاں، اجنبیوں اور غیروں کے لیے متشدد انتقامی رویہ بھی دیہی زندگی کا لازمی حصہ تھے۔

جدید تاریخ میں وسیع نقل مکانیوں، آبادیاتی تبدیلیوں اور نئی سیاسی اجتماعیتوں کی تخلیق نے بہت زیادہ صدمے اور مصائب پیدا کیے۔ یورپی آبادکاروں نے کالونیوں میں لوگوں کو بے گھر کیا، غلام بنایا اور ان کی نسلیں ختم کر دیں۔ جدید قوموں کا ظہور اکثر اوقات غیر قومی اقلیتوں پر مظالم اور ان کے اخراج سے ہوا۔ ۱۹۱۴ء کے بعد قوم پرستی عسکری ریاستوں میں تبدیل ہوئی تو فاشزم نے انہیں ہولوکاسٹ کا رنگ دیا۔ زراعت کی سوویت اجتماعیت کاری نے صنعتی ترقی اور جدید زندگی حاصل کرنے کے لیے لاکھوں لوگوں کی قربانی دی۔ ۱۹۴۵ء کے بعد مغرب اور سوویت بلاک کے کسانوں اور مزدوروں کو سماجی تحفظ اور خوش حالی نصیب ہوئی۔ مجموعی طور پر ان لوگوں کی تعداد کروڑوں میں تھی لیکن کیا اب اتنے وسائل ہیں کہ جنوب کے کھربوں لوگوں کو خوش حال بنایا جا سکے؟

گلوبلائزیشن کے حامی خوشی منا رہے ہیں کہ دنیا گلوبل ولیج بن گئی ہے۔ اس خوش کن دعوے کی سنجیدہ جانچ پڑتال ضروری ہے۔ وسیع المشربی (کاسموپولیٹن ازم) کے لبرل اور سوشلسٹ ورژن بھی ہیں۔ لیکن یہ مستحکم ریاستوں کی دنیا کی تکمیل کا پراجیکٹ ہے۔ اس کے علاوہ سامراجی، قوم پرست، نقل مکانی مخالف تحریکیں اور مذہبی بنیاد پرستی بھی گلوبلائزیشن کے اہداف رکھتے ہیں۔ آنے والے دور میں گلوبل حکومت اور مشترکہ گلوبل شناخت سیاسی نزاع کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کے نتائج ابھی اندازے سے باہر ہیں۔ عالمی سطح پر نظاماتی بحران تباہی، تکلیف اور برے ردِعمل کو جنم دے گا۔ لیکن یہ ایسی اجتماعی حکمت عملیوں کو بھی جنم دے گا جو جمہوری طور پر زیادہ جواب دہی والی، تنظیمی طور پر لچک دار اور عالمی تحکیم کی اہل ہوں گی۔ انسانیت اب بھی تباہی سے بچ سکتی ہے۔ بیسویں صدی کی انقلابی اور سوشلسٹ تحریکوں نے کافی سبق سکھا دیا ہے۔ شاید جدید ریاستوں کے متناقض ادارے تبدیل ہو جائیں۔

ہم بہتر مستقبل کے سیاسی ڈھانچے کو "ریاست" کہنے سے ہچکچاتے ہیں۔ یہ چیز نامعلوم ہے۔ ہم صرف چند اندازے ہی لگا سکتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر کو شک ہے کہ موجودہ اداراتی تنظیمیں آئندہ سیاسی ساختوں کے ظہور میں مدد دیں گی۔ اقوام متحدہ، یورپی یونین، آئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایم ایف، G-20, G-8, Davos اور اسی قسم کے دیگر کلب سرمایہ دارانہ اتحاد اور امریکی استعمار سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ ادارے کم زور ہو رہے ہیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ماحولیاتی بحران کا حل ریاستوں کے مابین تعلقات کا مضبوط نیٹ ورک ہے۔ دوسروں کو شک ہے کہ اس قسم کی سیاسی وحدت ہو بھی سکتی ہے یا نہیں اور پھر اس کے اپنے مسائل ہوں گے۔

آیندہ سیاست کی بدلتی ہوئی ساخت اور سمت بڑی حیرانیاں لائے گی۔ لوگوں کی اکثریت پہلے تجربے کی توسیع معقول خیال کرتی ہے۔ جدید دور میں قومی ریاستوں کی ترقی بلاشبہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اگر بڑے بڑے عوامل ذرا مختلف انداز میں مل گئے تو پھر کیا ہوگا؟ رنڈل کولنز ٹیکنالوجی کی تبدیلی کے ضمن میں یہی بات کرتا ہے۔ اگرچہ ہم میں سے کوئی بھی انارکسٹ (ریاست ختم کرنے کی) حکمت عملی کو حقیقت پسندانہ نہیں کہتا لیکن ہم مانتے ہیں کہ اسٹیبلشمنٹ مخالف حکمت عملی دائیں اور بائیں بازو میں موثر ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں غیر ریاستی تحریکوں کی اقدار اور متبادل تنظیمی حکمت عملیوں کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ جدید دور میں ریاستی طاقتوں نے جنگ اور لوگوں نے انقلابات کے ذریعے تبدیلی پیدا کی ہے۔ ان حالات میں انارکسٹ یا آزادی کی تحریک موثر ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر مستقبل میں غیر فوجی ایمرجنسی لگی مثلاً حیاتیاتی انواع یا مڈل کلاس روزگار کا خاتمہ ہوا تو کیا ہوگا؟ آخر ہم کس بنیاد پر مان لیں کہ ریاستیں یا ریاستی اتحاد کھربوں لوگوں کو رضاکارانہ طور پر شجرکاری، نئی ٹیکنالوجی کی ایجاد، بچوں کی تعلیم اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کر سکتا ہے؟ لوگ خود سے منظم ہو جائیں تو ہو جائیں، ریاست سے یہ امید نہیں۔ کون جانے کیا ہوگا؟ ہوسکتا ہے دائیں اور بائیں بازو کی عوامی تحریکیں مشترکہ مفاد کی خاطر ایک ہو جائیں۔ یہاں ہم سوشل سائنس کے لیے ایک اور تحقیقی سوال کی شناخت کرتے ہیں کہ حالیہ نظریات اور عوامی سیاست میں کیا کیا محرکات موجود ہیں۔

تبدیلی والے مستقبل میں سوشل سائنس کا کردار

کیا سیاسی امیدیں ہماری تھیوری کو دھندلا کر رہی ہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے: ہماری امیدوں اور مفروضات کے مابین تعلق تسلیم کرنا سوشل سائنس میں نظری ایمان داری کا لازمی حصہ ہے۔ سوشل تھیوری اکثر اوقات ایسے تناظرات سے جڑی ہوتی ہے جو انسانی اعمال سمجھنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مدد دیتے ہیں۔ جب ان تناظرات کو محض اپنے عقیدے کی توثیق اور مخالف نقطہ نظر کی تردید کے لیے استعمال کیا جائے تو باقی صرف نظریاتی بصیرت بچتی ہے۔ یہ تناظرات ایسی عینک ہیں جو عموماً سیاست اور عوامی مباحثوں میں پہنی جاتی ہیں اور اندھا کرنے کا کام دیتی ہیں۔ تھیوری مختلف شے ہے کیوں کہ اس کے لیے قابلِ تصدیق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق کن بنیادوں پر ہو، سوشل سائنس میں اس پر کوئی اتفاق نہیں۔ ہم طریقہ کے لحاظ سے تکثیری ہیں کیوں کہ ہمارے خیال میں سوشل سائنس کی تحقیق کا کوئی ایک درست طریقہ نہیں۔ لیکن ہم اضافیت کے بھی قائل نہیں۔ مختلف قسم کے مسائل اور تجزیاتی پیمانے محققین کے لیے کئی تحقیقی طریقے تجویز کرتے ہیں۔ سوشل سائنس میں تجربات اور شماریاتی تعلقات بہت اہم ہیں لیکن یہ آفاقی نہیں ہو سکتے۔ مقامی سماجی ماحول کا مطالعہ کرنے کے لیے تربیت یافتہ ماہرِ جغرافیائی نسلیات (ethnographic) کا مشاہدہ زیادہ مفید ہوسکتا ہے۔ کلی سماجیات میں (جو ہمارا میدان ہے) جو طریقہ استعمال ہوتا ہے اس میں پہیلی کے نامعلوم حصے معلوم کیے جاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ متبادلات معلوم کرنا ہے یعنی جو کام کسی ایک تاریخی حالت میں ممکن تھا لیکن نہ کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں ہم بتاتے ہیں کہ ایک تاریخی حالت سے دوسری حالت میں کیسے جاتے ہیں اور ساختیاتی امکانات کی اصل حدود کیا ہیں۔ ہماری تحقیق میں یہی چیز تجربہ ہے۔

تاریخی طور پر سوشل سائنس نے تنازعات، تبدیلیوں اور تشکیل ہیئت سے بحث کی ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا مرکزی سوال یہ ہے: اگر مستقبل میں بڑے بحران کا خطرہ ہے تو کیا ہوا؟ سماجی منظرنامہ متحرک اور متلاطم ہوسکتا ہے۔ مقامی واقعات حادثاتی ہوتے ہیں البتہ بعد میں ان کی وضاحت ہوسکتی ہے کہ کن ساختیاتی اور انسانی عوامل کی وجہ سے یہ ظہور پذیر ہوئے۔ طویل مدت کے لیے واقعات کی پیش گوئی کرنا بے کار ہے لیکن ساختیاتی تشکیلات کی پیش گوئی کارآمد ہے۔ موسم کی مثال لیں۔ یہ کہنا انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہوگا کہ اگلے سال ۱۳ جنوری کو شکاگو میں برف باری ہوگی۔ یہ حادثاتی واقعات کا ''مختصر'' وقت ہے۔ لیکن یہ پیش گوئی کرنا فضول ہوگا کہ اگلی جنوری کو شکاگو میں برف باری ہوگی۔ یہ بیان ساختوں کے طویل المدت وقت سے متعلق ہے۔ تاہم اگلے کئی عشروں کے لیے شکاگو کے موسم کی پیش گوئی کرنا کیسا ہے؟

مستقبل کے ٹھیک ٹھیک منظرنامے تلاش کرنے والے قاری اس کتاب سے مایوس ہوں گے۔ ان کی مایوسی ناجائز ہے۔ سماجی پیش گوئی میں درست اندازوں کا نہ ہونا اس بات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثبوت ہے کہ ہمیں اجتماعی طور پر عمل کی آزادی ہے اور ہمارے پاس اختیار کرنے کے لیے کئی آپشن موجود ہیں۔ عام حالات میں محدود آپشن ہوتے ہیں لیکن بحران کے وقت بہت زیادہ آپشن ہوتے ہیں۔ یہ دور نظاماتی تبدیلی کے لیے حکمت عملی وضع کرنے کا ہوتا ہے۔ انسان اپنا مستقبل آپ بناتے ہیں (دوسرے انسانوں سے اختلاف اور اتفاق کرتے ہوئے) لیکن حالات ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتے۔ سوشل سائنس دانوں کو واضح طور پر بتانا چاہیے کہ کیا حالات اور امکانات ہیں بالخصوص ایسے وقت میں جب امکانات تیزی سے پیدا اور ختم ہو رہے ہیں۔

اس معاملے میں ہم موجودہ سوشل سائنس پر تنقید کرتے ہیں کہ اس میں تاریخی تبدیلیوں کے ساختیاتی امکانات جان بوجھ کر نظرانداز کیے جا رہے ہیں۔ ہماری اس تنقید کا اطلاق پوسٹ ماڈرن ازم اور نیوکلاسیکل اکنامکس دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے یہ دونوں مکاتب فکر سوشل سائنس پر غالب ہیں۔ یہ دونوں اپنے اپنے انداز میں ۱۹۷۰ء کے بے نام بحران، بائیں بازو کی تحریکوں کے زوال اور امریکی استعماری مقاصد کے عکاس ہیں۔

مختلف فکری لہریں (جنہیں مجموعی طور پر پوسٹ ماڈرن ازم کہا جاتا ہے) بڑے بڑے مفروضات یا مہابیانیوں کے متعلق انتہائی شکی ہیں۔ یہ شک، طنز، ذاتی تجربات کو اہمیت دیتی ہیں، عقائد کے انہدام اور ثقافتی رویوں کی چھوٹی چھوٹی تشریحوں پر جشن مناتی ہیں۔ یہ فکری تحریک براہ راست ۱۹۶۸ء کی بغاوتوں اور عورتوں اور اقلیتوں کی فکری تشکیل سے نکلی ہے۔ اپنی ذات اور اپنی سماجی دنیا کو دیکھنے کا انداز نظر تبدیل ہو گیا جس سے عقائد کے معاملات (جن پر اب تک کچھ بولا گیا نہ ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا) پر نیا تنقیدی شعور پیدا ہوا۔ پوسٹ ماڈرنسٹ تحریک نے بہت سے کھڑے پانیوں میں ہلچل پیدا کی لیکن انہیں گدلا کر کے چھوڑ دیا۔

اس کے برعکس، نیوکلاسیکل اکنامکس کا سوشل سائنس پر تسلط زیادہ ہے۔ اس کی ساختیاتی بنیادی بالکل ویسی ہی ہیں جیسی علم نجوم کی ہیں۔ جدید دور سے پہلے آج کی اکنامکس کی طرح علم نجوم بھی مہارت کا مستند شعبہ تھا۔ اس نے تمام تہذیبوں کے حکمرانوں کی سمع نوازی کی، مغرب میں بھی اور مشرق میں بھی۔ اس سے بڑے بڑے نذرانے اور انعامات کمائے جاتے تھے کیوں کہ سب سے زیادہ انعام و کرام ایسے شعبے کے ماہرین کو ملتا ہے جس میں غیر یقینیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انسانی پریشانی سب سے زیادہ ہو۔ کرایہ داری کے خاندانی کنٹرول کی بنیاد پر بننے والے سامراجی اور جاگیردارانہ سیاسی ڈھانچوں میں ایلیٹ طبقے کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہوتی تھی کہ تخت کا وارث کون بنے گا اور جنگ کون جیتے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح سرمایہ کاری کے غیر یقینی حالات، مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ اور سرمایہ دارانہ کاموں کی عمومی مخالفت کی وجہ سے سرمایہ دار بھی پریشان ہوتے ہیں۔ علم نجوم اور نیوکلاسیکل اکنامکس دونوں نے ایلیٹ کی کامن سنس کی نظریاتی تصدیق کا کردار ادا کیا۔ تاہم اپنے عروج کے دنوں میں علم نجوم محض ایلیٹ نظریے کا عکاس نہ تھا۔ علم نجوم پیچیدہ ریاضی پر مشتمل تھا اور اس میں تجربی مشاہدات کا صدیوں پرانا علمی ذخیرہ اور مجموعہ تھا جو بعد میں جدید علم فلکیات کی بنیاد بنا۔ چوں کہ آدھی پیش گوئیاں واقعی سچ ہوتی تھیں اس لیے وجدان اور سیاسی بصیرت کے ذریعے پیش گوئی کی درستی ایک طرح کی عملی مہارت تھی۔ کامیاب نجومی شاطر درباریوں کا سیاسی نباض ہوتا تھا۔ آج کے کاروباری مشیروں اور حکومت کے ماہرین معاشیات کا بھی یہی حال ہے۔

بحران کے دور اور اس کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے نتیجے میں معیشت دانوں اور سیاسی پنڈتوں کو کچھ نیا کرنے کا موقع ملے گا۔ بالکل نئی قسم کی تحقیق کے فوائد وافر ہوں گے مثلاً مارکیٹ کی متبادل تنظیمیں وضع کرنا۔ بیسویں صدی میں بائیں بازو کی تحریکوں کی عملی اور نظری غلطی یہ تھی کہ انہوں نے مارکیٹ امکانات مسترد کر دیے تھے۔ ہم جوزف شومپٹر کے فکری ورثے کا احترام کرتے ہیں لیکن اس کی تھیوری مستقبل میں کام نہیں آئے گی۔

اسی طرح ہم کارل پولینی کے تصور ''افسانوی کموڈیٹیز'' (مثلاً زر، زمین اور زندگی جن کی تجارت نہیں ہو سکتی) کو بھی سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ اکیسویں صدی میں زمین کا مطلب ہے ماحول، زر کا مطلب ہے عالمی فنانس اور زندگی کا مطلب ہے سستی صحت، تعلیم، رہائش، پنشن اور سیکورٹی کی فراہمی کے ذریعے سماجی پیداوار کی قیمتوں کی بین الاقوامیت۔ کیا سرمایہ داری کے بعد کوئی بھی معیشت مارکیٹ اور معاشرے کی باہم مخالف ترجیحات سے نبٹ سکتی ہے؟ مزید برآں، ہو سکتا ہے کہ سرمایہ داری کے بعد آنے والے معاشی نظام مستحکم نہ ہوں۔ مارکیٹ اکانومی مستقبل میں بھی غالب آسکتی ہے۔ دنیا سرمایہ دارانہ اور غیر سرمایہ دارانہ نظاموں کے مابین جھولتی رہے گی۔ اس کا بھی انتظام کرنا پڑے گا۔

مارکیٹ معیشت کی طرح ریاستی طاقت کا غلبہ بھی نقصان دہ ہوگا۔ بیسویں صدی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخری عشروں میں بائیں بازو کے سیاسی انہدام کے بعد ریاستی طاقت کو چیلنج کیا گیا۔ سرمایہ دار بڑی حکومتوں کے بارے میں مشکوک ہو گئے کیوں کہ جدید ریاستوں پر غیر ایلیٹ شہریوں کا (بذریعہ جمہوری انتخابات یا بذریعہ بغاوت یا بذریعہ دونوں) قبضہ یقیناً ہو سکتا تھا اور یہ شہری ریاستوں کو غیر سرمایہ دارانہ مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد امن بحالی کی خاطر ویلفیئر ریاست کو ایک حد تک برداشت کیا گیا۔ لیکن ۱۹۷۰ء کے بعد بہت سے سرمایہ دار بالخصوص امریکی سرمایہ دار طاقت در ہو گئے تھے کیوں کہ بایاں بازو شکست کھا چکا تھا۔ اب بڑا سوال یہ ہے کہ کیا جدید بیوروکریٹک ریاست بحران کے دور میں ہمارے اجتماعی معاملات چلانے میں اچھا کردار ادا کرے گی، برا کردار ادا کرے گی یا کوئی کردار ادا نہیں کرے گی؟ اس سوال کے کئی ضمنی سوال بھی ہیں جنہیں وضع کرنا باقی ہے۔ یہ کام سوشل سائنس دانوں کا ہے کہ موجودہ فکری کام کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ سوال وضع کریں۔

اختتام

یہ پانچ مصنف دنیا کی ممکنہ منزلوں کا خاکہ بیان کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنی اپنی سابقہ تصنیفات میں مستقبل کے متعلق مباحث پر دوبارہ غور کرتے ہوئے ان کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ ارادتاً، اس اجتماعی بحث کا لہجہ ایک نہیں ہے۔ امید یہ تھی کہ مخالف نقطہ نظر کی روشنی میں ایک دوسرے کو تحریک دی جائے کہ وہ اپنے انفرادی موضوع کے اطلاقات واضح کرے۔ ہم نے پیچیدہ، سادہ اور مخالف آراء پیش کی ہیں۔ ہم نے ڈرامائی بلکہ گھن گرج والے لہجے سے گریز نہیں کیا۔ موضوع کی شدت اور وسعت کے پیش نظر ایسا لہجہ ضروری تھا۔ آنے والے عشرے کچھ بھی ہوں، معمول کے مطابق ہوں گے یعنی گذشتہ پانچ سو سالوں کے تناظر میں معمول کے مطابق ہوں گے۔ انسانی اجتماعی سفر بہت بڑا موڑ لے گا اور ضروری نہیں کہ یہ موڑ برا ثابت ہو۔

آخر میں امید افزائی کا لہجہ ذرا بلند ہے۔ بڑا بحران آئے یا بڑی تبدیلی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ سماجیات کے اب تک کے مجموعی علم کی بنیاد پر یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ تاریخ ختم ہو جائے گی۔ جب تک سماجی تنظیم میں مربوط انسان رہیں گے، تاریخ بھی رہے گی۔ نیوکلیائی جنگ یا ماحولیاتی انہدام کے بھیانک منظرناموں سے بچاؤ ممکن ہے کیوں کہ اجتماعی معدومی کے خطرات اصلی سمجھے جا رہے ہیں۔ سرمایہ داری کا خاتمہ کوئی ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑی آفت نہیں۔ جدید دنیا کی معاشی ساختوں کا بحران قیامت کی پیش گوئی ہرگز نہیں۔ سرمایہ داری کا خاتمہ امید افزا ہے۔ ہاں اس کے خاتمے سے الگ قسم کے مسائل ضرور آئیں گے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں بحران کے ردِعمل میں غیر سرمایہ دارانہ متبادلات فروغ دینے کی کوشش میں مطلق العنانیت آئی اور بیوروکریسی مضبوط ہوئی۔ اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غیر سرمایہ دارانہ پراجیکٹ ریاستی مشینری اور عالمی جنگوں کے پیدا کردہ افراد نے شروع کیا تھا۔ آنے والے دور میں سیاسی کوششیں اس سمت میں ہوں گی کہ عسکریت پسندی کا خاتمہ ہو اور پوری دنیا میں جمہوری ہیومن رائٹس کی ادارتی تشکیل ہو۔ سرمایہ داری کا بحران ہمیں ایسے موڑ پر لے آئے گا جس میں ماضی کے خیالی منصوبے واقعی قابل عمل ہو جائیں گے۔ یہ بحران ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم انسانی زندگی کو لاحق خطرات سے نبٹیں اور اس کے بعد آنے والے مسائل کا سامنا کریں۔

وہ لوگ یقیناً غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ سرمایہ داری کے بعد کے دور میں مہلک جمود ہو گا۔ وہ بھی غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ سرمایہ داری کے بعد کا دور ابدی جنت والا ہوگا۔ بحران کے بعد بہت کچھ ہوگا۔ امید ہے زیادہ تر اچھا ہوگا۔ ہم دیکھیں گے اور بہت جلد دیکھیں گے۔

www.kitabosunnat.com

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 25468

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

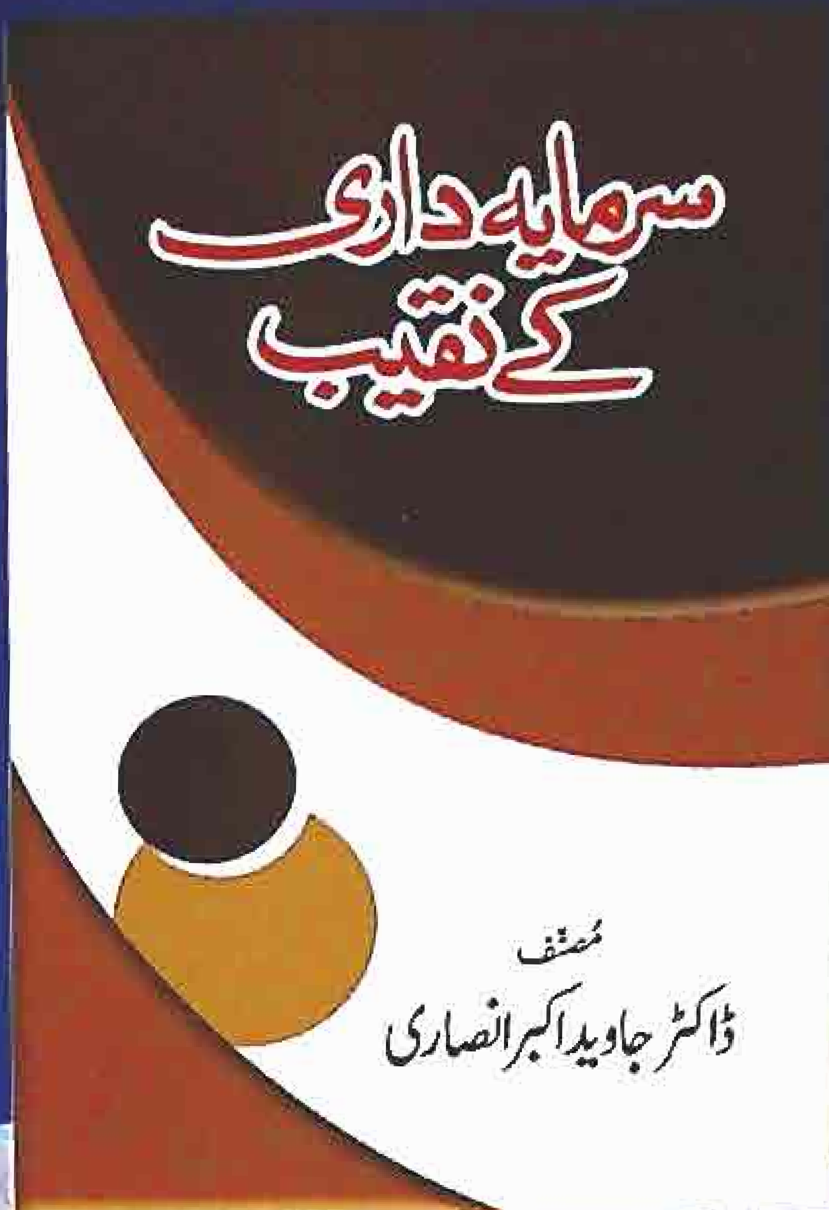

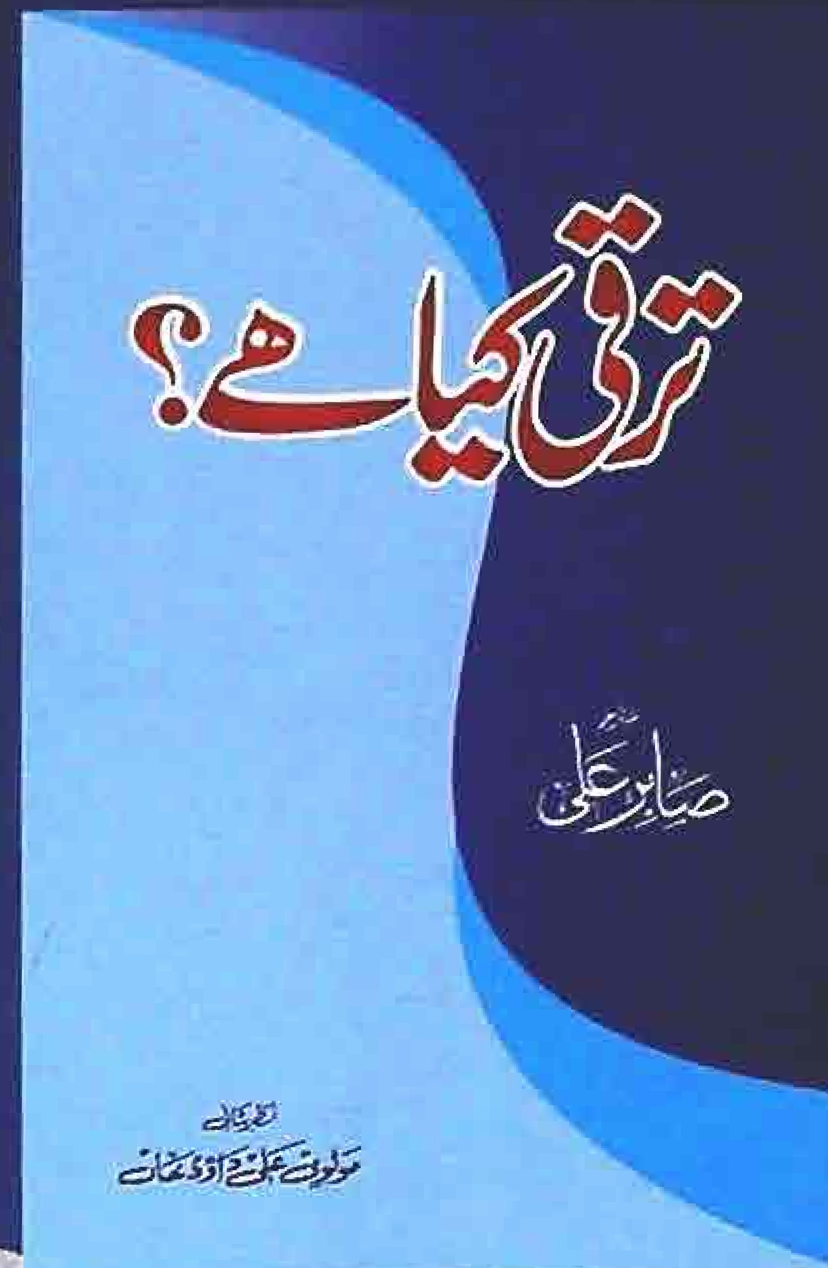

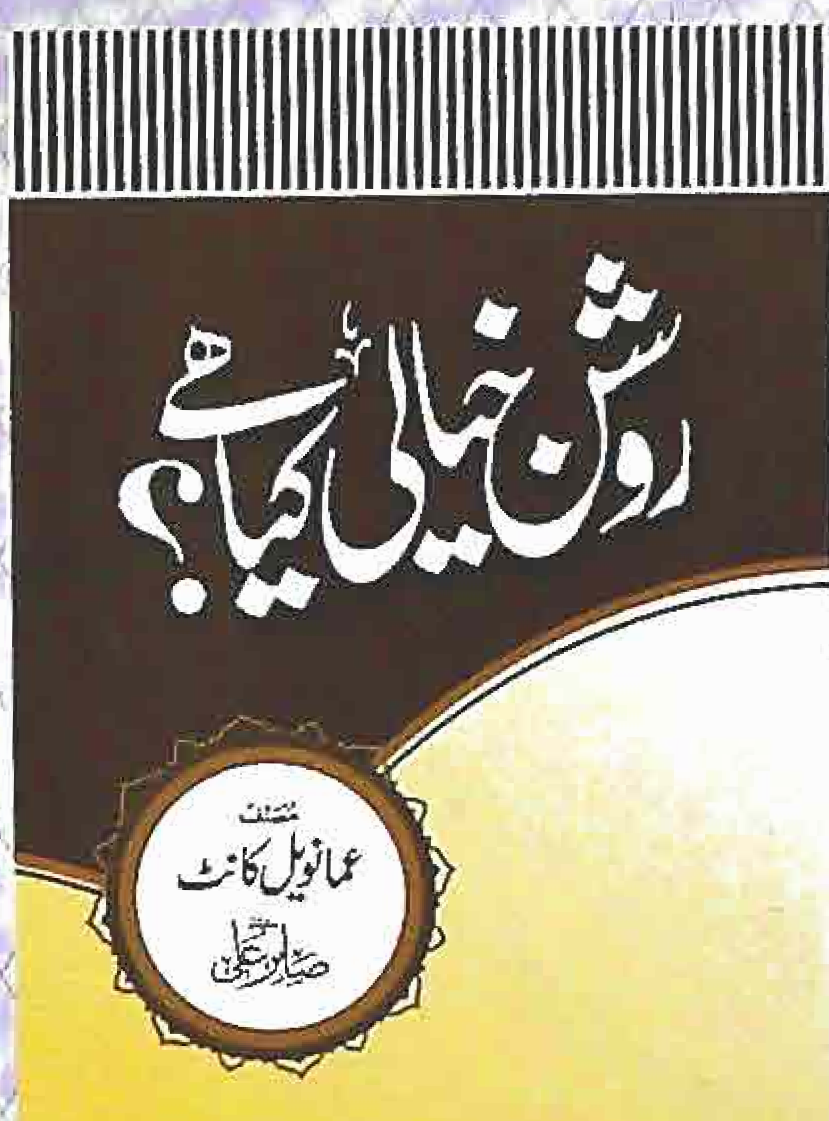

وراثت پبلیکیشنز
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0322-4539047, 0342-4198187, 0321-2849000
whatsapp: 0306-2628797
facebook.com/warasatpublications
E-mail: warasatpak@gmail.com

92 48 1705 09 23 17 02

Rs. 300/-